مطالعۂ تاریخِ اسلام

(عہدِ رسالت تا خلافتِ بنی امیّہ)

مؤلفہ

پروفیسر محمد ارشد خاں بھٹی ۔ ایم۔اے، ایم ایس سی
صدر شعبہ علوم اسلامیہ و معلّم حیاتیات
ایم۔اے۔او۔کالج، لاہور

ناشر

ک ورلڈ ۔ خانم بازار ۔ انارکلی ۔ لاہور

اِنتساب

علامہ محمد علاء الدین صدیقی ایم اے، ایل ایل بی

صدر شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

کے نام

جن کی کاوشِ محض سے مشرق کی اس بڑی درس گاہ میں علوم اسلامیہ کا دیا جلا اور اس سے سینکڑوں دیئے جلتے چلے گئے۔ اللہ کا یہ خاص فضل و کرم ہے جس سے بندہ بھی فیض یاب ہوا خلوصِ دل سے یہ دُعا ہے کہ باری تعالیٰ علامہ محترم کو تادیر سلامت رکھے اور خدمتِ دین کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد ارشد خان بھٹی

دیباچہ

…ال سے زائد عرصہ ہوا میری دو تالیفات "مخزنِ اسلام" اور "کتابِ اسلامیات" …بیٹے کے لیئے شائع ہوئیں اور اس قدر مقبول ہوئیں کہ سال کے اندر اندر لاہور …ریباً تیس ۳۰ کالجوں میں جن میں بیشتر گورنمنٹ کالج تھے، بطور درسی کتب پڑھائی …ں۔ میری اس حقیر سعی کو جو قبولیت کا شرف حاصل ہوا یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل …بر تھا۔ میں اپنے محسن رفقاء اور اساتذہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری …و ہمدردی کا ہاتھ بڑھایا اور اللہ تعالیٰ کا تو جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

…ظر "تاریخِ اسلام" جو آپ کے ہاتھ میں ہے دراصل طلبہ ہائر سیکنڈری سکول …ے) کے اس جدید نصاب کو پورا کرتی ہے جو سال ۱۹۶۱ء سے شروع ہوا ہے۔ اگرچہ …ر برائے اسلامیات کے طلبہ کے لیئے لکھی گئی ہے لیکن تاریخ کے طلبہ کے لئے بھی …ید رہے گی۔ کتاب کا مواد بہترین اور مستند کتب سے ماخوذ ہے اور "تاریخی …جامعیت اور تمام محاسن کو آسان و دلکش پیرایہ میں بیان کرنے کی سعی کی گئی …کی مزید سہولت کے لیئے بعض مشکل اور تشریح طلب الفاظ یا اصطلاحات …وسین میں مطالب بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ دوران مطالعہ میں طلبہ کو لغت …چنداں ضرورت نہ رہے۔

…بہ کی مزید سہولت کے لیئے کتاب مختلف حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں …لام سے پہلے ملک عرب کے ہمسایہ ممالک کی مذہبی اور سیاسی حالت بیان ہوئی

ہے، دوسرے حصہ میں رسالتِ محمدیؐ سے پہلے عربوں کی تہذیب، و تمدن دی گئی ہے تیسرے حصہ میں سیرت النبیؐ درج ہے، چوتھا حصہ خلافتِ راشدہ کا ہے اور پانچویں حصہ میں خلافتِ بنی اُمیہ بیان کی گئی ہے۔ ہر حصے کے ہر دور کے بعد امتحانی سوالات درج ہیں۔

مَیں نے فرقہ پرستی سے قطع نظر کر کے بالکل غیر جانبداری سے مستند مواد جمع کر دیا ہے تاکہ ہر پڑھنے والا واقعات کی روشنی میں خود اپنی رائے قائم کر سکے خلافتِ راشدہ سے پہلے صفحہ ۱۲۲ پر مَیں نے "خلافت" کا صحیح مفہوم مختصراً لیکن نہایت جامع الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ اس مفہوم کی روشنی میں خلافتِ راشدہ کے بعد کی تاریخ کو دیکھا جا سکے گا کہ کہاں کہاں اور کس کس موقع پر حکومت میں صحیح اسلامی رُوح تھی اور کس زمانہ میں خلافت محض شخصی حکومت بن کر رہ گئی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ طلبہ کے علاوہ یہ کتاب عوام کے لئے بھی دل چسپ مواد پیش کرے گی بلکہ زندگی میں سوچ کی کئی مزید راہیں کھول دے گی۔

آخر میں اساتذہ کرام اور دوسرے بزرگوں سے گذارش ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی غلطی یا نقص پائیں تو بندہ کو مطلع فرمائیں تاکہ بعد کے ایڈیشن میں تصحیح کر کے کتاب کی افادیت کو بڑھا دیا جائے۔ مشوروں کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔

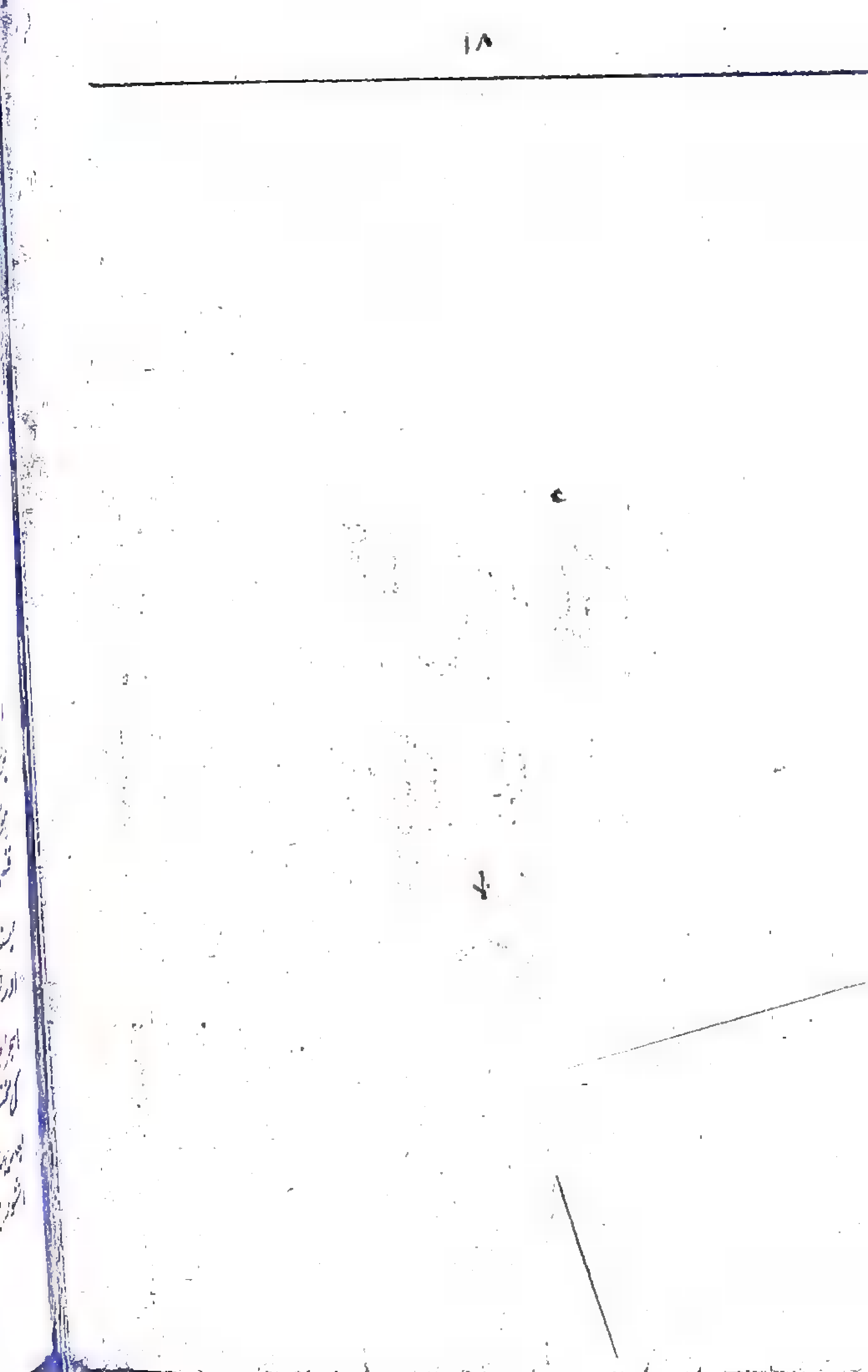
مؤلف
محمد ارشد خاں بھٹی

۱۵ ستمبر ۱۹۶۱ء

فہرست مضامین

احمد علی ملک نے اشرف پریس لاہور سے چھپوا کر
بک ورلڈ۔ خانم بازار۔ لاہور
سے شائع کی

قبل از اسلام
دنیا کی حالت



اشور اور بابل

آج سے تقریباً چھ ہزار سال پہلے سرزمین عراق اپنے شمالی اور جنوبی دو حصوں کے الگ الگ ناموں سے مشہور تھا۔ شمالی علاقہ کا نام اشور (ASSYRIA) تھا اور جنوبی حصہ بابل (BABYLON) کے نام سے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ اشور کے شہروں میں نینوا، خورس آباد اور اربیلا خاص شہرت رکھتے تھے اور بابلی علاقہ میں بابل، کش، اکاد اور اُر کے شہر بہت مشہور تھے۔

قدیم زمانے میں وہاں ہر شہر کا معبود الگ تھا پھر تمام دیویوں اور دیوتاؤں کو اکٹھا کر لیا گیا اور ان میں سے تین کو خاص شہرت حاصل ہوئی، آسمان، زمین اور فضا کے تین دیوتا سب کے سرتاج تھے۔ ان میں بھی آسمان کا دیوتا سب سے بڑا تسلیم کیا جاتا تھا۔ بابل میں مردوخ دیوتا کو بالآخر سب سے اونچا مقام حاصل ہو گیا اور اس طرح گویا انہوں نے دیوتاؤں کی وحدانیت کر لی۔ عبادت کے لیے مدطرقی قسم کے مندر ہوتے تھے۔ بابل اپنے ثقافتی اعتبار سے بہت مشہور تھا۔ تجارت بہت زیادہ تھی اور ناپ تول کے پیمانے رائج تھے۔ نظام حکومت اعلیٰ تھا فن تعمیر اور فنون لطیفہ میں کمال حاصل تھا۔ جادو، ٹونے اور ٹوٹکے خوب چلتے تھے۔ اجرام فلکی کی نقل و حرکت سے خاص قسم کے تاثرات اور نتائج لیتے۔ ستاروں کی مختلف حرکات اور ہر گردشوں سے بھی خاص نتائج اخذ کرتے تھے۔ ۲۲۶ء کے بعد یہاں ایران کے ساسانی بادشاہ قابض ہو گئے۔ ظہور اسلام سے پہلے بابل اور اشور میں ایران کی طرح تاریکی اور گمراہی کی حد ہو چکی تھی۔

بیزنطینی سلطنت

قدیم زمانے میں روم کی حکومت بیزنطینی سلطنت کے نام سے مشہور تھی۔ بیزنطین ایک مقام کا نام تھا۔ اسی مقام پہ ۱۱ مئی سنہ ۳۳۰ء میں قسطنطین نامی بادشاہ نے اپنے نام پہ نیا شہر بنوایا جو قسطنطنیہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ آج کل اس کا نام استنبول ہے جو ترکی کے علاقے میں ہے اور کسی وقت ترکی کا دارالخلافہ بھی تھا۔

حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے بیزنطینی بادشاہ اپنے آپ کو خدا کی طرف سے مامور سمجھتا تھا اور رعایا کو ایک بے کس مخلوق سمجھا جاتا تھا چنانچہ انہوں نے ایران کے معاشرہ اور شاہی طرز حکومت کو اپنا لیا۔ بادشاہ کے سامنے لوگ نہایت حقیر و ذلیل ہو کر جاتے اور سربسجود ہو کر لیٹ جاتے۔ بادشاہ کی بیوی کے انتخاب کے لئے ملک بھر کی خوبصورت دوشیزائیں جمع کر دی جاتیں۔ سزا کے طور پہ کسی شخص کو مروا دینا یا لوگوں کے سامنے زندہ جلا دینا بادشاہ کی نظر میں ایک معمولی سزا تھی۔

لوگوں میں مذہب ایک عجیب و غریب وہم کی شکل اختیار کئے ہوئے تھا جنگی زخموں کی دوڑ میں جیتنے والے کی تصاویر اور مجسمے جا بجا نصب کئے جاتے اور ان کو ہر قسم کی جسمانی سزا سے محفوظ کر دیا جاتا۔ ملک کے ادبی حلقوں میں بھی انہی بہادروں کی سب سے زیادہ تعریف ہوتی۔ راہبوں کے پاس لوگ دور دور سے چل کر آتے رہتے اور انکی تصویریں اور مجسمے تعویذوں کی شکل میں پاس رکھتے تاکہ آفات و تکالیف سے دور رہیں۔ ان راہبوں کے مجسموں کو گھروں یا دکانوں میں نمایاں جگہ پہ چراغ کے سامنے رکھا جاتا تاکہ ہر شر سے محفوظ رہیں۔ دشمنوں اور مخالفوں کو زیر کرنے کے لئے بھی یہ تعویذ استعمال کئے جاتے۔

عیش و عشرت کے بازار گرم رہتے اور اس سلسلے میں عورت اور انسانی زندگی کی کوئی قیمت نہ تھی۔ ظہور اسلام سے پہلے وہاں عیسائیت قائم ہو چکی تھی۔

عیسائیت

ظہورِ اسلام سے پہلے روم و فرنگ میں عیسائیت نہایت بگڑ کر رہ چکی تھی۔ لوگ حضرت عیسیٰؑ ان کی والدہ مریمؑ اور روح القدس کی پرستش کرنے لگے تھے۔ اور ان کی شخصیت اور مذہب کی تعیین نے کئی ایک فرقے بنا دیئے۔ ہر فرقہ اپنے آپ کو صحیح سمجھتا اور دوسروں کا جانی دشمن ہوتا۔ چنانچہ کشت و خون ہوتا رہتا۔ پادری دنیا پرست بن گئے تھے لوگ ان کو خدائی اختیارات کا درجہ دیتے اور ان کے مرنے کے بعد ان کی قبریں عبادت خانے بن جاتے تھے چھٹی صدی عیسوی میں عیسائی راہبوں کی بہت کثرت ہو گئی حتیٰ کہ عورتیں بھی راہب بننا پسند کرنے لگیں چنانچہ راہبوں کی خانقاہیں عیاشی اور شرمناک حرکات کے مقامات بن گئے۔ عام طور پر مشہور تھا کہ جو پادریوں اور راہبوں کی مرضی کے مطابق ان کی خدمت کرے گا اس کو وہ نور بخش دیں گے اور خدا کے ہاں کوئی پرسش نہیں ہو گی اسی بنا پہ پادریوں کے اشارہ پر حکومتیں اُلٹ جاتیں۔ چنانچہ آئے دن کی جنگوں نے روم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا تھا اور اخلاقی لحاظ سے یہ ملک انتہائی پستی میں پہنچا تھا۔ انہی کے اثر سے مصر کا ایک معقول حصہ عیسائیت قبول کر چکا تھا۔ یورپ میں تو سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ پادری لوگ حصولِ علم کو اپنے لئے مخصوص سمجھتے تھے اور عوام علم سے بالکل محروم تھے اور ایسی بے قدر مخلوق کہ ان کو کوئی پوچھتا تک نہ تھا۔ نہ ان کو شہری حقوق حاصل تھے نہ آزادیٔ فکر۔ تمام ٹیکس غرباء ادا کرتے تھے۔ امراء عیش و عشرت میں ڈوبے پڑے تھے۔ غلامی کا رواج عام تھا۔

ساسانی حکمران اور زرتشتی مذہب

ایران میں ساسانی بادشاہ حکمران تھے جن کا مذہب آتش پرستی تھا۔ شاہِ ایران کو دیوتا سے بھی پاکیزہ ہستی تصور کیا جاتا تھا اور بادشاہ اپنی رعایا پر ہر قسم کے تصرف و اختیار کا حق رکھتا تھا عوام بالکل بے بس مخلوق تھی، شاہی دربار میں شان و شوکت انتہائی ہوتی۔ بادشاہ پردہ کے پیچھے سے نہایت قیمتی تخت پر جلوہ افروز ہوتا۔ جب تک بادہ نہ ہو امراء بھی بادشاہ تک جا نہیں سکتے تھے اور جب کبھی بلا دے پر کوئی بادشاہ کے پاس جاتا تو منہ پر پٹی باندھ لیتا تاکہ اس کا سانس بھی بادشاہ کو نہ لگے اور پردے کے پاس پہنچ کر وہ زمین بوس ہو جاتا اور جب تک کھڑا ہونے کی اجازت نہ ہوتی زمین پر پڑا رہتا۔ ایرانی معاشرہ انتہائی ذلیل و خوار تھا۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ دولت، زمین اور عورت کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں بلکہ وقفِ عام ہے۔ زرتشتی (یا زردشتی) دینِ آتش پرستی کا مذہب تھا۔ آگ کے علاوہ چاند، سورج اور ستاروں کی پرستش بھی ہوتی تھی۔ زنا، چوری اور رہزنی کا خوب زور تھا۔ ہر طاقتور کمزور سے اپنی پرستش کروانے کی کوشش میں رہتا۔ مختصر یہ کہ عوام کی زندگی گویا عذابِ جہنم بنی ہوئی تھی۔



اسلام سے پہلے



ترکی
قبرص
شام
دمشق
فلسطین
ایران
پاکستان
عربستان
عمان
حضرموت
یمن
مسقط
ریاض
نجد
خیبر
الاحساء
کویت
مصر
قاہرہ
سوڈان
پورٹ سوڈان
خرطوم
حبشہ

جزیرہ نمائے عرب

ملک عرب ایشیا کے جنوب مغرب اور پاکستان کے مغرب کی جانب واقع ہے۔ اس کے مشرق کی طرف خلیج فارس (PERSIAN GULF)، جنوب میں بحیرہ عرب (ARABIAN SEA) اور مغرب میں بحیرہ قلزم (RED SEA) کی وجہ سے ملک کے تین حصوں کی طرف پانی ہے اور ایک طرف یعنی شمال کی جانب خشکی واقع ہے۔ جہاں عراق، شام اور دوسرے ممالک بستے ہیں۔ اسی محدود ارضیہ کی وجہ سے ملک عرب کو جزیرہ نمائے عرب کہنا زیادہ مناسب ہے۔ گو خود عرب لوگ اس کو جزیرۃ العرب کہتے ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب کا رقبہ تقریباً دس لاکھ مربع میل ہے اور کل آبادی تقریباً ستر لاکھ ہے۔ آج کل ملک عرب کی صوبائی تقسیم قدیم تقسیم سے مختلف ہے۔ قدیم زمانے میں یہاں کچھ سات صوبے تھے یعنی حجاز، نجد، یمن، حضرموت، عمان اور الاحساء وغیرہ۔

مجموعی لحاظ سے عرب گرم اور خشک ملک ہے۔ ملک کا بیشتر حصہ ریگستان اور پتھریلے پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ جہاں کہیں پانی کے چشمے ہیں وہاں کھجوروں کے جھنڈ اور دوسری سبزی کی وجہ سے لوگ آباد ہیں۔ ساحلی علاقوں میں آبادی نسبتاً زیادہ ہے۔ درمیانی حصہ کے شمال میں صحرائے نفود اور جنوب کی

طرف صحرائے ربع الخالی واقع ہیں۔ ملک میں کہیں کہیں موسمی ندی نالوں کی وجہ سے وادیاں پائی جاتی ہیں۔ بعض علاقوں میں سخت گرم اور تکلیف دہ ہوا چلتی ہے جسے بادِ سموم کہتے ہیں۔ کئی مقامات پر سونے چاندی کی کانیں پائی جاتی ہیں۔

حجاز یہ عرب کا سب سے بڑا صوبہ ہے جس کا رقبہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ مربع میل ہے۔ اکثر حصہ ریگستان ہے۔ جنوب میں یمن سے لیے کر مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ شمال میں ملک شام تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے مشہور شہر مکہ، مدینہ اور طائف ہیں۔

مکہ معظمہ (MECCA) میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تھی۔ یہاں بیت اللہ شریف ہے۔ جہاں تمام دنیا سے ہر سال لاکھوں مسلمان حج کرنے کے لیے آتے ہیں۔ مکہ کی موجودہ آبادی تقریباً دو لاکھ ہے۔ شہر چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔

مدینہ منورہ (MEDINA) شہر مکہ سے شمال کی جانب تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر ہے۔ ہجرت نبوی سے پہلے اس شہر کا نام یثرب تھا۔ پھر اسے مدینۃ النبی (نبی کا شہر) سے بدل دیا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارک اور مسجد نبوی اسی شہر میں ہیں۔

طائف (TAIF) شہر مکہ سے جنوب مغربی جانب کوئی پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ شہر سطح سمندر سے تقریباً چھ ہزار فٹ اونچائی پر ہے۔ اس لئے عرب کا صحت افزا مقام اور نہایت پر رونق شہر گنا جاتا ہے۔ یہاں شہد اور مختلف قسموں کے پھل بکثرت ملتے ہیں۔

جدہ (JIDA) ایک بندرگاہ ہے جو مکہ سے قریب ساحل پر واقع

ہے۔ اس کی موجودہ آبادی تقریباً پچاس ہزار ہے ۞

ینبع (YANBU) بھی ایک بندرگاہ ہے جو مغربی ساحل پہ مدینہ سے قریب پڑتی ہے۔ اس کی آبادی بھی جدہ کی آبادی جتنی ہے۔

نجد نجد (NEJUD) ملک عرب کا درمیانی صوبہ ہے اکثر حصہ ریگستان ہے۔ یہاں آج کل مشہور تیل کے کنوئیں پائے جاتے ہیں۔ اس علاقے میں عمدہ قسم کے گھوڑے اور اونٹ ملتے ہیں۔ کھجور اور پھل بکثرت پائے جاتے ہیں۔ آج کل اس کا دارالخلافہ (صدر مقام) ریاض (RIYADH) ہے۔

یمن یمن (YEMEN) مغربی ساحل کے ساتھ صوبہ حجاز کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ پچھتر ہزار مربع میل ہے۔ سرسبز اور شاداب علاقہ ہونے کی وجہ سے خاصہ آباد ہے۔ آبادی تقریباً پینتالیس لاکھ ہے۔ جنوبی حصے میں بندرگاہ عدن (ADEN) اور کچھ ملحقہ علاقہ انگریزوں کے قبضے میں ہے۔ یمن کی خاص پیداوار جَو، گندم، باجرہ اور کافی ہے آج کل اس کا صدر مقام صنعاء (SANA) ہے۔

حضرموت یہ علاقہ جزیرہ عرب کے ساحل کے ساتھ یمن اور عمان کے درمیان واقع ہے۔ اس میں ایک بہت لمبی موسمی ندی بہتی ہے ساحلی علاقہ زیادہ آباد ہے۔ خاص پیداوار کھجور ہے۔

عمان صوبہ عمان (OMEN) عرب کے بالکل مشرق میں واقع ہے اس کا رقبہ بیاسی ہزار مربع میل ہے اور موجودہ آبادی پانچ لاکھ پچاس ہزار ہے۔ مسقط (MUSCAT) صدر مقام ہے۔ پہاڑی علاقہ کے قریب و جوار میں کاشت کا کام ہوتا ہے۔ کھجور یہاں کی خاص

پیداوار ہے۔

الاحساء صوبہ احساء عمان کے شمال مغربی جانب واقع ہے۔ اس کے مشرق کی طرف خلیج فارس ہے۔ کھجور یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ خلیج فارس میں ایک چھوٹا سا جزیرہ بحرین (BAHREIN) ہے جس کا رقبہ تقریباً دو سو مربع میل ہے۔ بحرین کا علاقہ تیل کے کنوئیں اور سمندر کے موتیوں کے لیے مشہور ہے۔

اہلِ عرب

عرب کے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد سے ہیں۔ مورخین نے ان کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے:-

۱- **عرب بائدہ**:- یہ قدیم ترین عرب کے باشندے ہیں اور اب مٹ چکے ہیں۔ ان کی حکومتیں عراق، شام، اور مصر تک قائم تھیں۔ ان کے قبائل میں سے زیادہ مشہور عاد، ثمود، جرہم اور حضر موت تھے۔

۲- **عرب عاربہ**:- یہ لوگ عرب بائدہ کے بعد صوبہ یمن کے اصلی باشندے تھے اور بنو قحطان کہلاتے تھے۔

۳- **عرب مستعربہ**:- یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں اور بنو عدنان کہلاتے ہیں۔ یہ حجاز میں رہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت عرب میں

تین مختلف قوموں کے باشندے ملے جلے رہتے تھے۔ بنو قحطان اور بنو عدنان تو ملک عرب کے اصلی باشندے تھے اور تیسرے یہودی تھے جو تھوڑی تعداد میں ہونے کی وجہ سے کہیں کہیں آباد تھے۔

قحطان یہ یمن کے اصلی باشندے ہیں۔ ان کے تین مشہور قبیلے یہ ہیں:۔

۱۔ "حمیر"۔ اس کی آگے تین شاخیں مشہور ہوئیں۔ قضاعہ، سکاسک اور زید جمہور۔

۲۔ "کہلان"۔ ان کے سات قبیلے تھے۔ انہی میں سے سبا کی ملکہ بلقیس تھیں۔ یمن میں ایک بڑا سیلاب آگیا جس کی وجہ سے یہ لوگ وہاں سے نکل کر سارے عرب میں پھیل گئے۔

۳۔ "ازد"۔ ان میں سے کچھ لوگ مدینہ میں جا بسے۔ انہی میں سے مدینہ کے قبائل اوس اور خزرج (انصار) ہیں۔ اور کچھ لوگ (بنی خزاعہ) مکہ پر قابض ہو گئے اور بنی جرہم کو وہاں سے نکال دیا۔ کچھ دوسری شاخیں جنگلوں میں آباد ہو گئے۔

عدنان یہ لوگ مکہ کے باشندے ہیں۔ عدنان کا بیٹا معد تھا اور پوتا نزار۔ بیٹے اور پوتے کے ناموں پر عدنانیوں کو معدی اور نزاری بھی کہتے ہیں۔ ان کے مشہور قبیلے ربیعہ اور مضر ہیں۔

ربیعہ:۔ اس قبیلے کی شاخیں بہت بڑھیں۔ عہد اسلامی میں خوارج زیادہ تر انہی میں سے تھے۔

مضر:۔ ان کی شاخوں کا نقشہ صفحہ ۳۰ پر دیا گیا ہے

مضر

قیس عیلان ، الیاس

بنی ثقیف ، بنی ہوازن ، بنی غطفان

بنو ہذیل ، بنو اسد ، بنو تمیم ، مدرکہ

مالک ← نضر ← کنانہ ← خزیمہ

فہر (ملقب قریش)

غالب ، بنی مخزوم ، بنی تمیم ، بنی عدی ، بنی زہرہ ، بنی سہم

لؤی ← کعب ← مرہ ← کلاب ← قصی

عبد مناف

عبد شمس ، نوفل ، ہاشم ، مطلب

امیہ (خلفائے بنو امیہ) ، عبد المطلب

حمزہ ، ابو طالب ، عبداللہ ، عباس ، ابولہب

عقیل ، جعفر ، علی ، خلفائے عباسیہ

حسن ، حسین

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

سکونت

عرب کے باشندے دو قسم کی زندگی بسر کرتے ہیں - ایک وہ لوگ ہیں، جو صحرا میں خیمے لگا کر رہتے ہیں اور خانہ بدوش ہونے کی وجہ سے اکثر دودھ اور گوشت پر گذارہ کرتے ہیں - سادہ زندگی بسر کرتے ہیں لیکن بڑے جفاکش اور تیز مزاج ہوتے ہیں - ان کو بادیہ (صحرا) نشین یا بدو کہتے ہیں۔

دوسری طرف شہری زندگی بسر کرنے والے حضری کہلاتے ہیں - یہ لوگ تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت سے روزی کماتے ہیں -

قبائلی زندگی

اہل عرب حریت پسند ہونے کی وجہ سے بہت سے خاندانوں اور قبائل میں منقسم تھے - ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا تھا جو شیخ کہلاتا تھا - یہ سردار اپنی شجاعت، رحم، تحمل مزاجی اور مال و دولت کی بنا پر چنے جاتے تھے - بعض مضبوط قبیلے کمزور قبائل پر غلبہ حاصل کر کے ان سے خراج لیا کرتے تھے قبیلہ کے سردار اپنی شہرت اور مدح کے لئے اپنے لوگوں کی مدد، حمایت اور مہمان نوازی خوب کیا کرتے اور شعراء کی بڑی عزت کرتے تاکہ وہ ان کی مدح میں قصیدے لکھیں -

عربی زبان

چونکہ اہل عرب حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد سے ہیں - اس لئے ان کی زبان بھی سامی تھی - بعد میں یہ نسل عرب، اور گرد و نواح کے مختلف علاقوں میں منقسم ہو کر رہنے لگے - اس لئے ان کی زبان میں بھی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں - چنانچہ بنی اسرائیل کی زبان عبرانی کہلائی - ملک شام نے جس کو سوریا (SYRIA) بھی کہتے ہیں، اپنی زبان سریانی کہلائی - اسی طرح بہت

سی زبانیں بن گئیں ۔ خاص عرب کے رہنے والے اپنی زبان کو عربی کہتے تھے ۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی ۔ جب وہ مکہ آئے تو وہ بھی عربی بولنے لگے ۔ چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو عرب مستعربہ کہنے لگے ۔

عرب لوگ مختلف ملکوں اور شہروں میں تجارت کے لئے جاتے اور وہاں کے نئے نئے الفاظ اپنی زبان میں شامل کر لیتے یا ہر نئی چیز کا نیا نام بنا لیتے یا پھر دوسری زبان کے الفاظ معرّب (اعراب کے ذریعے عربی لفظ) بنا لیتے ۔ اس طرح عربی زبان نہایت وسیع زبان بن گئی ۔ شعراء کی مدد سے اسے اور بھی شہرت اور وسعت حاصل ہوئی ۔ قریش کی زبان تمام قبائل سے زیادہ وسیع اور فصیح تھی ۔ اہل عرب کو اپنی زبان کی بلاغت اور فصاحت پر بڑا ناز تھا ۔ چنانچہ وہ عرب کے علاوہ تمام دنیا کے لوگوں کو اہل عجم یا عجمی (گونگا) کہتے تھے ۔

علوم و فنون

قبل از اسلام عرب زیادہ تر بدوی زندگی گزارتے تھے۔ اس لئے سادہ رہنے کی وجہ سے علوم و فنون میں ترقی کی رفتار بہت کم تھی۔ پھر بھی کم و بیش ہر قسم کے علوم اور صنعت و حرفت پائے جاتے تھے، جن کی تفصیل یہ ہے :-

شعر و شاعری کی طرف اہل عرب کا رجحان فطری تھا۔ شعراء کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ہر سال عرب کے مختلف مقامات پر لوگوں کے اجتماعات (میلے) ہوتے، جہاں ملک کے مشہور شعراء اپنے اپنے اشعار پڑھتے اور داد سخن دینے کے لئے لوگ بڑی گرمجوشی سے حصہ لیتے۔ شعراء اپنے اپنے قبیلے کے اوصاف اور بڑائیاں بڑی وضاحت سے بیان کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس لئے لوگوں کے حالات کا صحیح جائزہ لے کر شعر لکھتے۔ بہادر اور دلیر سرداروں کے لمبے لمبے قصیدے ہیکلوں میں آویزاں کئے جاتے۔

کتابت کا رواج قدیم عرب میں بہت کم تھا۔ یمن کے علاقہ میں نسبتاً لوگ زیادہ کتابت جانتے تھے۔ وہاں خط کو مسند کہتے تھے۔ مکہ اور اس کے قرب و جوار میں بہت ہی کم لوگ لکھنا جانتے تھے۔ مکہ میں سب سے پہلے حرب بن امیہ شخص نے لکھنا سیکھا۔ پھر قریش میں سے کچھ لوگوں نے کتابت سیکھ لی یہی وجہ تھی کہ ابتدائے اسلام میں حجاز کے علاقہ میں صرف سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے۔ کتابت کی کمی کی وجہ سے اہل عرب حافظہ سے زیادہ کام لیتے تھے اور عدم کتابت ہی کی وجہ سے قرآن میں اہل عرب کو امی (ناخواندہ)

کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔

طب معمولی قسم کی رائج تھی۔ سیدھے سادے نسخوں اور طریق علاج سے کام لیا جاتا تھا۔ جانوروں کے علاج بھی کسی حد تک کئے جاتے تھے۔

نجوم اور قیافہ سے بھی اہلِ عرب واقف تھے مختلف ستاروں کے نام جانتے تھے اور ان کی رفتار اور جگہوں کے حساب سے مختلف اندازے لگائے جاتے۔ چاند کی رات دن کی منزلوں سے سن کا حساب رکھتے تھے۔ ہواؤں کے رُخ وغیرہ سے بارش کا اندازہ لگا لیتے۔ لوگوں کی شکل وصورت اور ڈیل ڈول سے معلوم کر لیتے تھے کہ فلاں شخص کس حسب ونسب سے ہے۔ قدموں کے نشانات سے لوگوں کو پہچانا جاتا اور اس طرح چور اور مجرموں کو آسانی سے پکڑ لیتے تھے۔

صنعت وحرفت بھی عرب میں ضرورت کے مطابق رائج تھی۔ عورتیں اُون کاتنے کا کام کرتی تھیں اور مرد اس سے کمبل، چادریں اور خیمے بناتے تھے۔ یمن کی اُونی چادریں عرب بھر میں مشہور تھیں۔ آلاتِ جنگ مثلاً تلوار، نیزہ، تیر، کمان اور ڈھال وغیرہ بھی بنائے جاتے تھے۔ تعمیرات کا کام خود نہیں جانتے تھے اس لئے روم اور ایران سے معمار بلوائے جاتے تھے۔

تجارت عام طور پر حضری لوگوں کا ذریعہ معاش تھا۔ قریش مکہ گرمیوں میں ملک شام کی طرف تجارتی قافلے بھیجتے اور سردیوں میں یمن کی طرف تجارت کرتے تھے۔ قافلوں کی حفاظت قبائل کے سرداروں کے ذمے ہوتی تھی عرب میں کئی مشہور بازار تھے۔ جہاں اکثر میلے لگتے اور تجارتی کاروبار ہوتا تھا۔

اخلاقی اور معاشرتی حالت

…تماعی اور انفرادی اوصاف

اہلِ عرب مہمان نوازی میں دُنیا بھر میں مشہور و معروف ہیں۔ امیر ہو یا غریب …ب اپنی استطاعت سے بڑھ کر مہمان کی خدمت کرتے۔ امراء تو بڑی بڑی …یں اور کئی کئی اونٹ بیک وقت غرباء کو بخش دیتے تھے۔ حاتم طائی عرب …ہی ایک باشندہ تھا جس کی سخاوت اور مہمان نوازی پر دُنیا آج …ی فخر کرتی ہے۔

عرب لوگ عہد و پیمان کے بڑے پابند ہوتے تھے۔ اسے اپنا فرض …جھتے اور ایفائے عہد کے لئے اپنی اولاد تک کو قربان کرنے سے گریز نہ …رتے تھے۔ کوئی مظلوم اگر ان کے ہاں پناہ لیتا تو اس کی ہر ممکن طریق سے …فاظت کی جاتی۔ یہاں تک کہ جنگ و جدال کی نوبت آجاتی تو کبھی پرواہ …رتے تھے۔

بہادری اور شجاعت میں بھی عرب کے باشندے ایک نمایاں مقام رکھتے …ے زمانہ جاہلیت کے اشعار میں زیادہ تر جنگ، بہادری اور شجاعت کا ذکر پایا …اتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ عرب کے لئے لڑائی اور بڑی بڑی معمولی بیہ…ت پر انگلے ہوجانا معمولی بات ہوا کرتی تھی۔ بستر پر مرنے کے بجائے …یدانِ جنگ میں کام آنے کو ترجیح دیتے تھے اور زینت سمجھتے تھے۔ باپ دادا …ے خون کا بدلہ لینا فرضِ اولین سمجھا جاتا تھا۔

شادی کے لیے نکاح کا رواج تھا۔ لڑکی اور لڑکے کے سرپرستوں کی رضامندی نکاح کے لیے ضروری سمجھی جاتی تھی۔ عورت خود بھی نکاح کرنے کا حق رکھتی تھی بہن، بیٹی، خالہ اور پھوپھی وغیرہ کے ساتھ نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔ تعدد ازدواج کا عام رواج تھا۔ بعض مردوں کی دس دس بیویاں نکاح میں ہوتی تھیں۔ عام طور پر طلاق کا اختیار مرد کو ہوتا تھا لیکن بعض روساء کی لڑکیاں طلاق کا حق اپنے اختیار میں رکھنے کا فیصلہ نکاح پر کر لیتیں۔ لڑائیوں میں مال غنیمت کے طور پر لی ہوئی عورتیں کنیزیں یا لونڈیاں کہلاتیں اور مردوں پر حلال سمجھی جاتی تھیں۔

معاشرتی برائیاں

زناکاری عام تھی۔ حد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کا سب سے بڑا اور مشہور شاعر امراء القیس جو شہزادہ بھی تھا، اپنے ایک قصیدے میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ بڑے مزے لے لے کر بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبہ پر لٹکا دیا جاتا ہے۔

شراب خوری کی عادت عربوں میں بہت زیادہ تھی۔ گھروں میں اور محفلوں میں یہ ایک لطف و تفریح کا ذریعہ تھا۔ بچے بڑوں کو اپنے ہاتھوں سے شراب پلاتے اور بیویاں اپنے شوہروں کو شراب پلانا عین سعادت سمجھتیں۔ اسلام آنے تک اگرچہ بعض نیک لوگوں نے شراب پینا چھوڑ رکھا تھا لیکن سارے ملک میں اس کا خوب رواج تھا اور لوگ شراب کے نشے میں طرح طرح کی بدعنوانیاں کرتے پھرتے۔ لڑتے جھگڑتے اور دشمنیاں پیدا کر لیتے تھے۔

قمار بازی بھی عام تھی اور شراب خوری کی طرح اسے بھی عزت اور شرافت کا نشان سمجھا جاتا۔ جوئے اور نشے میں مویشیوں کی بازی لگاتے پھر ان کو ذبح کر کے سب مل کر کھاتے۔ جو بچ جاتا اسے غریبوں میں تقسیم

کر دیتے ۔ امراء جوئے میں جو کچھ جیتتے ، غرباء پر خرچ کر دیتے اور اس طرح اپنے رحم و کرم کا ثبوت دیتے ۔

سود خواری بھی عربوں میں یہودیوں کی بدولت پھیلی ۔ یہودی سرمایہ دار تجارت میں پیش پیش تھے ۔ اس لیئے غریب عرب ، کسانوں اور مزدوروں کو سود پر قرضہ دیتے ۔ یہودیوں کی دیکھا دیکھی عربوں میں بھی ایسے سرمایہ دار پیدا ہو گئے ، جو سودی کاروبار کو ذریعہ معاش بنا بیٹھے ۔ سود کی ایک صورت یہ بھی تھی ، کہ غریب کسان ساہوکار سے اپنے قرضہ کی ادائیگی کا وعدہ اگلی پیداوار پر کرتے لیکن جب اگلی فصل پر بھی وہ قرض ادا نہ کر سکتے تو ساہوکار سے مدت بڑھا دینے کی التجا کرتے ۔ ساہوکار مدت تو بڑھا دیتا لیکن ساتھ ہی جنس کی مقدار بھی بڑھا دیتا یعنی اس طرح سود میں اور اضافہ ہو جاتا ۔ بعض اوقات یہ صورت یہاں تک بڑھ جاتی کہ سود کی رقم اصل رقم سے کئی گنا بڑھ جاتی اور مقروض بچارے ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے دب جاتے ۔

عربوں میں سب سے زیادہ بُری اور ظالمانہ رسم اولاد کُشی کی تھی ۔ کسی کام کے لیئے منت ماننے اور پھر بچوں کو اپنے دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیئے خود ذبح کر کے ان پر نذریں چڑھاتے ۔ یہ کام تو مذہبی عقائد کی بناء پر کیا جاتا لیکن بعض لوگ ، غربت اور فقر و فاقہ کی وجہ سے بچوں کو مار ڈالتے تھے تاکہ انہیں ان کے لیئے کھانے پینے کا سامان مہیا نہ کرنا پڑے ۔ تیسری صورت لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا تھا ۔ یہ سب سے ظالمانہ اور انتہائی ہلاکت رسم اس لیئے رائج تھی کہ والدین بیٹیوں کو اپنے لیئے شرم و عار کا باعث سمجھتے تھے اس لیئے جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تو باپ شرم کے مارے منہ چھپاتا

پچھتاتا اور غصہ کے گھونٹ پیتا رہتا۔ اس کے لئے صرف یہی چارہ کار ہوتا کہ لڑکی کو زمین میں دفن کر دیا جائے۔ یہ رسم بد یوں تو سارے عرب میں موجود تھی۔ لیکن بنو تمیم کے قبائل میں اس کا رواج سب سے زیادہ پایا جاتا تھا۔ اس شرمناک رسم کا ایک واقعہ یوں بیان ہوا ہے کہ :-

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم جاہل لوگ تھے۔ بت پرست تھے اور اولاد کو مار دیتے تھے۔ میری ایک بیٹی تھی کہ جب میں اسے پیار سے بلاتا تو وہ خوشی سے دوڑی آتی۔ ایک دن میں نے اسے بلایا۔ وہ بھاگتی ہوئی آئی۔ میں آگے آگے بڑھتا گیا وہ پیچھے پیچھے بھاگتی آئی۔ حتیٰ کہ میں اور وہ ایک کنوئیں پر آ پہنچے جو ہمارے گھر کے قریب ہی تھا۔ میں نے لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے کنوئیں میں گرا دیا۔ وہ ابا ابا پکارتی رہی۔ اور یہی اس کی زندگی کی آخری آواز تھی۔" (دارمی)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعہ سنتے ہوئے رو رہے تھے جب واقعہ ختم ہوا آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر تھی۔

مذہبی زندگی

دینِ حنیفی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی وجہ سے عرب میں دینِ ابراہیمی پھیل گیا تھا۔ اہلِ عرب اسے دینِ حنیفی کہتے تھے۔ یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ دینِ ابراہیمی کو دینِ حنیفی کیوں کہتے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ چونکہ دینِ ابراہیمی میں باقی ہر دین سے منہ پھیر کر صرف اس کی طرف یکسو ہونا تھا۔ اس لئے اسے دینِ حنیفی کہنے لگے کیونکہ حنف کے معنی انحراف، یکسو ہونا اور منہ پھیرنا کے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے آپس خدا کی عبادت کے لئے دنیا میں پہلی مسجد خانہ کعبہ تعمیر کی تھی۔ اس کو مقدس سمجھا جاتا تھا اور لوگ ہر سال یہاں حج ادا کرتے اور طواف (چکر، پھیرا) کیا کرتے تھے۔ ظہورِ اسلام تک اس مذہب کے ماننے والے بہت ہی کم رہ گئے

مشرکین

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد رہتی بڑھتی گئی مکہ چھوڑ کر مختلف اطراف میں پھیل گئی تو خانہ کعبہ کا ایک پتھر تعظیم کے طور پر ساتھ لے گئے۔ پتھر کی تعظیم نے آہستہ آہستہ ان کی اولادوں میں پتھر کی پرستش پیدا کر دی اور اس طرح پتھر کی مورتیاں بننے لگیں اور ان میں شرک رائج ہو گیا۔ عمرو بن لحی کعبہ کا متولی تھا۔ ایک دفعہ وہ ملک شام گیا اور وہاں سے کچھ پتھر کی مورتیاں اٹھا لایا اور کعبہ میں رکھ دیں۔ اس طرح مکہ اور گرد و نواح میں بت پرستی

شروع ہو گئی۔ جگہ جگہ نئے بُت بننے لگے۔ ظہورِ اسلام تک خانہ کعبہ میں سینکڑوں بُت جمع ہو گئے۔ ان میں ہبل نامی بُت بہت مشہور تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے بُت بھی کعبہ میں موجود تھے۔ بُتوں کے ہاتھوں میں تیر پکڑے ہوئے تھے جو ازلام کہلاتے تھے۔ گویا وہ ان سے کسی کام کے ہوتے یا نہ ہونے کی فال نکالتے تھے۔ خانہ کعبہ اور اس کے بُتوں کی سب سے زیادہ پرستش ہوتی تھی۔ ہر سال چاروں طرف سے لوگ حج کے لئے آتے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ بعض لوگ برہنہ ہو کر طواف کیا کرتے تھے۔

طائف میں لات بُت کی پوجا ہوتی تھی۔ ینبع بندرگاہ کے قریب سواع نامی بُت تھا، جس کے قرب و جوار کے لوگ اور مضری قبائل پرستش کرتے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان سمندر کے کنارے پر ایک بہت بڑا بُت مناف تھا جو زیادہ تر مدینہ کے قبائل کے لئے تعظیم کا مرکز تھا۔ غرض سارے عرب میں جابجا بُتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ اہلِ عرب ان بُتوں پر نذریں چڑھاتے اور بُتوں کے نام پر جو جانور آزاد چھوڑے جاتے، ان سے نہ کام لیا جاتا، نہ ان پر سواری کرتے۔

مجوسی کچھ لوگ مجوسی کہلاتے تھے جو آتش پرست تھے۔ قبیلہ تمیم سب مجوسی تھے۔

یہود بنی اسرائیل کے کچھ لوگ ملک شام میں آباد تھے۔ حکومت کی سختیوں سے تنگ آ کر یہ لوگ عرب میں آ گئے اور مدینہ اور خیبر کے مقامات پر آ بسے۔ رفتہ رفتہ ان کے اثر سے

کچھ عرب لوگ بھی یہودی ہو گئے۔ صنعاء کا بادشاہ ذونواس بھی یہودی ہو گیا جس کی وجہ سے وہاں کے اکثر لوگوں نے یہودیت قبول کر لی۔ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے۔ اور ان کے پاس الہامی کتاب تورات موجود تھی۔

نصاریٰ عرب میں نصرانیت (عیسائیت) یمن سے شروع ہوئی اور دور دور تک پھیل گئی۔ حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر بھی عیسائی ہو گیا تھا۔ قبائل طے، ربیعہ اور غسّانی سب عیسائی مذہب کے ماننے والے تھے۔

کاہن کہیں کہیں کاہن لوگ آباد تھے جو غیب کی باتیں بتاتے تھے۔

موحدین عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بت پرستی سے بیزار تھے اور دینِ ابراہیمؑ کو صحیح مذہب خیال کرتے تھے۔ یہ لوگ موحدین کہلاتے تھے۔ زید بن عمرو بن نفیل مشہور موحد تھے۔ وہ خانہ کعبہ میں لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تم میں سے سوائے میرے کوئی دینِ ابراہیمؑ پر نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ زید بن عمرو قیامت کے دن اکیلے امت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے۔

اجتماعی اور سیاسی زندگی

قبائلی حکومت اہل عرب زیادہ تر قبائل میں منقسم تھے۔ ہر قبیلہ میں ایک سردار ہوتا تھا جو ہر لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ سردار میں رحمدلی، شجاعت، تحمل مزاجی اور مہمان نوازی وغیرہ نمایاں اوصاف پائے جاتے تھے۔ لڑائی اور صلح دونوں میں سردار کا فیصلہ عموماً آخری حکم سمجھا جاتا تھا۔ کمزور قبائل خود مختار اور قوی قبائل کے ماتحت ہوتے تھے۔

ان قبائل میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا ہو جاتا اور ایک سردار کی آواز پر کئی دوسرے قبائل مدد کو آجاتے تھے۔ لڑائی کے وقت بہت سے لوگوں کو یہ بھی علم نہیں ہوتا تھا کہ لڑائی کس بنا پر ہوئی ہے۔ ممتاز قبائل کے سرداروں میں رقابت کی وجہ سے بعض لڑائیاں کئی کئی سال نسلاً بعد نسلاً ہوتی رہتیں۔ باپ دادا کے خون کا انتقام لینا فرض سمجھا جاتا تھا۔

اجتماعات عرب کے مختلف مقامات پر لوگ ہر سال اکٹھے ہوتے تھے۔ ان میلوں میں تجارتی کاروبار ہوتا تھا اور شعر و شاعری میں وسیع پیمانے پر حصہ لیا جاتا۔ تنازعات کے فیصلے کرتے تھے اور صلح کی تدبیریں سوچی

جاتی ہیں۔ ان میلوں کو اتنی اہمیت حاصل تھی کہ اہلِ عرب محرم، رجب، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے مہینوں میں لڑائی کو حرام سمجھتے تھے اور ان مہینوں میں اجتماعات منعقد کیا کرتے تھے۔ تین تین مہینے تک ایک ہی میلہ لگا رہتا۔ سب سے بڑا میلہ مکہ کے قریب عکاظ کے بازار میں لگتا تھا۔ جہاں تمام عرب سے لوگ جمع ہوتے تھے۔

متمدن سلطنتیں

قدیم عرب میں شاہی سلطنتیں بھی گزری ہیں۔ یمن کے علاقے میں معینی اور سبائی دو شاہی خاندان بہت مشہور تھے۔ ملکہ سبا (بلقیس) اسی سبائی خاندان میں سے تھی۔ صنعاء کے علاقے کی حکومت سب سے بڑی تھی۔ اس کا بادشاہ یوسف ذونواس یہودی ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ روم سے کچھ لوگ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے صنعاء آئے۔ یوسف ذونواس نے ان لوگوں پر بڑا ظلم کیا اور انہیں آگ میں ڈال دیا۔ یہ ظلم ۵۲۳ء میں پیش آیا۔ قیصر (شاہ روم) نے اپنے ماتحت بادشاہ نجاشی (شاہ حبشہ) کو اس ظلم کا بدلہ لینے کے لیے حکم دیا۔ حبشہ سے ایک بہادر سردار ارباط فوج کا ایک دستہ لے کر آیا لیکن ذونواس نے خودکشی کر لی۔ کچھ عرصہ بعد ارباط کے ایک امیر فوج ابرہہ نے ارباط کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ ابرہہ نے نجاشی سے صلح کر لی اور صنعاء میں حکومت کرنے لگا۔ ابرہہ پکا عیسائی تھا۔ اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا کلیسا (گرجا) بنوایا اور عرب بھر میں اعلان کر دیا کہ آئندہ لوگ خانہ کعبہ کے بجائے کلیسا کا طواف کیا

کریں لیکن عرب لوگ چونکہ خانہ کعبہ کا بہت احترام کرتے تھے اور اسے مقدس سمجھتے تھے۔ اس لیئے ابرہہ کے حکم کی پرواہ نہ کی۔ ابرہہ ایک لشکر جرار لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ خانہ کعبہ کو مٹا کر اہل عرب کو کنیسہ پر مجبور کرے لیکن اللہ تعالے کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مکہ کے قریب آیا تو اللہ نے اس پر عذاب نازل کیا اور پرندوں کے غول کے غول بھیج دیئے جو پتھر کی کنکریاں برساتے تھے۔ ان کنکریوں کے بادلوں نے اس زور کا طوفان اٹھایا کہ ابرہہ کے ہاتھی گھبرا کر بھاگنے لگے اور اپنے ہی آدمیوں کو روند ڈالا۔ چنانچہ ابرہہ کی فوج تباہ و برباد ہو گئی۔ قرآن میں اس واقعہ کا ذکر سورۃ الفیل میں موجود ہے۔

ابرہہ کے بعد اس کے بیٹے حکمران رہے۔ پرانے بادشاہوں کی اولاد میں سے کچھ لوگ باقی تھے جنہوں نے شاہِ ایران کی مدد سے دوبارہ یمن پر قبضہ کر لیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ایران کے بادشاہ نے اپنا حاکم بھیج کر یمن کو ایرانی صوبہ بنا لیا۔

یمن کے علاوہ حیرہ میں بھی ایرانی شہنشاہ کی حکومت تھی۔ شام کی سرحد پر غسانی حکومت قائم تھی جس کا حاکم عیسائی ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک غسانی لوگ عیسائی تھے۔ پھر اسی عہد میں مسلمان ہو گئے۔

خاندانِ قریش

شروع میں صوبہ حجاز کے اس علاقہ کے سردار جرہم تھے جہاں اب مکہ آباد ہے۔ (مکہ کا پہلا نام بکہ تھا۔ قرآن میں یہی نام آیا ہے۔ بعد میں بدل کر مکہ ہو گیا) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی قبیلہ جرہم کے ایک سردار کی لڑکی سے ہوئی۔ خانہ کعبہ کے مجاور ہونے کی وجہ سے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو عزت و احترام کی نگاہ سے تو دیکھا جاتا تھا لیکن مکہ کی ریاست اور حکومت میں ان کا کوئی اختیار یا حصہ نہ تھا۔

یمن میں ایک دفعہ بہت بڑا سیلاب آجانے کی وجہ سے وہاں کا ایک سردار حارثہ بن عمرو جس کا لقب خزاعہ تھا، اپنے لوگ لے کر حجاز کی طرف آیا اور مکہ پہنچ کر بنی جرہم کو وہاں سے نکال دیا اور خود قابض ہو گیا۔ بنی جرہم نجبار، عراق اور بحرین وغیرہ میں چلے گئے۔ مکہ کے علاقہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد اور بنی خزاعہ بسنے لگے۔ بنی خزاعہ کے سردار کعبہ کے متولی بن بیٹھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص عدنان تھے۔ جن کی اولاد آگے چل کر بنو عدنان کہلائی۔ بنو عدنان میں سے ایک شخص فہر تھے جن کا لقب قریش تھا۔ (قریش کے معنی تجارت کرنے والے کے ہیں) اور یہیں سے خاندانِ قریش کی ابتداء ہوئی لیکن حضرات

کا خیال ہے کہ فہر کے دادا نضر بن کنانہ کو قریش کا لقب تھا۔ بہرحال اسی خاندان میں سے نضر اور اس کے پوتے فہر نے کافی اقتدار اور شہرت حاصل کر رکھی تھی۔ پھر فہر کے بعد چھٹی پشت میں ایک شخص قصیٰ بن کلاب نے خاصی عزت اور اقتدار حاصل کیا۔ قصیٰ کی شادی بنوخزاعہ کے سردار حلیل کی لڑکی سے ہوئی۔ حلیل کعبہ کا متولی تھا۔ اس لئے اس نے مرتے وقت وصیت کر دی کہ کعبہ کی خدمت پر قصیٰ کو مامور کیا جائے۔ چنانچہ اس طرح قصیٰ کعبہ کے متولی ہو گئے اور کعبہ کی جو خدمت آلِ اسمٰعیل کے ہاتھوں سے چھن چکی تھی، دوبارہ حاصل ہو گئی۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ قصیٰ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو متحد کر کے بزورِ بازو بنوخزاعہ سے مکہ کی حکومت چھین لی اور کعبہ کے متولی بن گئے۔

قصیٰ نے اقتدار حاصل کرتے ہی خدمتِ کعبہ کے سلسلے میں نمایاں کام سرانجام دیئے جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ محبوب و مشہور ہوئے۔ قصیٰ نے سب سے پہلے خاندانِ قریش کے تمام بکھرے ہوئے افراد کو دور دور سے بلا کر کعبہ کے آس پاس بسا دیا۔ پھر ایک بہت بڑا مکان بنوایا جس کا نام دارالندوہ رکھا، جہاں قریش اکٹھے ہو کر ہر قسم کا مشورہ اور فیصلے کرتے، مجلسیں ہوتیں، جنگ وغیرہ کی تیاری سوچی جاتی، تجارتی قافلے وہیں تیار ہو کر باہر جاتے اور نکاح وغیرہ کی رسوم بھی وہیں ادا کی جاتیں۔ اس کے علاوہ قصیٰ نے خانۂ کعبہ کی خدمت اور ملکی نظم و نسق کے لئے کئی محکمے قائم کئے جن میں مندرجہ ذیل مشہور اور قابلِ ذکر ہیں:-

سقایہ: یعنی پانی پلانے کا کام۔ حج کے دنوں میں حاجیوں کو

چشمۂ زم زم سے پانی پلایا جاتا۔

- رِفَادَہ : اس محکمے کے ذمے حاجیوں کے طعام وغیرہ کا انتظام تھا۔ قصیٔ کے احساس دلانے سے قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے حاجیوں کے کھانے کا انتظام کیا جاتا۔
- لِوا : اس محکمے کے ذمے جنگی امور تھے۔ فوج کو جنگ کے لئے جھنڈا عطا کیا جاتا۔
- تولیتِ کعبہ: یعنی خانہ کعبہ کی حفاظت اور خدمت کا پورا انتظام ان کے ذمے تھا۔
- صدرِ ندوہ: دارالندوہ کی صدارت جس شخص کے ذمے ہوتی، وہ نظامِ حکومت میں سب سے اعلیٰ و بالا مقام پر فائز سمجھا جاتا تھا۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ قریش کا لقب سب سے پہلے ا کو ہی ملا تھا، کیونکہ انہوں نے ہی تمام خاندان کو اکٹھا کر کے ہ کعبہ کے پاس بسایا اور خانہ کعبہ کی خدمت سب سے زیادہ ل نے کی، اور قریش کے معنی بھی جمع کرنے اور ایک رشتہ میں لک کرنے کے ہیں۔

قصیٔ کے چھ بیٹے تھے جن میں سے عبدِ مناف کے آگے چار ہوئے۔ ہاشم، نوفل، عبدِ شمس اور مطلب۔ ان میں سے ہاشم بیٹے عبدالمطلب ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ (صفحہ [illegible] پر شجرہ مبارک کا نقشہ ملاحظہ ہو)

سوالات

۱۔ بعثتِ محمدیؐ سے پہلے عرب کے ہمسایہ ممالک کی مذہبی اور اخلاقی حالت کیا تھی ؟

۲۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی حالت کیا تھی ؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نام و نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے سلسلۂ نسب یہ ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ یہاں تک تو سب کا اتفاق ہے اور اس کے بعد کچھ اختلاف ہے لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ کی کتاب میں آگے حضرت ابراہیم تک سلسلہ نسب یوں بیان کیا ہے:۔ عدنان بن ادد بن المقوم بن ناحور بن تیرح بن یعرب بن یشجب بن نابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم۔ قریش کے کئی قبائل ہیں جن میں سے بنی عبد مناف، اور بنی زہرہ زیادہ مشہور تھے۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ عبد شمس، مطلب، نوفل، اور ہاشم۔ ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب تھے جو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے حمزہ، عباس، ابو طالب، ابولہب اور عبداللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عبداللہ سب سے چھوٹے تھے۔ عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے کیا جو قریش کے ایک معزز قبیلہ بنی زہرہ سے تھیں۔ شادی کے کچھ دنوں بعد حضرت عبداللہ تجارت کے سلسلہ میں ملک شام گئے۔ واپسی میں مدینہ کے قریب اپنے ننھیال میں پہنچ کر بیمار ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔

ولادت حضور سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اپنے باپ حضرت عبداللہ کی وفات کے چند ماہ بعد بروز پیر تاریخ ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو مکہ میں ہوئی۔ اصحاب فیل کے واقعہ کی وجہ سے اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں۔ عبدالمطلب اپنے پوتے کی پیدائش پر بہت خوش تھے اور انھوں نے محمد نام رکھا لیکن حضرت

آمنہ نے احمد نام رکھا۔

رضاعت

مکہ کے دستور کے مطابق امراء اپنے بچوں کو صحت و تندرستی کی خاطر دیہات وغیرہ کی عورتوں سے دودھ پلواتے تھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بنو سعد کی ایک نیک خاتون حلیمہ کے سپرد کر دیا گیا۔ بی بی حلیمہ نے آپ کو چار سال تک اپنے پاس رکھا پھر مکہ ہی میں آپ کو آپ کی والدہ صاحبہ کے پاس چھوڑ گئیں۔

بچپن

چھ سال کی عمر میں آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ ساتھ لے کر حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لیے مکہ سے مدینہ کی طرف گئیں۔ عبدالمطلب اور ام ایمن رضی اللہ عنہا آپ کی کنیز بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں مقام ابواء پر حضرت آمنہ بیمار ہو گئیں اور وفات پائی۔ وہیں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد عبدالمطلب آپ کو بڑے پیار و شفقت سے رکھتے۔ آٹھ برس کی عمر ہوئی تو عبدالمطلب نے بھی مکہ میں وفات پائی۔ دادا کی وفات کے بعد آنحضرت اپنے حقیقی چچا ابوطالب کے زیر سایہ پرورش پانے لگے۔

بارہ برس کی عمر میں ایک دفعہ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ملک شام تجارت کے لیے تشریف لے گئے۔ بصرہ کے قریب بحیرہ نامی ایک عیسائی راہب سے ملاقات ہوئی۔ بحیرہ نے آپ کو پہچان کر کہا کہ اس لڑکے میں آثار نبوت پائے جاتے ہیں۔ اسے واپس لے جائیں یہودیوں سے خطرہ ہے۔ پوچھا گیا کہ تم نے کس طرح معلوم کیا کہ محمد نبی ہونگے۔ کہا جب آپ لوگ پہاڑی سے اتر کر ادھر آ رہے تھے تو سب درخت اور پتھر سجدے میں گر رہے تھے۔ چنانچہ ابوطالب نے آپ کو واپس لوٹا دیا۔

جوانی

آنحضرت پندرہ برس کے تھے کہ حدود حرم میں قریش کی لڑائی کنانہ اور قیس کے قبائل سے ہوئی۔ آپ بھی اس لڑائی میں شریک تھے۔ یہ لڑائی چونکہ حرمت والے مہینوں میں ہوئی تھی اس لیے حرب الفجار کے نام سے مشہور ہے کیونکہ ایام الحرام میں لڑی گئی۔ اس لڑائی کے بعد قریش کے قبائل بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو زہرہ، بنو اسد اور بنو تمیم نے ایک معاہدہ کیا۔

کہ اب سے مکہ میں ہر مظلوم کی مدد کی جائے گی۔ آنحضرت ﷺ بھی اس معاہدہ میں شریک تھے۔ چونکہ اس معاہدہ میں جن سرداروں نے اہم حصہ لیا ان کے ناموں میں فضل کا لفظ آتا تھا۔ اس لیے اس معاہدے کا نام حلف الفضول مشہور ہو گیا۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی

آنحضرت ﷺ اپنی نیکی، سچائی اور ایمانداری میں کمال کا درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ امین کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی سچائی اور نیک نیتی کی وجہ سے ایک دفعہ قریش کے قبیلہ اسد کے سردار خویلد کی بیٹی خدیجہ کبریٰ نے جو بیوہ تھیں اور بہت مالدار تھیں، آپ کو اپنا مال دے کر تجارت کے لیے ملک شام بھیجا۔ یہ آنحضرت ﷺ کا ملک شام میں دوسرا سفر تھا۔ اس تجارت میں آپ کو کافی فائدہ ہوا۔ آپ کی عمر اس وقت پچیس برس کی تھی اور حضرت خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں۔ نکاح کے وقت خاندان کے لوگ موجود تھے۔ ابوطالب نے نکاح پڑھایا اور پانچ سو طلائی درہم مہر مقرر ہوا۔

تعمیر کعبہ

سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ کی عمارت خراب ہو گئی تھی جس کو دوبارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ تمام قبائل مل کر اس کی تعمیر کر رہے تھے۔ سرمایہ کی کمی کی وجہ سے عمارت کے شمالی حصہ کی دیوار ابراہیمی سے پیچھے کر دیا گیا۔ چنانچہ خانہ کعبہ کی ایک دیوار پر حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے ایک مقدس پتھر سیاہ رنگ کا لگا ہوا تھا جس پر ہاتھ رکھوا کر حضرت ابراہیمؑ لوگوں سے بیعت لیا کرتے تھے۔ جب اس پتھر کے دوبارہ نصب کرنے کا وقت آیا تو قبائل میں جھگڑا ہونے لگا۔ ہر ایک اسے لگانے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ نے حجر اسود کو ایک چادر میں رکھ کر سرداروں سے کہا کہ اسے اٹھائیں اور آپ نے اسے اٹھا کر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح سب لوگ خوش ہو گئے۔

تجارتی مشغولی

آپ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ آپ تجارت کیا کرتے تھے۔

بچپن میں تھوڑا عرصہ بکریاں پالیں۔ جوان ہوئے تو تجارت کرنے لگے بُت پرستی سے بچپن سے ہی نفرت کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتے اور حج ادا کرتے تھے۔

پینتیس سال کی عمر میں آپؐ تنہائی اور خلوت کی طرف زیادہ مائل ہو گئے اور پہلے سے زیادہ تفکر اور سوچ بچار میں منہمک نظر آنے لگے۔ عبادت کے لئے آپؐ اکثر مکہ سے باہر کوئی تین میل کے فاصلے پر ایک غار میں چلے جاتے جس کا نام غارِ حرا تھا۔ آنحضرتؐ کی عبادت کی تفصیل تو معلوم نہیں۔ گو ابھی تک نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے مگر آپؐ ایک خدا کی یاد میں مشغول رہتے اور گرد و نواح کے لوگوں کے حالات میں غور و خوض کرتے رہتے اور اکثر چند دن رات متواتر غار میں گزار دیتے تھے۔

بعثت

نبوت سے چھ ماہ پہلے آپؐ کو رویائے صادقہ (سچے خواب) نظر آنے شروع ہوئے۔ رات کو خواب دیکھتے اور اگلے روز وہی کچھ سچا ہو جاتا۔ چالیس برس کی عمر ہوئی تو آپؐ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ ایک دن آپؐ غارِ حرا میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک فرشتہ آیا۔ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جو تمام انبیاء کرام کے پاس وحی لے کر آیا کرتے تھے۔ فرشتہ نے کہا "پڑھئے" آپؐ نے جواب دیا "میں پڑھنا نہیں جانتا" جبرائیلؑ نے آپؐ کو اپنے سینے سے لگایا اور پھر کہا "پڑھئے" آپؐ نے دوبارہ وہی جواب دیا۔ اسی طرح تین بار ہوا پھر

فرشتے نے کہا ـــــ "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ ...... مَا لَمْ يَعْلَمْ"

(اپنے رب کا نام لے کر پڑھئے جس نے مخلوقات کو پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ قرآن پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کرم کرنے والا ہے جس نے قلم کے ساتھ علم سکھایا ہے۔ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا)

یہ پہلی وحی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس کے بعد فرشتہ غائب ہو گیا اور آپ گھبرائی ہوئی حالت میں گھر واپس آئے اور کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئے طبیعت سنبھلنے پر سارا قصہ حضرت خدیجہؓ کو کہہ سنایا ـــ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو اطمینان دلایا کہ آپؐ اوصاف کے لحاظ سے اعلیٰ انسان ہیں۔ اللہ یقیناً آپؐ کی مدد کرے گا اور اجر دے گا اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عیسائیت قبول کر چکے تھے اور آسمانی کتب سے بہرہ ور تھے۔ ورقہ بن نوفل نے کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو دوسرے انبیاءؑ کے پاس آیا کرتا تھا۔ اطمینان رکھئے آپؐ ضرور اس زمانہ کے نبی ہوں گے۔ ورقہ بن نوفل بوڑھے تھے۔ انہوں نے کہا کاش میں زندہ رہوں کہ جب آپؐ کی قوم آپ کو چھوڑ دے گی تو اس وقت میں آپ کی مدد کرتا۔

جب کبھی آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی۔ آپؐ سر ڈھک لیتے اور چہرہ مبارک سخت سردی کے باوجود پسینہ سے تر بتر ہو جاتا ـــ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ وحی آنے پر کبھی میں گھنٹی کی سی صدا آنے لگتی ہے میں اس کی جانب متوجہ ہو جاتا ہوں اور جو کچھ سنتا ہوں یاد کر لیتا ہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ خود سامنے آ کر ظاہر ہو کر وحی سناتا ہے وہ بشری صورت میں ہوتے

انسانی ہوتی ہے اور یہی قسم کی ذہنی کچھ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

ابتدائے تبلیغ

شروع شروع میں آپ نے مخفی طور پر قریبی احباب سے اپنی بعثت کا ذکر کیا کیونکہ قریش مکہ کے لیئے اپنے آبائی دین یعنی بت پرستی کی مذمت ناگوارانہ تھی چنانچہ حضرت ارقم مخزومیؓ کے گھر پر تبلیغ دین ہونے لگی اور وہیں نمازیں ادا ہوتی تھیں۔

سب سے پہلے ان لوگوں کو ان کے غلط نظریہ کی نشان دہی کر کے صحیح روش کی طرف بلایا۔ توحید الٰہی کو تصور الہول کر بیان کیا اور ہدایت کے بنیادی اصول خلاق کو ذہن نشین کرایا تاکہ ان کی پیروی کر کے فلاح و بہبود حاصل کریں۔ شروع شروع کے پیغامات (آیات) ابتدائی دعوت کی مناسبت سے چھوٹے چھوٹے پُر اثر احکام پر مشتمل تھے جو اسلام کی طرف اگلی ذہنوں میں پیوست ہو جاتے۔ چنانچہ پہلے پہلے مسلمان پوری پختگی کے ساتھ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں ہر تکلیف کو برداشت کرتے بلکہ جان تک دینے کے لیئے تیار تھے۔

پہلے مسلمان

سب سے پہلے جو حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لائے وہ یہ تھے:۔

۱۔ حضرت خدیجہ کبریٰ رضؓ

۲۔ حضرت علی رضؓ

۳۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ

۴۔ حضرت زید بن حارثہ رضؓ زید بن محمد کہلاتے تھے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے ان کو حضرت خدیجہ رضؓ سے غلام کی حیثیت سے لے کر آزاد کر کے اپنا متبنٰی بنا لیا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی وجہ سے ان کے دوست اور احباب اسلام لائے۔ ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:۔

۵۔ حضرت عثمانؓ بن عفان

۶۔ حضرت زبیرؓ بن عوام

۷۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف

۸۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص

۹۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ

۱۰۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح

۱۱۔ حضرت ابو سلمٰیؓ

۱۲۔ حضرت ارقم مخزومیؓ

۱۳۔ حضرت عبیدہؓ بن حارث

۱۴۔ حضرت سعیدؓ بن زید (معہ اپنی بیوی فاطمہؓ بنت خطاب)

دعوتِ اسلام آنحضرتؐ ان مسلمانوں کو حضرت ارقم مخزومیؓ کے گھر درسِ قرآن دیا کرتے تھے تین برس کے عرصہ میں ایک جماعت نے اسلام قبول کر لیا جس کی تعداد چالیس سے کچھ زیادہ تھی۔ پھر آپؐ نے اعلانیہ دعوتِ اسلام کا آغاز کیا۔ کیونکہ حکمِ الٰہی یہی تھا۔ شرک اور بُت پرستی کے خلاف آواز اٹھاتے ہی مکہ کے لوگ سخت چڑ گئے۔ کیونکہ اس طرح ان کے دین کی مذمت ہوتی تھی۔ اور ان کے آباؤ اجداد سب گمراہ ٹھہرائے جاتے تھے۔ باپ دادا کی تقلید میں وہ جان تک لٹا دینے کو تیار تھے۔ چنانچہ آپؐ سے سخت دشمنی ہونے لگی۔ ابو طالبؓ نے آپؐ کی حفاظت کو اور مستحکم کر دیا۔ اپنے خاندان بنی عبد مناف کے لوگوں کو سمجھا کر ان کے جوش دلایا کہ محمدؐ کی حفاظت کا سب ذمہ لیں۔ ان اقدامات کی وجہ سے دشمنوں کے حوصلے اس حد تک پست ہو گئے کہ حملہ کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

ایک دن قریش کے کچھ لوگ ابوطالب سے ملے کہ اپنے بھتیجے کو منع کر لیں
کہ وہ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ نہ کہے اور ہمارے بتوں کی مذمت نہ کرے
ورنہ ہم خود نپٹ لیں گے۔ ابوطالب نے ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس لوٹا دیا۔ لیکن
آں حضرتؐ کی پیہم تبلیغ اسلام سے تنگ آ کر دوبارہ ابوطالب کے ہاں اکٹھے ہوئے
اور کہا کہ اگر تم نے اپنے بھتیجے کو باز نہ رکھا تو ہم سب تم سے قطع تعلق کر لیں گے۔ ابوطالب
نے آپؐ کو بلا کر سارا قصہ سنایا کہ اب کیا ہو۔ آپؐ نے فرمایا "اے چچا میں قسم
کھاتا ہوں کہ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پہ سورج اور بائیں ہاتھ پہ چاند رکھ
لا کر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ اسلام چھوڑ دو تو میں نہیں چھوڑوں گا۔ یا دین اسلام
پھیل کر رہے گا۔ یا میری جان چلی جائے گی"۔ ابوطالب خاموش ہو گئے اور کہا
کہ "جاؤ جو جی چاہے کرو میں تمہاری مدد کرتا رہوں گا"۔

اس کے بعد قریش مکہ آنحضرتؐ کے قتل کے درپے ہو گئے۔ اور ابوطالب
سے کہا کہ ہم تمہیں ایک تندرست نوجوان آدمی دے دیتے ہیں تم محمدؐ ہمارے
حوالے کر دو۔ ابوطالب نے اپنی قوم کو اکٹھا کر کے حالات سے متنبہ کیا۔ سب
نے آپؐ کی حفاظت کا عہد کیا۔ لیکن صرف آپؐ کے چچا ابولہب نے انکار کر دیا۔

جب آں حضرتؐ نے حرم کعبہ میں کھڑے ہو کر توحید کا اعلان
کیا تو کفار مکہ میں ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ اپنے گھر
سے آنحضرت صلعم کو بچانے کے لئے دوڑے لیکن کفار نے حضرت حارثؓ کو
شہید کر دیا۔ یہ اسلام کی خاطر اللہ کی راہ میں پہلا خون تھا۔

کفار کی مخالفت

جب کفار مکہ نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم اپنی تبلیغ سے
باز نہیں آتے تو انھوں نے مسلمانوں کو طرح طرح
کی اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ نماز پڑھنے سے روکتے۔ گلی کوچوں میں

برساتے۔ تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹتے۔ راستے میں کانٹے بچھاتے۔ سجدہ کی حالت میں غلاظت اور جانوروں کی آنتیں سر پر رکھ دیتے۔ آتے جاتے رستہ میں گھورتے، کوستے، خورد و نوش کی اشیاء بازار سے خریدنے نہ دیتے۔ غرض ہر ممکن طریقہ سے غریب مسلمانوں کو دکھ پہنچانے لگے۔

• ایک دفعہ آنحضرتؐ سجدہ میں تھے کہ ایک شخص عقبہ بن ابی معیط نے آپؐ کی گردن میں چادر ڈال کر خوب کسا۔ اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لے آئے انھوں نے اس کو ڈانٹا اور دھکا دیا۔

ایک دفعہ عقبہ نے اونٹ کی اوجھڑی لاکر آنحضرت صلعم کے سر پر اس حالت میں رکھ دی جب کہ آپؐ سجدہ کر رہے تھے۔ آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ اچانک آ گئیں اور اسے ہٹا کر الگ پھینکا۔ بدزبان اشعار کہہ کر آنحضرت صلعم پر پھبتی اور تہمتیں لگاتے تھے۔ تاکہ لوگ ان کی باتوں سے متاثر نہ ہوں۔ حج کے دنوں میں آنے والے لوگوں کو مکہ سے باہر ہی آ کر کہتے کہ یہ شخص کاہن، شاعر اور جادوگر ہے۔ اس کی باتوں میں نہ آنا۔ الغرض ہر طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

اسباب مخالفت

کفارِ مکہ کی مخالفت کے مندرجہ ذیل اسباب تھے۔

(۱) کفار نیم وحشی اور نا تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے مروجہ اجداد اور آبائی مذہب کی تبدیلی برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لئے مرنے مارنے پر اتر آتے اور یہی مخالفت کا سبب تھا۔

۲۔ اسلام کی وجہ سے قریش کی مذہبی پیشوائی کا خاتمہ تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی اقتدار کی بھی جڑ کٹتی تھی۔

۳۔ قریش چونکہ عیسائیوں کے دشمن تھے اس لئے وہ یہ نہیں چاہتے تھے آنحضرت

عیسائیت قائم کر دیں گے کیونکہ اس وقت تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔

۴۔ بنو امیہ قبائلی نقطہ نظر سے بنو ہاشم سے دشمنی رکھتے تھے۔ اس لیے آنحضرت صلعم کی نبوت سے اپنے رقیب کی فتح خیال کرتے ہوئے دشمنی پر آمادہ تھے۔

۵۔ آنحضرت صلعم قریش کی بداخلاقیاں مثلاً چوری، جھوٹ وغیرہ پر نکتہ چینی فرماتے تھے۔ اس لیے وہ اپنی عزت محفوظ کرنے کے لیے آنحضرت صلعم کے دشمن بن گئے۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا اسلام

حضرت حمزہؓ آنحضرت صلعم کے چچا تھے۔ عمر میں آپ آنحضرت صلعم سے دو تین سال بڑے تھے۔ اس لیے بچپن ایک ساتھ گزرا۔ پھر آنحضور صلعم ان کے رضاعی بھائی بھی تھے کیونکہ دونوں نے ثوبیہ دائی کا دودھ پیا تھا۔ اسلام لانے سے پہلے بھی حضرت حمزہؓ آنحضورؐ سے محبت سے پیش آتے اور آپؐ کے ہر کام کو پسند کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حمزہؓ حسب معمول شکار کر کے واپس لوٹے تو ایک کنیز نے جس نے خود سارا قصہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا آپؓ کو بتایا کہ آج حضرت محمدؐ سے ابوجہل نے نہایت بدتمیزی کی ہے اور آپؐ کو بہت برا بھلا کہا ہے۔ حضرت حمزہؓ طیش میں آ گئے۔ تیر کمان ساتھ لے کر حرم کعبہ میں آئے اور ابوجہل کو چیلنج کے طور پر کہا کہ جو چاہے کر لے "میں مسلمان ہو گیا ہوں"۔ پھر آنحضور صلعم کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمرؓ ستائیس برس کے تھے جب آنحضور صلعم نے اعلان نبوت کیا۔ آپؓ اس نئی چیز پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے بلکہ اس کے دشمن

بن گئے اور جو کوئی اہلِ مکہ میں سے مسلمان ہوتا۔ اسے سخت تکلیف پہنچاتے اور بعض کو خوب مارتے تھے۔ اپنے خاندان کی ایک کنیز لبینہؓ کو جو مسلمان ہو چکی تھیں، اس قدر مارتے تھے کہ تھک کر بیٹھ جاتے تھے اور تھوڑا دم لے کر پھر مارنا شروع کر دیتے۔ ایک دن آپؓ نے ارادہ کیا کہ (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم کو ہی قتل کر دیا جائے تاکہ یہ نیا سلسلہ جو قائم ہو رہا ہے اس کا سرے سے خاتمہ ہی ہو جائے۔ چنانچہ آپؓ تلوار لے کر گھر سے نکلے۔ یہ واقعہ حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے تین چار روز بعد کا ہے۔ آنحضور صلعم اس وقت حضرت ارقم مخزومیؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ جہاں آپؐ مسلمانوں کو درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ راستہ میں حضرت عمرؓ کو ایک شخص نعیمؓ بن عبداللہ مل گئے۔ انہوں نے تیور بدلے ہوئے دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے؟ آج آپ کدھر کا ارادہ ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ آج میں محمد (صلعم) کو قتل کرنے جا رہا ہوں تاکہ اسلام کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔ نعیمؓ بن عبداللہ بولے پہلے اپنے گھر کو تو سنبھالو۔ تمہاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور بگڑے اور سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ اتفاق سے اس وقت ان کے ہاں تلاوتِ قرآن ہو رہی تھی اور سورۃ حدید کی آیات پڑھ رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے قرآن پڑھنے کی آواز سن لی لیکن ان لوگوں نے انہیں دیکھ کر فوراً اوراقِ قرآن چھپا لئے۔ انہوں نے ان سے پوچھا کیا پڑھ رہے تھے۔ پھر مزید بگڑے (کیا) اپنے دین سے پھر گئے۔ پھر آپؓ بہنوئی کی طرف بڑھے۔ بہن انہیں بچانے آگے بڑھیں۔ انہوں نے دونوں کو اتنا مارا کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا لیکن بہن ثابت قدم رہی۔ اور بولی اے عمرؓ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور تم چاہو تو اسلام سے ہم نہیں پھر سکتے خواہ جان لے لو۔ ان الفاظ

سُن کر اور اسے خون میں لت پت دیکھ کر جوش ٹھنڈا ہوا اور بولے مجھے وہ اوراق دکھاؤ جو پڑھ رہی تھی بہن نے اوراق دیئے تو لکھی ہوئی سورۂ حدید کے یہ الفاظ پڑھنے لگے۔

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (سورۂ حدید)

زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ہدایت کا وقت آچکا تھا جب آپ پڑھتے پڑھتے ان الفاظ پر پہنچے اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) تو بے اختیار منہ سے نکلا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰہِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں) فوراً اٹھے اور حضرت ارقم مخزومیؓ کے گھر پہنچے۔ دروازہ پر دستک دی اور تلوار ابھی ہاتھ میں تھی ایک صحابیؓ نے دروازہ کے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا اور رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ عمرؓ شمشیر بکف کھڑے ہیں۔ حضرت حمزہؓ موجود تھے۔ بولے آنے دو۔ اگر وہ نیک ارادہ سے آئے ہیں تو بہتر ورنہ انہی کی تلوار سے ان کا سر کاٹ دوں گا لیکن رسول اکرمؐ خود اٹھے اور دروازہ کھول کر حضرت عمرؓ کا دامن پکڑ لیا اور پوچھا کیوں عمرؓ کس ارادہ سے آئے ہو؟ آنحضورؐ کی پُر جلال آواز سے حضرت عمرؓ کے جسم میں کپکپی طاری ہو گئی۔ اور بھرائی آواز میں بولے "ایمان لانے کے لئے" آنحضور صلعم نے خوشی سے اللہ اکبر پکارا۔ سب صحابہؓ نے ساتھ ہی زور سے نعرۂ اللہ اکبر لگایا۔ یہ اسلام کا پہلا نعرہ تھا اور اتنا بلند کہ گرد و نواح کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ یہ ۶ نبوت کے آخر یا ۷ نبوت کے شروع کا واقعہ ہے۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے پر ایک زبردست ہنگامہ برپا ہوا۔ مسلمانوں کو تو بہت تقویت ملی لیکن دوسری طرف کفار اپنا ایک بہادر آدمی کھو کر پریشان ہوئے۔ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد کل چالیس کے قریب تھی۔ اس لیئے کفار سے سہمے رہتے چھپ چھپ کر تبلیغ اسلام کرتے اور درس قرآن دیتے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لاتے ہی مسلمانوں کا نقشہ بدل گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں "عمرؓ جب سے مسلمان ہوئے ہم لوگ غالب آتے گئے" حضرت عمرؓ سے پہلے جتنے بھی لوگ مسلمان ہوئے سب خفیہ طور پر اسلام لائے کیونکہ صورت حال یہ تھی کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنا گویا ایک عظیم خطرہ مول لینا تھا۔ کفار مسلمانوں کے دشمن تھے لیکن حضرت عمرؓ اعلانیہ طور پر مسلمان ہوئے۔ کفار کو اس لیئے بہت صدمہ پہنچا۔ انہیں ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کفر کی بنیادیں ہل گئیں۔ چنانچہ بہت سے کفار جوش و خروش سے حضرت عمرؓ کے گھر پر امڈ آئے۔ شاید اس خیال سے کہ حضرت عمرؓ کو قتل کر دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ کسی سے نہ ڈرے اور اتفاق سے آپؓ کا ماموں عاص بن وائل وہاں آنکلا جو کہ کافی اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ اس نے کہا۔ یہ کیا ہنگامہ برپا ہے؟ لوگوں نے کہا۔ عمرؓ اپنے آبائی دین سے نکل گئے۔ عاص بن وائل نے لوگوں کو ڈانٹ کر کہا۔ "عمرؓ کو میں پناہ دیتا ہوں۔ تم میں سے کس کی مجال ہے کہ اس پر ہاتھ اٹھائے" چنانچہ کفار واپس لوٹ گئے۔

حضرت عمرؓ ایک بہادر اور شجاع انسان تھے وہ اسلام لا کر کفار سے ڈرنے نہیں تھے۔ بلکہ صرف حالات کا جائزہ لے رہے تھے دیکھ رہے تھے کہ ... اسلام لانے سے کفار پر کیا گزرتی ہے۔ ورنہ ڈر والی بات ہوتی تو ... لے جاتے۔ یہ لوگ

اعلانیہ طور پر مسلمان نہ ہوتے ۔ بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح چھپکے چھپکے مسلمان ہو جاتے تھے۔ آپؓ اٹھے اور کفار مکہ کے ایک بڑے اجتماع میں اعلان کر دیا کہ عمرؓ مسلمان ہو چکا ہے ۔ آج سے مسلمان اعلانیہ طور پر اپنے مذہبی فرائض سرانجام دیں گے اور خانہ کعبہ میں نماز ادا کیا کریں گے اگر کسی کو ہمت ہو تو آ کر مسلمانوں کو روک لے پھر آپؓ مسلمانوں کے پاس آئے اور انہیں ساتھ لے کر خانہ کعبہ پہنچے اور نماز پڑھی ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حق و باطل ہر دو علانیہ فرق ظاہر ہوا تھا ۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کو فاروق (حق و باطل میں بڑا امتیاز کرنے والا) کا لقب عطا فرمایا ۔

ہجرت حبشہ

جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر بہت ہی زیادہ ظلم و ستم شروع کر دیئے تو آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا ۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی عیسائی تھا لیکن نہایت رحمدل اور نیک اور انسان تھا چنانچہ ۵ نبوی میں دس مردوں اور پانچ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی ۔ ان میں حضرت عثمانؓ بن عفان اور ان کی زوجہ حضرت رقیہؓ (آنحضرتؐ کی بیٹی) حضرت زبیرؓ بن العوام (جو ابھی بچے تھے) حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت جعفر بن ابو طالب شامل تھے یہ لوگ صرف تین دن حبشہ میں ٹھہر کر واپس آ گئے کیونکہ وہاں تنہائی محسوس کرتے تھے ۔ دو سال بعد ۷ نبوی میں دوبارہ مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ حبشہ گیا جس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں شامل تھیں ۔ کفار مکہ نے ان لوگوں کا تعاقب کیا لیکن یہ سب بخیر و عافیت ۔ یہ سب حبشہ پہنچ گئے جو سمندر پار افریقہ کا علاقہ تھا نجاشی شاہ حبشہ نے

ان مسلمانوں کو اماں دی اور امن و آرام سے دن گزارنے لگے۔ ادھر قریش کو یہ غم کھائے
جاتا تھا چنانچہ انھوں نے ایک وفد جس کے سردار عمرو بن عاص تھے حبشہ روانہ کیا۔ اور
حبش پہنچے۔ نجاشی شاہ کے لیے ساتھ تحفے لے گئے تاکہ اسے خوش کر کے یہ کہیں کہ یہاں آئے ہوئے
لوگ ہمارے مجرم ہیں۔ اس لیے انھیں حبشہ سے نکال کر واپس بھیج دیا جائے۔ کفار مکہ کا وفد
جب وہاں پہنچا تو انھوں نے حبشہ کے کچھ لوگ بھی اپنے ہم خیال کر لیے اور دربار
شاہی میں حاضر ہو کر کہا کہ یہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے ہمارے مجرم ہیں۔
لہٰذا انھیں ہمیں واپس کر دیا جائے۔ نجاشی شاہ نے مسلمانوں کو بھی دربار میں بلا لیا
اور پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ مسلمانوں میں سے حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے
بھائی) نے شاہ حبشہ کے سامنے یہ تقریر کی۔

”اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل قوم تھے۔ بت پرستی ہمارا مذہب تھا۔ مردار
کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا۔
جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم سب پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہم کو
اسلام کی دعوت دی۔ اور سکھایا کہ ہم بت پرستی چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔ اور
خونریزی سے باز آجائیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ ہمسایوں کو آرام دیں۔ پاکیزہ عورتوں
پر بدنامی کا دھبہ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں۔ روزے رکھیں۔ زکوٰۃ دیں۔ ہم اس پر ایمان
لائے۔ شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آ گئے۔ اس جرم پر
ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی۔ اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم پھر گمراہی کی طرف لوٹ جائیں۔“

پھر نجاشی نے کہا جو کلام الٰہی تمہارے نبیؐ پر نازل ہوا ہے اس میں سے تھوڑا سا
پڑھ کر سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۃ مریم کی کچھ آیات سنائیں۔ نجاشی سمجھ گیا کہ یہ کلام الٰہی
ہی ہے۔ چنانچہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور بولا ”خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل
دونوں ایک ہی چراغ کے نور ہیں۔“ پھر کفار مکہ سے کہا کہ تم چلے جاؤ۔ یہ لوگ

مظلوم ہیں۔ میں ہرگز ان کو واپس نہیں کر سکتا۔ بہرحال دوسرے دن پھر قریش کے دربار شاہی میں حاضر ہوئے۔ اور ایک نئی چال چلی۔ انھوں نے بادشاہ کو کہا اے بادشاہ ان مسلمانوں سے پوچھو کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ کفار کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) نہیں مانتے۔ اس لیے نجاشی عیسائی ہونے کی حیثیت سے ان سے ناراض ہو جائے گا۔ چنانچہ نجاشی نے پھر مسلمانوں کو بلا کر پوچھا تو حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہمارے نبیؐ نے بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کا بندہ، اس کا پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہیں۔ نجاشی نے کہا "خدا کی قسم جو اس بیان میں اور حضرت عیسیٰؑ میں ایک تنکے کے برابر فرق نہیں ہے" چنانچہ کفار ناکام واپس لوٹے۔

اس کے بعد تھوڑے تھوڑے مسلمان مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ وہاں قریب قریب ایک سو مسلمان جمع ہو گئے۔ مکہ سے ایک غلط خبر حبشہ پہنچی۔ کہ کفار مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس پر بہت سے مسلمان حبشہ سے مکہ کی طرف لوٹنے لگے۔ لیکن جب مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے۔ اس لیے چند لوگ چھپ چھپ کر مکہ آ گئے باقی واپس چلے گئے۔

سخت مصائب

قریش مکہ نے جب اپنی پہلی تدابیر سے کام بنتا نہ دیکھا تو کچھ اور سوچنے لگے انھوں نے بنی ہاشم اور مسلمانوں سے بالکل قطع تعلق کر لی۔ ان سے خرید و فروخت بند کر دی۔ رشتہ ناطہ ختم کر دیا۔ اور ہر طرح سے ان کے ساتھ عداوت کرنے لگے۔ مسلمان اور بنی ہاشم مجبور ہو کر پہاڑ کے ایک درہ میں چلے گئے۔ جس کا نام شعب ابو طالب تھا۔ کم و بیش دو سال تک یہ مصائب سہتے رہے۔ کھانا نہ ملنے پر بعض اوقات پتوں پر گزارا کرنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد چند افراد مکہ کو ان لوگوں پر رحم آیا اور واپس بلا لیا۔

وفات ابوطالب و حضرت خدیجہؓ

اسی دوران (سنہ نبوی)

میں آنحضرتؐ کے چچا ابوطالب وفات پا گئے۔ اور چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ کبریٰؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔ آپؐ کو ان دونوں حادثوں کا سخت رنج ہوا۔ ابوطالب کی وفات کے بعد قریش مکہ کے حوصلے اور بڑھ گئے اور آنحضرتؐ کو پہلے سے زیادہ تنگ کرنے لگے۔

طائف کا سفر

آنحضرت صلعم نے غور و فکر کے بعد طائف چلے جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ مل کر اسلام پھیلایا جائے۔ چنانچہ آپؐ زیدؓ بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف پہنچے اور وہاں کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن وہاں کے امراء نے آپؐ سے بری طرح سلوک کیا۔ اور شہر کے بازاری لوگوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا تاکہ آپؐ کی ہنسی اڑائیں۔ اور گالیاں دیں۔ ان بدبخت لوگوں نے آنحضور صلعم پر پتھر مارے اور جسم مبارک کو زخمی کر دیا۔ خون بہہ کر آپؐ کی جوتیوں میں آ گیا۔ آنحضور صلعم نے ایک باغ میں پناہ لی۔ باغ کا مالک عتبہ بن ربیعہ باوجود کافر ہونے کے شریف النفس انسان تھا۔ چنانچہ اس نے آپؐ کو عمدہ انگور کھانے کے لئے بھیجے۔ چند روز قیام کے بعد آپؐ واپس مکہ میں آئے اور وہاں سے ایک شخص مطعم بن عدی کی حمایت میں داخل ہو کر تشریف لے آئے اور پھر حج کے دنوں مختلف قبائل میں اسلام پیش کیا کئے۔

اسی زمانے میں جب کہ نبوت کا گیارھواں سال تھا۔ آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا کر آسمانوں کی سیر کرائی۔ جنت اور دوزخ دکھائی اور آپؐ کو نعمتوں سے سرفراز کیا۔ اس واقعہ کو "معراج النبیؐ" کہتے ہیں۔ اسی سال تمام مسلمانوں پر دن میں پانچ وقت کی نماز فرض کر دی گئی۔

یثرب اور دوسرے شہروں میں اسلام

نے مترب کے مختلف میلوں میں جا جا کر قبائل میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ یثرب (مدینہ) میں دو قبائل اوس اور خزرج میں سخت ناچاقی تھی۔ اوس کے لوگ چونکہ کم تھے۔ اس لیے وہ قریش کی مدد کے خواہاں ہوئے۔ چنانچہ قبیلہ اوس کے چند آدمی مکہ پہنچے۔ اور آنحضرت صلعم سے ملے۔ نبی کریم نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ ان میں صرف ایک شخص ایاس بن معاذ نے اسلام قبول کیا۔ اور کچھ عرصہ بعد حج کے دنوں میں پھر یثرب سے جو لوگ مکہ آئے۔ ان میں سے چھ اشخاص اسلام لائے۔ ان میں سے حضرت اسعد بن زرارہؓ خاص قابل ذکر ہیں۔ ان نئے مسلمانوں کی وجہ سے یثرب میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔ اور وہاں کی فضا اسلام کے حق میں بہتر ہونے لگی۔

بیعت عقبہ اولیٰ

اگلے سال (سلسنہ نبوی) یثرب سے حج کے لئے بارہ آدمی مکہ آئے۔ اور آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر مقام عقبہ میں بیعت (پکا وعدہ) کی کہ وہ اسلام کی خاطر زندگی گذاریں گے۔ ان لوگوں کی واپسی پر یثرب کے چند افراد نے اسلام قبول کیا۔ جن میں حضرت مصعبؓ، حضرت اسیدؓ بن حضیر اور حضرت سعدؓ بن معاذ تھے۔ ان لوگوں کی وجہ سے یثرب میں اسلام خوب پھیلنے لگا۔

بیعت عقبہ ثانیہ

دوسرے سال حج کے موقعہ پر یثرب سے کچھ اور لوگ مکہ آئے۔ اور بعض نے عقبہ کے مقام پر رات کے وقت آنحضرت کے سامنے بیعت کی۔ ان لوگوں نے آپ کو یثرب چلے جانے کا مشورہ بھی دیا۔ آپ کے چچا حضرت عباسؓ بھی جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے پہنچ گئے۔ اور آپ کو کہا کہ سوچ سمجھ کر یثرب جانے کا فیصلہ کریں۔ آنحضرت صلعم نے ان مسلمانوں سے عہد لیا کہ یثرب میں سے اگر کوئی آپ پر حملہ کرے

تو وہ لوگ آپؐ کی مدافعت کریں گے۔ سب نے آپؐ کی ہدایات پر عمل کرنے اور اسلام کی خاطر لڑنے کا عہد کیا۔ قریش مکہ میں آپؐ کے یثرب جانے کے ارادے کا تھوڑا سا چرچا ہوا۔ لیکن سوائے ان مسلمانوں کے دوسرے کسی شخص کو اس واقعہ کا صحیح علم نہ تھا۔ اس لئے معاملہ دبا رہا۔ اس کے بعد چند لوگ مسلمان ہو کے یثرب چلے جاتے۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے اہل یثرب کے مسلمانوں میں سے ہر قبیلہ کا ایک سردار مقرر کر کے کل بارہ سردار بنا دیئے جو اپنے اپنے خاندانوں کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے۔

ارادۂ قتل

اہل مکہ کو یثرب کے مسلمانوں کے روز افزوں اقتدار اور ترقی سے خدشہ ہوا۔ چنانچہ وہ طرح طرح کی تدابیر سوچنے لگے۔ فیصلہ ہوا کہ آنحضرتؐ پر تمام قبائل میں سے ایک ایک نوجوان مل کر اکٹھے حملہ کریں اور قتل کر دیں تاکہ قتل کا الزام سب قبائل پر آئے۔

ہجرت مدینہ

آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے ارادہ کی خبر کر دی اور حکم دیا کہ مکہ چھوڑ کر یثرب چلے جائیں۔ آپؐ کے دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کے ساتھ ہجرت کرنے پر رضامند ہو گئے۔ چنانچہ آپ دونوں ایک راہنما شخص کو ساتھ لے کر رات کو مکہ سے چل پڑے۔ جس رات آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا گیا تھا۔ لیکن جانے سے پیشتر آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی جگہ سلا کر کہا کہ وہ لوگوں کی امانتیں لوٹا کر یثرب آ جائیں۔ مکہ سے باہر تین میل کے فاصلہ پر آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ پہاڑ کی ایک غار میں جس کا نام ثور تھا چھپ گئے۔

رات بھر کفارِ مکہ آنحضرتؐ کے گھر کے گرد گھومتے رہے کہ صبح کو آپؐ نکلیں تو حملہ کریں لیکن جب صبح کو انہیں ناکامی ہوئی تو فوراً آپؐ کی تلاش شروع ہو گئی۔ آنحضرتؐ کے سراغ کا انعام مقرر کر دیا گیا لیکن کچھ پتہ نہ لگا۔ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تین دن غارِ ثور میں رہے۔ عبداللہ بن ابوبکر (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوتے تھے) دن بھر کی خبریں غار میں جا کر بتایا کرتے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ رات کو کھانا پہنچاتیں حضرت ابوبکرؓ کا چرواہا عامر بن فہیرہ بکریاں ادھر لے جا کر دودھ دے آتا۔ تین دن کے بعد آپؐ راہبر کے ذریعے عام راستہ چھوڑ کر ایک دوسرے راستے سے یثرب روانہ ہوئے۔ اور ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوی بمطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو یثرب سے تین میل کے فاصلے پر مقام قبا میں اترے۔ حضرت عمرو بن عوف کو مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا۔ آنحضرتؐ کی عمر اس وقت ۵۳ سال کی تھی۔ تین دن بعد حضرت علیؓ بھی مکہ سے مدینہ پہنچ گئے۔

مقام قبا میں آپؐ نے پہلا کام ایک مسجد کی تعمیر شروع کی۔ نبی کریمؐ نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے اس مسجد کی بنیاد رکھی۔ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر کام کرتے۔ یہ مسجد اب مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔

صحیح بخاری کے مطابق آنحضرتؐ قبا میں چودہ دن ٹھہرے۔ بعض مورخین نے چار دن لکھا ہے لیکن چودہ دن زیادہ معتبر ہے۔ اس کے بعد آپؐ یثرب کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بنی سالم کے محلہ میں جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپؐ نے خطبہ دیا اور نماز جمعہ ادا کی۔ یہ سب سے پہلا خطبہ نماز اور سب سے پہلی نماز جمعہ تھی۔

یثرب میں آنحضرت صلعم کا بڑے شوق سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ جس جس قبیلہ سے آپؐ گذرتے۔ لوگ قیام کی درخواست کرتے لیکن آپؐ دعائے خیر

دیتے ہوئے آگے نکل جاتے۔ یثرب میں داخل ہوتے۔ لوگوں کے ہجوم راستہ کے دونوں طرف کھڑے تھے۔ عورتیں بھی جوشِ استقبال میں گھروں کی چھتوں پر آگئیں اور استقبالیہ شعر گاتے لگیں۔ ہر شخص مہمان نوازی کا خواہاں تھا۔ لیکن قرعہ اندازی سے حضرت ابو ایوبؓ انصاری کو میزبان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آنحضرتؐ کی اونٹنی بھی خود بخود حضرت ابو ایوبؓ کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

نبی کریم صلعم کی یثرب میں تشریف آوری سے اس شہر کا نام بدل کر "مدینۃ النبی" کر دیا گیا۔ بعد میں مدینہ منورہ یا صرف مدینہ کہلایا جانے لگا۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمانوں نے اپنے سن کا حساب ہجری کے نام سے شروع کر لیا۔ اس سے پہلے عرب میں عام الفیل کے نام سے تاریخ سمجھی جاتی تھی۔

اہمیتِ ہجرت دعوتِ اسلام اور تبلیغِ دین کے لئے یہ نہایت ضروری تھا کہ مسلمانوں کو کوئی ایسا خطہ زمین مل جائے جہاں وہ آزادی کے ساتھ دین کی پیروی کر سکیں اور اشاعتِ مذہب کے لئے کچھ سہولتیں میسر ہو جائیں۔ ہجرتِ مدینہ سے مسلمانوں کو اپنی ایک سیاسی ریاست بنانے کا موقع مل گیا۔ جہاں انھیں مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اور یہ طے ہو گیا کہ مسلمان بلا تمیز نسل و خون ایک الگ قوم ہیں۔

ہجرت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ دینِ اسلام کو ہر دنیاوی تعلق پر ترجیح حاصل ہے۔ مذہب کے راستے میں اگر رشتے دار بھی حائل ہوں تو انھیں چھوڑا جا سکتا ہے۔ وطنیت اور قومیت کے درمیان جو فرق ہے وہ عملی طور پر واضح ہو گیا۔ اور یہ ثابت کر دیا گیا کہ مذہب و ملت کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی کی جا سکتی ہے۔

یہ بات بھی ہجرت کے بعد بڑی اچھی طرح ثابت ہو گئی کہ اسلام کا منشا انفرادیت کی بجائے اجتماعیت قائم کرنا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں

اجتماعی مفاد بہرحال بالاتر سمجھا جائے گا کیونکہ دنیا و آخرت کی کامیابی درحقیقت اسی بات میں مضمر ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں اجتماعی اصولوں پر ایک اسلامی معاشرہ قائم ہو گیا۔ جو ہر مسلمان کی ضروریات اور مفاد کا ذمہ دار ہونے کی وجہ سے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا موجب بنا۔

ہجرت نے ابتدائی مسلمانوں کے ایمان پرکھنے میں کسوٹی کا بھی کام دیا۔ اور جو لوگ اس امتحان میں پورے اترے۔ ان کے لئے ایمان کو اور زیادہ مستحکم کرنے کا باعث بنی۔ یعنی ہجرت سے ایمان اور کفر کے درمیان فرق واضح ہو گیا۔

مدینہ میں جماعتیں مدینہ میں ہجرت کے وقت تین قسم کے لوگ موجود تھے۔

۱۔ مہاجرین: وہ لوگ مسلمان جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تھے۔

۲۔ انصار: یہ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ اور اسلام لا چکے تھے۔ یہ لوگ قبیلہ اوس اور خزرج میں منقسم تھے۔

۳۔ یہود: یہ لوگ حضرت موسیٰؑ کے پیرو تھے۔ تجارت میں پیش پیش ہونے کی وجہ سے بہت مالدار تھے۔ مسلمانوں کی ترقی کی وجہ سے ان سے عداوت رکھتے تھے۔

مسجد نبوی کی تعمیر سرور کائنات حضرت محمد صلعم سات ماہ تک حضرت ابو ایوب انصاری کے ہاں مہمان رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے ایک مسجد بنائی۔ جو مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد سے بالکل متصل ازواج مطہرات کے لیے حجرے تعمیر کروائے۔ مسجد کی زمین وہی تھی جہاں آنحضرت کی اونٹنی آ کر ٹھہری تھی۔ یہ زمین نہ تحویل کی

ملکیت تھی۔ ان سے خرید لی گئی۔ قیمت حضرت ابو ایوب نے ادا کی۔

مسجد نبوی کے ایک طرف کونے میں ایک چبوترہ بنوایا گیا۔ جو سائبان کی شکل کا تھا۔ اور صُفّہ (صُفّہ = سائبان) کہلاتا تھا۔ اس چبوترے پر چند غیر شادی شدہ اور بے گھر لوگ رہتے تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی اسلامی تربیت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ یہ لوگ اصحاب صفہ کہلاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ (مشہور راوی) بھی انہی لوگوں میں سے تھے۔ اصحاب صفہ غریب لوگ تھے۔ جنگل کی لکڑیاں لا کر بیچتے اور کھانا کھاتے۔ یا دوسرے مسلمان اُن کی مدد کرتے۔

شروع شروع میں مسجد نبوی میں لوگ نماز کے وقت خود بخود جمع ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن وقت پر بغیر منادی کے سب کا پہنچ جانا مشکل تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے نماز کے وقت کی پابندی کے لیے مشورہ کیا۔ بہت سی تجاویز میں سے حضرت عمرؓ کی تجویز منظور ہو گئی کہ لوگوں کو اونچی آواز کے ساتھ مسجد سے پکارا جائے۔ حضرت بلالؓ کی آواز بہت بلند تھی۔ اس لئے وہ اذان دینے کی سعادت سے سرفراز کیے گئے۔ اس طرح اذان کی ابتدا ہوئی۔

مواخات

مدینہ میں مہاجرین چونکہ بے سروسامان تھے اور مدینہ لوگوں سے واسطہ تھا اس لئے آنحضرتؐ نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی بنا دیا۔ چنانچہ انصار نے ان نئے بھائیوں کے ساتھ حقیقی بھائیوں جیسا سلوک کیا۔ انہوں نے ہر قسم کا مال آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔ بعض انصار نے تو اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو اپنے مہاجر بھائی کو دے دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اس

بھائی چارے کو مواخات کہتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مہاجرین نے بڑے حوصلے اور خودداری سے کام لیا۔ انھوں نے انصار بھائیوں کی دوستی اور مدد سے خود محنت مزدوری اور جانفشانی سے کام کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد مہاجرین بھی خوش حال ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عثمانؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی تجارت بہت ہی پھلی پھولی۔

معاہدۂ مدینہ

مدینہ کے یہودی بڑے دولت مند تھے۔ انھوں نے اپنی حفاظت کے لیے مدینہ کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے مضبوط قلعے بنوائے ہوئے تھے۔ گو خود یہودی بڑے بزدل اور کم ہمت تھے۔ لیکن دوسروں کو لڑانا اور سازشیں کرنا ان کا فطری رجحان تھا۔ ان کا مقصد ہمیشہ یہی رہا کہ مدینہ کے انصار آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں۔ چنانچہ آپؐ نے اپنی دُور رس اور معاملہ فہم نگاہوں سے مدینہ کے حالات کا جائزہ لیا۔ اور سیاسی نقطہ نظر سے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مدینہ کے یہودیوں سے تحفظ امن کی خاطر ایک معاہدہ لکھوا لیا۔ اس معاہدہ میں کئی شرائط تھیں مثلاً۔

۱۔ یہود اور مسلمان آپس میں دوست رہیں گے۔
۲۔ یہود کو مذہبی آزادی ہوگی۔
۳۔ دشمن سے لڑائی کے وقت دونوں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔
۴۔ قریش مکہ کو کوئی فریق امان نہیں دے گا۔
۵۔ مدینہ پر بیرونی حملے کی صورت میں دونوں فریق اکٹھے مدافعت کریں گے۔
۶۔ ہر جھگڑے کا فیصلہ آنحضرت صلعم فرمائیں گے جو دونوں فریقوں کو قبول ہوگا۔

اس معاہدہ کا بہت فائدہ ہوا۔ مسلمان بلاتمیز نسلی و خون ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے رہنے لگے۔ دینِ اسلام کو ہر دنیاوی تعلق پر ترجیح دی گئی۔ انفرادیت کی بجائے اجتماعی مفاد بالاتر سمجھا جانے لگا۔ شہری آزادی سب کے لئے یکساں ہو گئی۔ مسلمان اطمینان سے تبلیغِ اسلام کرنے لگے۔ آنحضرت صلعم کو تمام معاملات میں منصف مان لینے سے مدینہ میں امن و سکون زیادہ ہو گیا یہ ہجرت کے پہلے سال کے واقعات ہیں۔

تحویلِ قبلہ

مسلمان تقریباً سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ ۲ ہجری میں اچانک آیات نازل ہونے پر مسلمانوں کا قبلہ (تعظیم) بیت المقدس کی بجائے کعبہ بدل دیا گیا۔ یہودیوں نے اس پر شور مچایا کہ محمدؐ نے ہم سے عداوت کی بناء پر قبلہ بدل دیا ہے۔ اور آنحضرت صلعم کی نیت پر اعتراض کرنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرما کر واضح کر دیا کہ تحویلِ قبلہ سے یہ دیکھنا مقصود ہے کہ اسلام پر پختہ دل کون ہے۔ اور اس سے پھر جانے والا کون ہے۔ ورنہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لینا تو کوئی نیکی نہیں۔ نیکی تو دراصل یہ ہے کہ انسان اللہ پر، روزِ قیامت پر، فرشتوں پر، خدا کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔

غزوۂ بدر

اسبابِ بدر

ہجرتِ مدینہ کے وقت سے ہی قریشِ مکہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ انہوں نے مدینہ کے سب سے بڑے سردار عبداللہ بن ابی کو لکھا کہ محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ ہم تم سے لڑیں گے لیکن

مدینے میں مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ سے عبداللہ بن اُبی بے بس تھا۔ قریش مکہ یہودیوں کو برابر اکساتے رہے اور طرح طرح کی سازشوں پر آمادہ کرتے رہے۔ ان حالات کی وجہ سے مدینہ کے مسلمانوں کو قریش مکہ سے ہر وقت خدشہ رہنے لگا۔

قریش مکہ کا ذریعہ معاش زیادہ تر شام کی تجارت پر تھا چنانچہ وہ بڑے بڑے قافلے ملک شام بھیجتے رہتے تھے۔ مدینہ کے مسلمان جب کبھی کسی ایسے قافلے کا پتہ پاتے اُسے روکنے کی کوشش کرتے کیونکہ دفاعی نقطہ نظر سے قریش کا مالی اور معاشی حالت میں کمزور رہنا مدینہ کے مسلمانوں کے حق میں اچھا تھا۔ مدینہ پر حملہ کے لئے چونکہ کافی سرمایہ کی ضرورت تھی۔ اس لئے مکہ کے ہر مرد اور عورت نے رقم دے کر ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ تیار کیا جو ابوسفیان کی قیادت میں ملک شام روانہ ہوا۔

اسی اثنا میں چند مسلمان مدینہ سے مکہ کی طرف بھیجے گئے تاکہ وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر رسول صلعم کو اطلاع دیں۔ عمرو بن حضرمی جو قریش کا حلیف تھا، چند آدمیوں سمیت تجارت کی غرض سے وہاں آنکلا۔ مسلمانوں نے عمرو بن حضرمی کو مار ڈالا اور دوسرے دو آدمیوں کو پکڑ کر مدینہ لے آئے۔ آنحضرتؐ کو یہ پسند نہ آیا۔ قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اور حضرمی کے خون بہا کا حکم دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرما کر واضح کر دیا کہ کفار نے بھی تو مسلمانوں پر بہت ظلم ڈھائے ہیں اس لئے اس غلطی کا کوئی حرج نہیں۔ دوسری طرف قریش مکہ اس واقعہ سے البتہ برہم ہوئے اور مدینہ پر حملے کے لئے جوش و خروش سے تیاری کرنے لگے۔ مکہ میں یہ غلط خبر بھی پہنچ گئی کہ مسلمان ابوسفیان والے قافلے کو لوٹنے کے لئے مدینہ سے نکل پڑے ہیں اس سے قریش اور بھی غصہ میں آ گئے۔

واقعات بدر

آنحضرت صلعم نے ان حالات کا اچھی طرح جائزہ لیا اور صحابہ سے مشورہ کیا۔ تمام مہاجرین جان نثار کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انصار نے بھی اللہ کی راہ میں جان دینے کا عہد کیا۔ چنانچہ آپؐ نے

مدینہ میں قائم مقام حاکم مقرر فرما کر ۳۱۳ اشخاص کی فوج لے کر مکہ کی طرف روانگی کی۔ دو اشخاص کو دشمن کی حرکات سے آگاہ کرنے کے لئے آگے روانہ کر دیا گیا۔ ۱۷ رمضان سنہ ۲ھ کو اسلامی فوج مقام بدر کے قریب پہنچ گئی اور وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔

بدر ایک بستی کا نام ہے۔ جو ایک کھلے میدان میں واقع ہے۔ یہ جگہ مدینہ سے تقریباً اسی میل مکہ کی جانب ہے مکہ سے ملک شام جانے کے لئے بدر سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔ بدر اس لیے بھی مشہور تھا کہ یہاں ہر سال میلہ لگتا تھا۔ اور چاروں طرف سے لوگ وہاں جمع ہوتے تھے۔

حضرت حباب بن منذر کی رائے سے آنحضرت صلعم تھوڑا اور آگے بڑھے اور بدر کے مقام پر پہنچکر تمام چشموں اور کنوؤں پر قبضہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو امداد دی۔ اچانک بادل امڈ آئے۔ اور ان کی طرف خوب بارش ہوئی جس سے ریت بیٹھ گئی اور چلنا پھرنا کافی آسان ہو گیا۔ مسلمانوں نے بارش کے پانی کو روک کر جا بجا حوض بنا لیے۔ جن سے وضو اور غسل کا کام لیا جاتا۔

ادھر قریش مکہ ایک ہزار سے زائد فوج لے کر بدر کے قریب پہاڑی کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ دشمن آلات حرب سے لدے ہوئے تھے۔ اور سامان رسد بھی برابر پہنچ رہا تھا۔ پانی پر قبضہ کے باوجود آنحضرت صلعم کے حکم سے دشمنوں کو پانی لینے کی اجازت دے دی گئی۔ رات کا وقت تھا۔ مسلمانوں نے اطمینان سے رات گذاری۔

صبح ہوتے ہی آنحضور صلعم نے نماز کے بعد جہاد پر تقریر فرمائی جس سے مسلمانوں کے حوصلے اور زیادہ بلند ہو گئے۔ دونوں طرف صف آرائی کے بعد انہیں ضروری ہدایات فرمائیں۔ پھر نہایت خشوع کی حالت میں عرض کیا "اے اللہ! اگر یہ چند اشخاص آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیرا کوئی نام لیوا نہ ہوگا۔"

اللہ تعالیٰ نے مدد اور فتح کی بشارت دی حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔

دشمن کی فوج اور قریب آگئی۔ جنگ کا آغاز ہوا۔ پہلے ایک ایک کر کے مقابلہ میں آئے۔ عامر حضرمی اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لیے آگے بڑھا۔ حضرت عمرؓ کے غلام نے مقابلہ کیا۔ غلام مارا گیا۔ پھر عتبہ سردار لشکر نکلا اور حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ ولید آیا تو حضرت علیؓ کی تلوار سے کٹ گیا۔ شیبہ حضرت عبیدہؓ کے مقابلہ میں نکلا۔ حضرت عبیدہؓ زخمی ہوئے۔ حضرت علیؓ نے فوراً آگے بڑھ کر شیبہ کے ٹکڑے کر دیے۔ حضرت عبیدہؓ کو آنحضرتؐ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ پھر دونوں طرف سے فوجیں بڑھیں اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ مسلمان کم قابل تعداد میں تھے۔ لیکن اللہ کی نصرت اُن کے شاملِ حال تھی۔ قرآن کے مطابق (سورۃ الانفال) ایک ہزار فرشتے مسلمانوں کی مدد کر رہے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ کفار کو مسلمان اپنے سے دوگنا نظر آ رہے تھے (آل عمران)

تھوڑی دیر بعد لڑائی بند ہو گئی۔ کفار کو منہ کی کھانی پڑی۔ مسلمانوں کو فتح و نصرت حاصل ہوئی۔ مسلمانوں میں شہداء کی تعداد چودہ تھی۔ جن میں چھ مہاجر تھے قریش کے تقریباً سارے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ابوجہل کا سر قلم کر کے آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ تقریباً ستر دشمن مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ آنحضرتؐ نے کفار کی لاشوں کو ایک بند کنوئیں میں ڈلوا دیا، کیونکہ الگ الگ دفن کرنا مشکل تھا۔

مسلمان مالِ غنیمت اور قیدیوں سمیت مدینہ روانہ ہوئے۔ قیدیوں میں آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ آپ کے داماد ابوالعاص اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب بھی تھے۔ مسلمانوں نے قیدیوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کیا

میں پہلے کھانا کھلاتے پھر خود کھاتے۔ اُن کے لئے کپڑے مہیا کئے گئے۔ تمام
بدی صحابہ میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ پھر فیصلے کے مطابق حسب استطاعت
بدیوں سے فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان کے سپرد
ں بچوں کی پڑھائی بطور فدیہ کی گئی۔ باقیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا۔

ر کے نتائج اور اہمیت

(۱) یہ معرکہ اسلام کی شوکت، ہیبت اور دبدبہ کا سنگِ بنیاد بنا۔ اللہ
کے نزدیک بدر کی اہمیت اتنی تھی کہ جن اشخاص نے اِس لڑائی میں حصہ لیا
وہ قطعی طور پر جنتی قرار دیئے گئے اور جن کو صرف زخم لگے اور بچ گئے وہ
بدر کی فہرست میں شامل کئے گئے۔

- واقعہ بدر، اسلام کی ترقی اور قوت کا موجب بنا۔ کفار کے تمام بڑے
بڑے اور نامور سردار ختم ہو گئے۔

- یہ ثابت ہو گیا کہ فتح و کامیابی کے لیے ساز و سامان اور فوج کی تعداد ہی
ضروری نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں عزم راسخ اور یقین محکم ہی اصل کامیابی
ہے۔

- قریش مکہ کے علاوہ کئی دوسرے قبائل کے لوگ اور ان کے سردار اسلام
کی اُٹھتی ہوئی طاقت سے سہم گئے۔

- دوسری طرف یہ بھی ہوا کہ یہودی اور زیادہ حاسد ہو گئے۔ اور
ان کی سازشوں اور بدعہدیوں کی وجہ سے ہر وقت خدشہ رہنے لگا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی شادی

ذی الحجہ سنہ ۲ھ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی
حضرت فاطمۃ الزہرا کی شادی حضرت علیؓ سے کر دی۔ حضرت فاطمۃ الزہرا

کی عمر اس وقت اٹھارہ برس کی تھی۔ حضرت علیؓ کے پاس ایک زرہ تھی جس کی قیمت سوا سو روپے تھی۔ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک پرانی چادر بھی تھی۔ سب مہر میں حضرت فاطمہؓ کو دے دیں۔

غزوۂ احد

قریشِ مکہ جنگِ بدر کے مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے بڑے پیمانے پر تیاریاں کرنے لگے۔ سال بھر کی تجارت کا منافع جمع کیا گیا۔ گرد و نواح کے قبیلے اور حلیف سب ساتھ مل گئے۔ شعراء نے اشعار کے ذریعہ لوگوں کو خوب ابھارا اور جوشِ انتقام کو بھڑکایا۔ بہت سی عورتیں لڑائی میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو گئیں۔ تاکہ اپنے مردوں کے جوش کو مشتعل رکھیں۔ اور وہ ثابت قدمی سے لڑتے رہیں۔ جنگِ بدر میں حضرت حمزہؓ نے عتبہ کو قتل کیا تھا۔ عتبہ کی بیٹی ہندہ نے ایک وحشی نامی غلام کو تیار کیا کہ اگر وہ حضرت حمزہؓ کو قتل کرے تو اسے صلہ میں آزاد کر دیا جائے گا۔

قریش بھاری لشکر لے کر مکہ سے روانہ ہوئے۔ اور مدینہ کے قریب کوہِ احد پر اترے۔ آنحضرتؐ کو آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے جو مسلمان ہو چکے تھے اور تا حال مکہ ہی میں مقیم تھے۔ اطلاع دے دی ہوئی تھی کہ قریش حملہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ مدینہ کے تمام انتظامات مستحکم کئے گئے۔ اور صحابہ سے مشورہ کے بعد آنحضرتؐ ۱۴ شوال ۳ھ بعد نماز جمعہ ایک ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر مدینہ سے نکل پڑے۔ عبداللہ بن ابی

(سردار منافقین) بھی اپنے ساتھیوں کو واپس مدینہ لے آیا۔ اب مسلمانوں کی تعداد سات سو تھی۔ ان میں سے بھی کچھ بچوں کو واپس کر دیا گیا۔

آنحضرتؐ نے کوہِ اُحد کے دوسری طرف صف آرائی کی۔ اُحد کی پہاڑی اسلامی فوج کی پُشت پر تھی۔ حضرت مصعبؓ کے ہاتھ میں اسلامی علم تھا۔ پشت کی پہاڑی پر پچاس تیر انداز حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی رہنمائی میں متعین کر دیئے اور انہیں حکم دیا کہ فتح کی صورت میں بھی اس جگہ سے بالکل نہ ہلیں۔ دوسری طرف کفار بھی صف آرا ہوئے۔ طلحہ کے ہاتھ میں علم تھا۔ سواروں کا دایاں دستہ خالد بن ولید کی سرگردگی میں تھا اور بایاں دستہ عکرمہ بن ابی جہل کے تحت تھا۔ تیر انداز عبداللہ بن ربیعہ کے پیچھے تھے۔

قریش کی عورتیں دف (ڈھول) کے ساتھ ساتھ اشعار پڑھتی ہوئی آگے بڑھیں۔ پھر لڑائی کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت بہادری اور شجاعت سے مقابلہ کیا۔ خصوصاً حضرت حمزہؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ نے خوب جوہر دکھائے۔ حضرت ابو دجانہؓ کے ہاتھ میں آنحضرت صلعم کی تلوار تھی۔ جدھر چلتی تھی دشمنوں کو صاف کئے جاتی۔ حضرت حمزہ دشمنوں کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ وحشی نامی غلام تاک میں تھا۔ قریب آتے ہی (حربہ) چھوٹا نیزہ مارا۔ جو حضرت حمزہؓ کے پیٹ کے پار نکل گیا۔ اور وہ شہید ہو گئے۔ کفار پیچھے ہٹنے لگے۔ علم گرتا تھا۔ پھر اُٹھا لیتے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ کے منہ توڑ حملوں کی تاب نہ لا سکے۔ اور شکست کھا کر رُخ پھیر لیا۔

مسلمانوں نے کفار کے مال کو لوٹنا شروع کر دیا۔ پیچھے کی پہاڑی سے تیر انداز مسلمان بھی مالِ غنیمت کے لالچ میں دوڑے۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے

روکا، لیکن انھوں نے ایک نہ سُنی۔ کفار نے موقع دیکھا۔ اور خالد نے سواروں کے ساتھ اسی پہاڑی کے پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا۔ عبداللہؓ بن جبیر اور چند ساتھیوں نے حملہ روکا لیکن سب شہید ہو گئے۔ پیچھے سے اچانک حملہ کی صورت میں مسلمانوں میں بدحواسی پھیل گئی۔ اور کئی مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ کو ایک شخص کافر ابن قمیئہ نے شہید کر دیا۔ حضرت مصعب آنحضرتؐ کے ہم شکل تھے۔ اس لئے کفار نے شور مچایا کہ محمدؐ شہید ہو گئے۔ اکثر مسلمانوں نے ہمت ہار دی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ جیسے قوی ہمت ہتھیار پھینک کر بیٹھ گئے۔ حضرت علیؓ، حضرت انسؓ کے چچا ابن نضرؓ اور چند دوسرے جاں نثار برابر لڑتے رہے۔ ابن نضرؓ نے اسی سے زیادہ زخم کھا کر شہادت پائی۔

آنحضرتؐ کو چند جاں نثاروں نے حفاظت میں لیا ہوا تھا۔ حضرت کعب بن مالکؓ کی نگاہ آنحضرتؐ پر پڑی۔ آپؐ کے چہرے پر مغفر (آہنی جنگی ٹوپی) تھی۔ لیکن آنکھیں کھلی تھیں۔ فوراً پہچان لیا۔ اور پکارا "مسلمانو! رسول اللہ صلعم زندہ ہیں" پھر کیا تھا۔ سب مسلمانوں میں ہمت آ گئی۔ حوصلے بڑھ گئے۔ دوبارہ دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر کفار نے بھی آنحضرتؐ کی طرف زیادہ طاقت سے رُخ کیا۔ حضرت زیاد بن مسکنؓ اور چند دوسرے صحابہ نے بڑھ کر حملہ روکا۔ لیکن ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ عبداللہ بن قمیئہ نے آنحضرت صلعم پر وار کیا۔ مغفر کے دو حلقے چہرۂ مبارک میں چبھ گئے حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے دانتوں سے حلقے کھینچے۔ چہرہ مبارک سے خون بہنے لگا۔ ایک کافر کے پتھر سے آپؐ کے نیچے کے دانتوں میں سے ایک دانت بھی شہید ہو گیا۔ آنحضرتؐ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ پہاڑی پر چڑھ

گئے۔ دشمنوں نے بڑھنا چاہا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے پتھر برسائے اور انھیں روک دیا۔

مدینہ میں آنحضور صلعم کی وفات کی غلط خبر پہنچی۔ بہت سے مرد اور عورتیں اُحد کی طرف دوڑے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے آکر دیکھا تو آپ کے چہرہ مبارک سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ انھوں نے زخم دھویا اور چٹائی کی راکھ جلا کر اس پر باندھ دی۔ حضرت صفیہ رضا حضرت حمزہ رضا کی بہن، آنحضورؐ سے اجازت لے کر میدان جنگ میں گئیں اور اپنے بھائی کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے دیکھے اور دعائے مغفرت مانگی۔

ابوسفیان نے دوسری طرف پہاڑی سے پکارا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ہم سب زندہ ہیں۔ ابوسفیان نے کہا۔ آج کا دن بدر کے مقتولین کا بدلہ ہے۔ آئندہ سال پھر لڑائی ہوگی۔ آنحضرتؐ کے حکم سے جواب دیا گیا کہ [illegible] منظور ہے۔ پھر کفار نے واپسی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ قریش کی عورتوں نے خوب دل کھول کر مقتولین بدر کا بدلہ لیا۔ شہداء کی لاشوں سے ناک کان کاٹ ڈالے اور ہار بنا کر گلے میں ڈال لیے۔ اس ناک کان کاٹنے کی رسم کو مثلہ کہا جاتا تھا۔ (عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں) ہندہ نے حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کیا اور کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا۔

جنگ احد میں بہت سی مسلمان عورتیں بھی شامل تھیں۔ حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلیمؓ (حضرت انسؓ کی ماں)، حضرت ام سلیطؓ (حضرت ابو سعید خدری کی ماں) [illegible] زخمیوں کی دیکھ بھال اور پانی پلانے کا کام کرتی تھیں۔ [illegible] ام عمارہؓ آنحضرتؐ کے مخصوص جاں نثاروں میں شریک تھیں اور آپ پر تیر اور تلوار کے حملے روکتی تھیں۔ اسی دوران میں انھوں نے [illegible]

گہرا زخم کھایا۔

اس لڑائی میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں چار مہاجر تھے مقتولین کفار صرف بائیس تھے مسلمانوں نے شہداء کو دفن کیا۔ اور مدینہ کو روانہ ہوئے راستے میں عورتیں ملیں۔ اپنے اپنے عزیزوں کی شہادت سن سن کر انا للہ پڑھتیں اور واپس لوٹ جاتیں۔ حمنہ بنت جحش کو ان کے ماموں حضرت حمزہؓ اور بھائی عبداللہ بن جحشؓ کی شہادت کا علم ہوا تو مغفرت کی دعا کی۔ پھر ان کے شوہر حضرت مصعبؓ کی اطلاع دی گئی تو زور سے چیخ اٹھیں۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ عورت کو اپنے شوہر سے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔ ایک اور عورت کو باپ بھائی اور شوہر کی شہادت کی ایک ایک کر کے خبر ملی۔ ہر بار یہی کہتی کہ آنحضرتؐ کیسے ہیں؟ جواب ملا کہ زندہ ہیں۔ بولیں کہ میں خود دیکھنا چاہتی ہوں۔ صحابہؓ نے اشارہ کیا۔ خود دیکھا تو اطمینان ہوا اور کہا کہ آپ زندہ ہیں تو کوئی غم نہیں۔

مدینہ پہنچ کر آنحضرتؐ دوسرے دن کچھ مجاہدین کے ہمراہ تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر مقام حمراء الاسد تک گئے تاکہ دشمن پھر حملہ نہ کر دے۔ آپؐ کا اندیشہ صحیح نکلا لیکن ابوسفیان نے مسلمانوں کو دیکھ کر ارادہ بدل دیا۔ اور مکہ لوٹ گیا۔ آنحضرتؐ واپس ہوئے۔ راستے میں عمرو جمحی شاعر مکہ مل گیا جس نے قریش کو لڑائی کے لئے اُبھارا تھا۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔ ان لوگوں کی جو زخموں اور تکلیفوں سے نڈھال ہونے کے باوجود دشمن کے پیچھے مقام حمراء الاسد تک گئے تھے قرآن نے سورۂ آلِ عمران میں تعریف کی ہے۔

یہود کا مدینہ سے اخراج یہودی ہجرت سے مدینہ پر قابض تھے ان کے تین مشہور قبیلے قینقاع، نضیر اور

قریظہ مدینہ اور گرد و نواح میں آباد تھے۔ مذہبی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے یہ لوگ اپنے اوپر فخر کرتے تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ کے حالات کا جائزہ لے کر یہودیوں سے معاہدہ لکھوا لیا تھا۔ تاکہ مسلمانوں کو ان کی طرف سے شرارتوں اور سازشوں کا خدشہ نہ رہے لیکن اپنے اقتدار کا زوال ہوتے دیکھ کر اندر ہی اندر سازشیں کرنے لگے۔ مسلمانوں سے دشمنی کے وجوہ یہ تھے :-

مذہبی :-

یہودی اپنے مذہب شریعت موسوی کو سب مذاہب پر فوقیت دیتے تھے لیکن عملی طور پر جھوٹے، حرام مال کھانے والے، طرح طرح کے گناہ کرنے والے، سود خور اور لوگوں کا مال خورد برد کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرما کر (سورۃ نساء ۴۲) ان کے اخلاق کا راز فاش کر دیا۔ چنانچہ یہودی مسلمانوں سے سخت دشمنی کرنے لگے۔

اقتصادی :-

ہجرت کے بعد مسلمان مہاجروں نے تجارت میں خوب محنت سے کام کیا اور تھوڑے سے ہی عرصہ میں بڑے مال دار ہو گئے۔ چنانچہ غریب انصار یہودیوں کے سودی قرضوں سے بچ گئے۔ نیز یہودیوں کی تجارت بھی بہت کم ہو گئی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں سے کینہ رکھنے لگے۔

سیاسی :-

ہجرت سے پہلے یہودیوں کو سیاسی فوقیت حاصل تھی۔ وہ اوس

اور خزرج کے قبائل کو لڑا لڑا کر اپنا مطلب حل کیا کرتے تھے لیکن اسلام کی وجہ سے یہ دونوں قبیلے متحد ہو گئے اور یہودیوں کی سیاست کا خاتمہ ہونے لگا معاہدہ مدینہ کی وجہ سے بھی مدینہ کی سیاست آنحضرتؐ کے ہاتھ میں تھی چنانچہ یہودی مسلمانوں سے عداوت رکھنے لگے۔

ان وجوہ کی بناء پر یہودی ناقابل اعتبار ہو گئے تھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے کھلے طور پر دشمنی شروع کر دی اور قتل کے منصوبے باندھنے لگے شوال ۲ھ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک انصار عورت بنی قینقاع کے بازار میں آئی ایک یہودی نے اس خاتون کی بے حرمتی کی چنانچہ ایک غیرت مند مسلمان نے اس یہودی کو قتل کر ڈالا یہودیوں نے اس مسلمان کو مار ڈالا۔ اطلاع ہوئی تو آنحضرتؐ تشریف لائے اور یہودیوں کو سمجھانے لگے کہ ان حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ ورنہ تم پر بھی بدر کی طرح عذاب نازل ہوگا۔ یہودیوں نے کہا کہ ہم بتا دیں گے کہ عذاب کس پر نازل ہوگا۔

چونکہ یہودیوں کی طرف سے بدعہدی اور اعلان جنگ تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ان پر حملہ کا حکم دیا۔ یہودی قلعہ میں گھس گئے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا۔ بالآخر تنگ آ کر یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور کہا کہ ہمیں آنحضرتؐ کا فیصلہ منظور ہے آپ نے سردار منافقین عبداللہ ابن اُبی کی درخواست پر بنی قینقاع کے تمام یہودیوں کو جن کی تعداد سات سو تھی جلاوطن کر دیا۔

یہودیوں کا دوسرا قبیلہ بنو نضیر بھی آنحضرتؐ سے دشمنی پر تلا ہوا تھا۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ اسی قبیلہ میں یہودیوں سے ایک خون بہا کی رقم کا حصہ وصول کرنے کے لئے گئے آپ ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہودی دوسری طرف آپؐ کے قتل کی سازشیں کرنے لگے کہ ایک شخص کو مکان کی چھت پر چڑھا کر اوپر سے پتھر گرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خبردار کر دیا چنانچہ آپؐ واپس تشریف لے آئے اور صحابہؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی آنحضرتؐ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر دونوں کو نیا عہد نامہ لکھنے کے لئے کہا بنو نضیر

نے انکار کر دیا لیکن بنو قریظہ رضامند ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے ربیع الاول ۴ھ کو بنو نضیر پر چڑھائی کی۔ سردار منافقین عبداللہ بن ابی نے بنو نضیر کو سرکشی پر اکسایا تھا اور مدد کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن وقت پر پیچھے ہٹ گیا۔ پندرہ دن تک بنو نضیر قلعہ بند رہے آخر تنگ آ کر جان بخشی کی درخواست کی۔ آنحضرتؐ نے انہیں بھی جلاوطنی کا حکم دیا چنانچہ وہ تمام مال و متاع لاد کر خیبر اور شام کی طرف چلے گئے۔ اسی طرح بنو قریظہ کو بھی اپنی سازشوں کی سزا ملی جس کی تفصیل غزوۂ احزاب میں آئے گی۔

غزوہ خندق (احزاب)
(ذی قعدہ ۵ھ)

بنی نضیر کے جو یہودی خیبر جا بسے تھے۔ انہوں نے تدریج سے اپنی سازشیں شروع کر دیں۔ انہوں نے قریش مکہ کو ساتھ ملا لیا۔ پھر قبیلہ غطفان کو بھی شریک کر لیا۔ اور اسی طرح چند دوسرے قبائل کو رضامند کر کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو ختم کرنے کی غرض سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش کا سردار ابوسفیان تھا اور قبیلہ غطفان کا سپہ سالار عیینہ بن حصن تھا چونکہ بہت سے گروہوں نے مل کر یہ حملہ کیا تھا اس لئے اسی نسبت سے اس لڑائی کو جنگ احزاب (گروہ، جتھے) بھی کہتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ چونکہ ایرانی طریق جنگ سے خوب واقف تھے اس لئے انہوں نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا تاکہ مورچہ بندی کر کے محفوظ مقام میں دشمن کو روکا جا سکے۔ آنحضرتؐ اور صحابہؓ کو یہ مشورہ پسند آیا۔ اور بڑی تیزی سے خندق کھودنے کا کام شروع ہو گیا۔ سخت جاڑے کا موسم اور تین تین دن کی فاقہ کشی کے باوجود بیس دن کے عرصہ میں تین ہزار مسلمانوں

نے خندق تیار کرلی ۔ یہ خندق مدینہ کے شمال مشرقی جانب بنائی گئی کیونکہ باقی اطراف مکانات اور نخلستان کی وجہ سے بالکل محفوظ تھے۔ خواتین کو محفوظ قلعوں میں بھیج دیا گیا۔ اور کچھ مرد وہاں متعین کر دیئے گئے ۔

بنی قریظہ کا رئیس کعب بن سعد پہلے تو بنی نضیر سے الگ رہا لیکن زیادہ اصرار سے وہ بھی ان کے ساتھ مل گیا اور مسلمانوں کے ساتھ جو معاہدہ تھا۔ اسے توڑ دیا۔ آنحضرتؐ نے حضرت سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا۔ کہ حالات کا جائزہ لیں۔ چنانچہ انہوں نے معلوم کر کے بتایا کہ بنی قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے اور لڑائی کے لئے تیار ہیں۔ آنحضرتؐ کو صدمہ ہوا۔ ادھر مسلمان جاڑے کے دنوں میں تین تین دن سے فاقے میں تھے ۔ ادھر دشمنوں نے مدینہ کے تین طرف گھیرا ڈالا تھا۔ مدینہ کے لوگ بہت پریشان تھے مسلمانوں میں منافقین بھی موجود تھے وہ یہ حالات دیکھ کر اپنے گھروں کی حفاظت کا بہانہ کر کے فوج سے واپس جانے لگے۔

ایک ماہ تک سخت محاصرہ رہا۔ کفار اس قدر زیادہ اور اس طرح سامانِ حرب سے لیس ہو کر آچڑھے تھے کہ مدینہ کی زمین دہل گئی تھی مسلمانوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے ۔ منافق طرح طرح کے گمان کرنے لگے اور مسلمانوں کو سخت امتحان میں ڈال دیا گیا (سورۂ احزاب) بہر حال مسلمان پختہ ایمان سے ڈٹے رہے۔ اور اللہ پہ پورا بھروسہ رکھا۔

دشمن، دوسری طرف سے تیر برساتے اور پتھر پھینکتے رہے لیکن خندق عبور نہ کر سکتے تھے ۔ ایک جگہ سے خندق کچھ کم چوڑی تھی ۔ اس جگہ سے دشمن نے حملہ کی کوشش شروع کی چنانچہ ان کے کچھ سرداروں نے گھوڑے دوڑائے اور خندق پار کرنے میں کامیاب ہوگئے ۔ ان میں عمرو بن عبدود آگے بڑھا اور مقابلہ کے لئے پکارا ۔ حضرت علیؓ نے مقابلہ کیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

اسی دوران میں پتھر اور تیر برس رہے تھے۔ اور مقابلہ جاری رہا۔

دوسری طرف بنو قریظہ نے موقع دیکھ کر اس قلعہ پہ حملہ کر دیا جہاں خواتین تھیں۔ ایک یہودی قلعہ کے بڑے دروازے تک پہنچ گیا حضرت صفیہؓ (آنحضرتؐ کی پھوپھی) نے حسان بن ثابتؓ کو جو ایک شاعر تھے مقابلہ کے لئے کہا وہ معذرت کرنے لگے۔ پھر حضرت صفیہؓ نے خود خیمہ کی چوب سے یہودی کے سر پہ وار کیا اور اسے مار ڈالا۔ یہودی کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دیا گیا۔ یہودیوں نے سمجھا کہ قلعہ میں مرد بھی ہوں گے۔ چنانچہ وہ سہم گئے اور دوبارہ حملہ کرنے سے رک گئے۔

محاصرہ لمبا ہوتا جا رہا تھا اللہ تعالیٰ نے زور کی آندھی بھیجی۔ دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے۔ اور وہ بہت ہراساں ہوئے۔ دوسری طرف نعیم بن مسعود نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ قبیلہ غطفان اور یہودیوں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے قریش اور یہودیوں میں متضاد قسم کی باتیں پھیلا کر ان میں پھوٹ ڈال دی۔ یہودی قریش سے علیحدہ ہونے لگے۔ ادھر قریش کی رسد ختم ہو چکی تھی۔ چنانچہ ان حالات سے مجبور ہو کر کفار نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور واپس روانہ ہو گئے۔

حضرت سعدؓ بن معاذ جو انصاری تھے سخت زخمی ہو گئے تھے۔ انہیں مسجد نبوی کے قریب ایک خیمے (علاج گاہ میں) رکھا گیا۔ جہاں رفیدہ ایک مسلمان خاتون زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ زخم چونکہ گہرا تھا کچھ عرصہ بیمار رہ کر حضرت سعدؓ بن معاذ فوت ہو گئے۔ اس لڑائی میں کل چھ مسلمان شہید ہوئے۔

یہود کو سزا! بنی قریظہ کی بدعہدی کی وجہ سے مسلمانوں کو جنگ (احزاب میں) بہت

زیادہ پریشانی ہوئی تھی۔ قریش کے واپس لوٹتے ہی آنحضرتؐ نے بنی قریظہ کا رخ کیا یہودیوں نے بجائے ندامت اور معذرت کے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنا چاہا اور آنحضرتؐ کو گالیاں بھی دیں مسلمانوں نے تقریباً ایک ماہ تک قلعہ کا محاصرہ کیا۔ آخر تنگ آ کر یہودیوں نے درخواست کی کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے اور جو فیصلہ حضرت سعدؓ بن معاذ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔ آنحضرتؐ نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور حضرت سعدؓ بن معاذ نے فیصلہ دیا کہ لڑنے والے قتل کیے جائیں، عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے اور ان کا سامان مال غنیمت قرار دے دیا جائے۔ یہ فیصلہ یہودیوں کی اپنی الہامی کتاب توراۃ کے مطابق تھا۔ چنانچہ چار سو مردوں کو قتل کیا گیا۔ مقتولین میں ایک عورت بھی تھی جس نے ایک مسلمان پر پتھر گرا کر مار ڈالا تھا۔

پردے کے احکام سنہ ۵ ہجری میں ہی پردہ کے احکام نازل ہوئے اس وقت تک مسلمان خواتین عام رواج کے مطابق رہتی سہتی تھیں چنانچہ ان احکام سے لازم ہوا کہ ان کی جائے قرار گھر ہے گھر کے اندر بھی احکام کے مطابق حجاب کا لحاظ رکھیں اور اگر اشد ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلیں تو چادر اوڑھیں اور گھونگھٹ نکال لیا کریں جس سے پہچانی نہ جا سکیں اور ظاہری زینت بھی چھپ جائے۔ اتنے زور سے نہ چلیں کہ پاؤں کے زیوروں کی جھنکار سے راہ چلتے مرد متوجہ ہوں۔ وغیرہ وغیرہ

صلح حدیبیہ

(ذی قعدہ سنہ ۶ھ)

اسباب و واقعات حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے خانہ کعبہ اسلام کا اصلی مرکز چلا آرہا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ کو کعبہ کی زیارت کا بے حد

شوق رہتا چنانچہ آپؐ نے چودہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ کا رُخ کیا چونکہ آپؐ جنگ کے ارادہ سے روانہ نہیں ہوئے تھے۔ اس لیئے عمرہ (چھوٹا حج) کا احرام باندھ لیا۔ اور قربانی کے اونٹ ساتھ لے لیئے۔ ادھر قریش نے سمجھا کہ شاید مسلمان مکہ پر حملہ کرنے کے لیئے آئے ہیں۔ انہوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں مسلمان مقام حُدیبیہ تک پہنچ گئے۔ حُدیبیہ ایک گاؤں کا نام ہے اور گاؤں کے ایک کنوئیں کو بھی حُدیبیہ کہتے ہیں جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ قریش نے قاصد بھیج کر مسلمانوں کی آمد کا مقصد پوچھا۔ آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ ہم زیارت کعبہ کے لیئے آئے ہیں۔ لڑائی کے لیئے نہیں آئے۔ لیکن قریش نے کہا کہ ہمیں منظور نہیں۔ آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں مسلمانوں کے ارادہ سے آگاہ کریں۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو کہا کہ اگر تم کعبہ کا طواف کرنا چاہو تو کر لو۔ ہم محمدؐ اور مسلمانوں کو ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ قریش نے حضرت عثمانؓ کو واپس آنحضرتؐ کے پاس جانے سے روک دیا۔ اور یہ خبر پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمان غصہ میں آ گئے۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے ایک درخت کے نیچے بیعت لی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیں۔ تمام مسلمانوں نے جاں نثاری کا عہد کیا۔ اس واقعہ کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر غلط تھی مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زندہ ہیں۔ چنانچہ پھر سے صلح کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ قریش نے سہیل بن عمرو کو آنحضرتؐ کے پاس بھیجا۔

طویل گفتگو کے بعد صلح کی شرائط طے ہو گئیں۔

حضرت علیؓ نے صلح نامے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا سہیل بن عمرو نے کہا کہ اس کے بجائے عربوں کے قدیم طریقے پر باسمک اللّٰھمّ لکھا جائے آنحضرتؐ نے منظور فرمایا۔ دوسرے فقرے میں محمدؐ رسول اللہ کے الفاظ تھے۔ سہیل نے کہا ہم تو آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے لہذا اس کے بجائے محمدؐ ابن عبداللہ لکھا جائے حضرت علیؓ نے یہ الفاظ کاٹنے سے انکار کر دیا۔ آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے پہلے الفاظ مٹا کر محمد ابن عبداللہ لکھ دیا کہ آپؐ اُمّی (ناخواندہ) تھے آپؐ نے الفاظ پوچھ کر ایسا کر دیا۔ صلح نامے کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں:-

۱ - مسلمان اس سال واپس لوٹ جائیں۔

۲ - اگلے سال آئیں اور صرف تین دن مکہ ٹھہریں۔

۳ - صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں ڈھکی ہوئی ہو۔

۴ - مکہ میں جو مسلمان پہلے سے رہتے ہوں، ان میں سے کسی کو ساتھ نہ لے جائیں۔ اور اگر کوئی مسلمان مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہ روکیں۔

۵ - کفار میں سے اگر کوئی مرد مدینہ جائے تو اسے واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مرد مکہ جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶ - مسلمان قبائل عرب میں سے جس سے چاہیں معاہدہ کریں۔ اور قریش جن کو چاہیں۔ اپنا حلیف بنالیں۔ دونوں فریقین کو اس معاملے میں آزادی ہوگی۔

معاہدہ کی پانچویں شرط مسلمانوں کے لئے بہت سخت تھی اور اتفاق یہ ہوا کہ معاہدہ ابھی لکھا ہی گیا تھا کہ سہیل بن عمرو کے بیٹے حضرت ابوجندلؓ

جو مسلمان ہو چکے تھے اور مکہ میں کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر بھاگ آئے تھے ، وہاں آنحضرت ؐ کے پاس پہنچ گئے ۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور زخموں سے نڈھال تھے ۔ آنحضرت ؐ نے سہیل بن عمرو کو سمجھایا کہ انہیں ہمارے ساتھ مدینہ چلے جانے دو ۔ لیکن وہ نہ مانا ۔ چونکہ معاہدہ کے مطابق مسلمان مجبور تھے ۔ اس لئے آنحضرت ؐ نے حضرت ابو جندل ؓ کو صبر و ضبط کی نصیحت کی اور واپس کر دیا ۔ مسلمان اس منظر سے سخت برہم ہو گئے ۔ حضرت عمر ؓ ضبط نہ کر سکے اور آں حضرت ؐ سے کہا کہ " کیا آپ نبی برحق ہیں ؟ " آپ ؐ نے جواب دیا " ہاں ! " حضرت عمر ؓ نے پھر پوچھا " پھر ہم دین کے معاملہ میں یہ ذلت کیوں برداشت کریں ؟ " رسول اللہ ؐ نے فرمایا " میں اللہ کا پیغمبر ہوں ۔ اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا ۔ وہ میری مدد ضرور کرے گا ۔ "

حضرت عمر ؓ اپنے گستاخانہ اور بے ادب الفاظ پر بعد میں نہایت نادم ہوئے اور اس کے کفارہ میں تمام عمر استغفار کرتے رہے ۔ روزے رکھے ، صدقے خیرات کئے اور غلام آزاد کئے ۔ مسلمانوں نے پھر اسی مقام پر سر منڈوائے قربانیاں کیں اور واپس مدینہ لوٹ آئے ۔

نتائج جس صلح کو تمام مسلمان اپنی شکست اور توہین سمجھ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے سورۃ فتح نازل فرما کر پہلی ہی آیت میں فرمایا " ہم نے تجھے کھلی ہوئی فتح عنایت کی " ۔ مسلمانوں کو اس سے اطمینان ہو گیا ۔

کفار اور مسلمان آپس میں ملتے جلتے نہ تھے لیکن صلح کے بعد خاندانی تعلقات کی وجہ سے ملنے جلنے لگے ۔ ایک دوسرے کے ہاں مہینوں ٹھہرتے اور دوران گفتگو میں اسلامی تعلیم کا تذکرہ ہوتا رہتا ۔ کفار پر مسلمانوں کے حسن اخلاق کا اثر پڑتا کہ ان کے دل نرم ہو جاتے

اور اسلام کی قبولیت کی طرف مائل ہو جاتے چنانچہ اسی میل جول اور آمد و رفت سے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس زمانہ میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے کسی اور وقت میں نہیں ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید جیسے بہادر اور حضرت عمروؓ بن العاص جیسے فاتح انسان اسی زمانے میں مسلمان ہوئے چنانچہ مسلمانوں کو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ صلح واقعی ایک عظیم فتح تھی۔ کفار کو اس کے مقابلے میں جو رعایت دی گئی تھی اس کے مقابلہ میں بہت سے لوگ اسلام لائے اور دوسرے ممالک تک تبلیغ اسلام کا راستہ بالکل صاف ہو گیا۔

صلح کے بعد ایک دفعہ مکہ سے ایک مسلمان ابو بصیر کفار کے مظالم سے تنگ آکر مدینہ بھاگ آیا۔ مکہ سے دو کافر مدینہ آئے اور اسے طلب کیا آنحضرتؐ نے ابو بصیر کو معاہدہ کے مطابق واپس کر دیا۔ راستہ میں ابو بصیر نے ایک کافر کو قتل کر دیا اور دوسرا خوف سے بھاگ گیا۔ مدینہ واپس آکر ابو بصیر نے آنحضرتؐ سے کہا کہ آپ نے صلح نامے کا پاس رکھا اور بالکل ٹھیک عمل کیا اب جو ہوا ہے اس کا ذمہ دار میں خود ہوں۔ پھر وہ مقام عیص میں جا کر رہنے لگا۔ مکہ سے بھی ستم زدہ مسلمان بھاگ بھاگ کر ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے اور اس طرح وہاں ان کی ایک خاصی جماعت بن گئی یہ دیکھ کر کفار مکہ نے مجبوراً صلح نامے کی پابندی شرط خود ہی ختم کر دی اور کہا کہ اب سے جو مسلمان مکہ سے مدینہ جائے ہم اسے واپس نہیں لیں گے۔ چنانچہ مسلمانوں کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔

ہمعصر بادشاہوں کو تبلیغی فرمان

(سنہ ۶ھ آخر)

صلح حدیبیہ کے بعد رستہ صاف تھا تبلیغ اسلام کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں آنحضرت ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے نام دعوت اسلام کے سلسلے میں خطوط روانہ کئے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

قیصر روم کو دعوت

آنحضرت ﷺ نے ہرقل قیصر روم کے پاس حضرت وحیہ کلبیؓ کو خط دے کر بھیجا۔ ہرقل نے خط لیا اور کہا کہ کوئی عرب ہو تو پیش کیا جائے۔ اتفاق سے ابوسفیان سردار قریش تجارت کے سلسلے میں وہاں گیا ہوا تھا وہ حاضر ہوا۔ ہرقل نے ابوسفیان سے گفتگو شروع کی۔

قیصر:- مدعی نبوت کا خاندان بتاؤ؟

ابوسفیان:- شریف خاندان ہے۔

قیصر:- اس خاندان میں سے کبھی کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان:- نہیں۔

قیصر:- اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔

ابوسفیان:- نہیں۔

قیصر:- جو لوگ مسلمان ہوتے ہیں وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان:- کمزور لوگ ہیں۔

قیصر:- اسلام کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟

ابوسفیان:- بڑھتے جا رہے ہیں۔

قیصر:- کبھی اس شخص نے جھوٹ بولا ہے ؟

ابوسفیان :- نہیں۔

قیصر :- کبھی اس نے عہد کی خلاف ورزی کی ہے ؟

ابوسفیان :- ابھی تک نہیں۔

قیصر :- کبھی تم لوگ اس سے نبرد آزما ہوئے ؟

ابوسفیان :- ہاں۔

قیصر :- جنگ کا نتیجہ کیا رہا ؟

ابوسفیان :- کبھی وہ غالب کبھی ہم غالب

قیصر :- اس کی تعلیم کیا ہے ؟

ابوسفیان :- ایک خدا کی عبادت کرو۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ نماز پڑھو، پاک دامن رہو، سچ بولو، صلہ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد ہرقل نے کہا کہ خط پڑھا جائے۔ خط کے مندرجات یہ تھے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔

ہرقل کے نام جو روم کا بادشاہ ہے۔

جو ہدایت پر چلا اس کے لئے سلامتی ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لا تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دگنا اجر دے گا۔ اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا۔

اے اہل ملک! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی اور کو خدا نہ بنائے۔ اور اگر تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں

شاہ ایران کو دعوت

خسرو پرویز ایران کا بادشاہ تھا۔ اس کے نام ایک فرمان حضرت عبداللہ بن حذافہ کے ہاتھ روانہ کیا۔ خط کے مندرجات یہ تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس کے نام

جو شخص ہدایت پر چلا اور خدا اور خدا کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے۔ اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام دنیا کا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلاؤں تو اسلام لا تاکہ سلامت رہے ورنہ مجوسیوں کا وبال [illegible]

خسرو پرویز کو اپنی شان و شوکت پر بڑا ناز تھا۔ غرور و تکبر سے عقل پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ ابھی تو [illegible] کہ خط [illegible] یمن کے حاکم کو لکھ دیا کہ [illegible] دو اشخاص مدینہ آئے۔ آنحضرت صلعم نے ان [illegible] سے جا کر کہدو کہ اسلام کی حکومت [illegible]

تھوڑے ہی دنوں بعد خسرو پرویز [illegible] سے جان [illegible] اور اس کی سلطنت کے [illegible] دو [illegible] کی طرف [illegible]

نجاشی بادشاہ حبشہ کو دعوت

[illegible] اور [illegible] پاس تھے بھی خطوط ان اور بادشاہوں کے

نجاشی نے جواب میں لکھا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں [illegible] صلح حدیبیہ کی وجہ [illegible] نجاشی نے حضرت جعفر [illegible] اطمینان ہو گیا تھا۔ لیکن [illegible] کے [illegible] بیعت کی۔ نجاشی [illegible] لگا۔ چنانچہ آنحضرت [illegible] نے

ساٹھ آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا یہ لوگ سمندر کے راستہ آ رہے تھے
راستے میں کشتی ڈوب گئی اور تمام آدمی سمندر میں ہلاک ہو گئے۔

آنحضرتؐ کے خط کے الفاظ یہ تھے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام:۔

تم محفوظ رہو۔ میں تمہارے سامنے اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جو
تمام کائنات کا حاکم ہے، پاک ہے، امان و سلامتی دینے والا ہے۔ میں شہادت
دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ تھے۔ جسے خدا نے
نیک و پاک اور عفیفہ مریمؑ کو عطا کیا۔ اللہ نے عیسیٰؑ کو اپنی روح سے
اس طرح پیدا کیا جس طرح آدمؑ کو پیدا کیا تھا۔ میں تم کو اس خدا کی طرف
بلاتا ہوں جو صرف ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس پر ایمان
لاؤ میری پیروی کرو اور میری رسالت کو مان کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں
"بسم اللہ الرحمٰن" جعفرؓ کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تمہارے
محمدؐ کی طرف سے جو ...تا اور حکومت کے گھمنڈ اور غرور میں نہ
ہرقل کے نام جو روم کا بادشاہ ... کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے خلوص
جو ہدایت پہ چلا اس کے لئے سلامتی نصیحت قبول کر کیونکہ جو راہ راست
کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لا تو
اجر دے گا۔ اگر تو نے نہ مانا تو ... ت پائی تو آنحضرتؐ نے مدینہ میں
اے اہل ملک! ایک ایسی بات کی ...
ہے یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں ...رتؐ نے حاکم مصر کے پاس
کو خدا نہ بنائے۔ اور اگر تم نہیں مانتے ...ت حاطب بن ابی بلتعہ کو خط

دیے گئے جس میں اُسے دعوتِ اسلام دی گئی۔ حاکم مصر مقوقس اسلام تو نہ لایا لیکن آپ کے قاصد اور خط کی عزت کی۔ قاصد کے ہمراہ اپنی طرف سے دو لونڈیاں بھیجیں جن میں ایک ماریہ قبطیہ رضی قبطی (مصر کی قوم ہے) بھی تھیں، ایک خچر اور کچھ کپڑے تحفتہً بھیجے۔ یہ دونوں خواتین آنحضرت کے پاس پہنچنے سے پہلے اسلام لا چکی تھیں۔ آنحضرتؐ نے حضرت ماریہ قبطیہ سے نکاح کر لیا۔

حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص کا اسلام

اسی دوران جب دمشق میں حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص اکٹھے اسلام لا کے ان دونوں ہستیوں کے مسلمان ہونے سے اسلام کو بہت مدد ملی۔ دونوں اعلیٰ درجہ کے قائد اور بہادر سپہ سالار تھے۔ فتح و کامرانی ان کی قسمت میں لکھی تھی۔

غزوہ خیبر

(سنہ ۷ھ شروع)

بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہودی مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر میں جا بسے تھے۔ خیبر ایک مقام ہے جو مدینہ سے دو سو میل شمال کی طرف واقع ہے یہودیوں نے وہاں بڑے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں سوچتے رہتے تھے۔ بنی غطفان اور مدینے کے منافقین کے بل بوتے پر وہ سرکشی پر تلے ہوئے تھے۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے مسلمانوں کو کفار مکہ سے تو اطمینان ہو گیا تھا۔ لیکن خیبر کے یہودیوں سے ہر وقت خطرہ رہنے لگا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے

محرم ۷ھ میں ڈیڑھ ہزار اسلامی فوج کے ساتھ خیبر پر چڑھائی کی ۔ مسلمانوں نے ایک ایک کر کے تمام قلعے فتح کر لئے ۔ سب سے مضبوط قلعہ قموص بیس دن کے محاصرے کے بعد حضرت علیؓ نے فتح کیا ۔ یہود کی درخواست پر آنحضرتؐ نے ان سے معاہدہ کر لیا کہ یہودی اپنی پیداوار سالانہ کا نصف حصہ مسلمانوں کو ادا کیا کریں ۔ اور مسلمانوں کو حق حاصل ہو گا کہ جب چاہیں یہود کو خیبر سے نکال دیں ۔ خیبر کی جنگ میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور پندرہ مسلمان شہید ہو گئے ۔

جنگ موتہ

(جمادی الاولیٰ ۸ھ)

عرب اور شام کی سرحد پر ایک عیسائی حکمران شرجیل بن عمرو غسانی تھا اس کے نام آنحضرتؐ نے دعوت اسلام کے سلسلے میں ایک خط بھیجا ۔ شرجیل نے آپ کے قاصد حارثؓ بن عمیر کو قتل کر دیا ۔ اور خط پھاڑ ڈالا ۔ آنحضرت صلعم نے حارثؓ کے قصاص کے لئے تین ہزار مسلمانوں کی فوج تیار کی اور زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں مدینہ سے روانہ کر دی ۔ آپ نے فرمایا کہ اگر زید بن حارثہؓ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب سپہ سالار ہیں ۔ اور وہ بھی شہید ہو جائیں ۔ تو عبداللہ بن رواحہ سردار ہیں ۔ شرجیل ایک لاکھ آدمیوں کی فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلا ۔ قیصر روم ہرقل بھی تقریباً ایک لاکھ کی فوج کے ساتھ شام کی سرحد پر بلقا کے مقام پر خیمہ زن تھا ۔ غسانی کو ہرقل سے بھی کافی مدد مل گئی مسلمان ملک شام میں موتہ کے مقام پر فروکش ہوئے ۔ دونوں طرف سے فوجیں بڑھیں اور مقابلہ ہوا ۔ حضرت زیدؓ شہید ہو گئے حضرت جعفرؓ نے علم سنبھالا اور

ڈٹ کر لڑنے لگے۔ تقریباً ایک سو زخم سامنے کے حصے پر کھا کر وہ بھی شہید ہو
گئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ نے قیادت سنبھالی اور بے جگری سے لڑتے ہوئے وہ بھی
شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولید سردار بنے اور نہایت دلیری سے
لڑتے رہے۔ آٹھ تلواریں توڑ دیں۔ حضرت خالدؓ جنگی مہارت سے خوب واقف تھے
اور مسلمان دشمن کے مقابلہ میں تعداد میں کم تھے۔ دشمن ایک لاکھ کی تعداد میں تھا
اور مسلمان صرف تین ہزار۔ یہاں یہ بھی بہت کامیابی تھی کہ مسلمانوں کو دشمن
کی زد سے بچا لیا جاتا۔ بہرحال حضرت خالدؓ نے اس جنگ میں اپنے اعلیٰ
کمالات فن دکھائے اور تھوڑے سے مسلمانوں کو اس طرح ترتیب دے کر لڑایا
کہ دشمن نے یہ سمجھا کہ شاید مسلمانوں کو مزید کمک پہنچ گئی ہے۔ جس سے ان پر رعب طاری ہوا اور
جانفشانی سے لڑتے رہے۔ مسلمانوں نے دشمن کے ایک دستہ پر قبضہ پا لیا
جس سے کچھ مال غنیمت بھی ملا اور باقی دشمن فوجوں کو شکست دے کر
مسلمانوں کو بچا کر واپس مدینہ لوٹ آئے۔ تاریخ بخاری شریف میں لکھا ہے کہ
رسول اللہ صلعم نے وحی کے ذریعے فرمایا: "پھر اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد بن ولید
سیف اللہ نے مسلمانوں کے علم کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو
اپنے دشمن پر غلبہ دیا۔" چنانچہ اسی موقع پر آنحضور صلعم نے حضرت
خالد بن ولیدؓ کو "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کا لقب دیا۔
اس جنگ میں حضرت جعفرؓ کی شہادت کا آنحضور صلعم کو بہت صدمہ ہوا۔

فتح مکہ

(رمضان المبارک سنہ ۸ ہجری)

صلح حدیبیہ کی شرائط سے تو قریش نے آنحضرتؐ کے حلیفوں پر ظلم شروع کر دیا

سے تھے اور بنو بکر قریش مکہ کے حلیف بن گئے۔ ان دونوں قبائل میں قدیم باہمی تنازعہ چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ بنو بکر نے قریش کے بل بوتے پر خزاعہ سے لڑائی شروع کر دی۔ خزاعہ نے شکست کھائی اور حرم کعبہ میں پناہ گزین ہوئے۔ بنو بکر نے موقع دیکھا اور خزاعہ کے پناہ گزینوں کو حرم میں ہی قتل کر ڈالا۔ حالانکہ حدود حرم میں خون ریزی حرام تھی۔

خزاعہ کا ایک شخص عمرو بن سالم کچھ آدمیوں سمیت آنحضرتؐ کے پاس آیا۔ اور فریاد کی کہ ان کے ساتھ ظلم و ستم ہوا ہے۔ آپ نے ماجرا سنا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔ خفیہ طور پر تیاری شروع ہو گئی۔ ادھر قریش اپنی غلطی محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ابوسفیان کو مدینے بھیجا کہ معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر لی جائے لیکن آنحضرتؐ نے قبول نہ فرمایا

مناسب تیاری کے بعد ۱۰ رمضان ۸ھ (یکم جنوری ۶۳۰ء) کو آنحضرتؐ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب ایک مقام مرالظہران پر قیام کیا۔ رات کو جب مسلمانوں نے آگ روشن کی تو کفار مکہ ہر طرف آگ جلتی دیکھ کر سہم گئے

آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباس چاہتے تھے کہ ان کی قوم کو امان مل جائے چنانچہ وہ رات کو سواری پر مکہ کی طرف نکلے۔ راستے میں ابوسفیان مل گیا۔ اسے ساتھ لا کر آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا۔ مسلمان ابوسفیان کو قتل کر دینا چاہتے تھے لیکن آپؐ نے روک دیا۔ دوسرے دن صبح ابوسفیان آنحضرتؐ کے پاس آئے اور اسلام قبول کیا۔

اس کے بعد اعلان کر دیا گیا کہ قریش مکہ میں سے جو شخص خانہ کعبہ یا ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا۔ اس سے جنگ نہیں کی جائے گی جو اپنے

گھر کے دروازے بند کر لے یا اپنی تلوار نیام میں رکھے گا اسے بھی امان دی جائے گی۔ ابوسفیان اپنے گھر کی اس قدر و منزلت سے بہت خوش ہوئے اور مکہ جا کر کفار کو مسلمانوں کی ہیبت دلا کر ڈرایا اور آپ کا اعلان سنا دیا۔

حرم کی وجہ سے آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو ہدایت کر دی تھی کہ خون ریزی بالکل نہ ہو۔ چنانچہ مسلمان مختلف گروہوں میں بلا مزاحمت شہر میں داخل ہو گئے کعبہ پہنچ کر سواری پر ہی طواف کیا اور بتوں کو باہر نکال کر توڑ دیا کعبہ کے اندر نماز ادا کی اور پھر لوگوں کے سامنے ایک تقریر کی جس میں لوگوں کو اللہ کی وحدت سمجھائی اور بتایا کہ خدا نے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کی مدد کی ہے۔ فخر و غرور کسی شخص کو زیبا نہیں اور تمام انسان برابر ہیں کفار سر جھکائے سامنے کھڑے تھے آنحضورؐ اگر چاہتے تو تمام پچھلے بدلے لے لیتے لیکن آپ رحمۃ للعالمین تھے۔ آپ نے سب کو معاف کر دیا۔ آپ کی مہربانی اور فراخ دلی دیکھ کر کفار بہت متاثر ہوئے چنانچہ بہت بڑی تعداد مسلمان ہو گئی اور باقی بھی بعد میں مسلمان ہو گئے

غزوۂ حنین
(شوال ۸ھ)

حنین ایک وادی ہے جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ یہاں کے دو قبائل ثقیف اور ہوازن بڑے جنگجو تھے۔ اسلام کا غلبہ ہوتے دیکھ کر یہ لوگ گھبرا گئے اور اپنی ریاست کو خطرہ میں دیکھ کر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ مسلمانوں پر حملہ کر دیا جائے

مالک بن عوف کی سرکردگی میں جنگ کے لئے نکلے۔ ادھر مسلمان اپنی بارہ ہزار فوج پر نازاں تھے۔ لیکن اللہ کو کبھی تکبر اور غرور پسند نہیں آیا۔ مختصر یہ ہوا کہ دشمن کی فوج نے خوب تیر برسائے مسلمانوں کی صفیں بکھر گئیں اور اِدھر اُدھر بھاگنے لگے صرف آنحضرت ؐ اور چند صحابہ رضی ثابت قدم رہے۔ آپ کے حکم سے حضرت عباس ؓ نے لوگوں کو پکارا۔ کچھ مسلمان اور انصار جیسے ہی ایک سو کے قریب ہو گئے تو بڑھ کر پھر حملہ کیا۔ یہ دیکھ کر باقی مسلمان بھی آ گئے اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ دشمن بھاگ گیا اور ان کے کچھ لوگوں نے طائف کے مضبوط قلعے میں پناہ لی۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور قلعہ شکن آلات دبابہ اور منجنیق وغیرہ استعمال کئے۔ بیس دن کے بعد محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

مسلمانوں کو مال غنیمت میں چھ ہزار عورتیں معہ بچے چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی ملی۔ قیدیوں میں حضرت شیما بنت حلیمہ بھی تھیں۔ جو آنحضرت ؐ کی رضاعی بہن تھیں۔ گرفتاری کے وقت انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔ چنانچہ وہ آنحضرت ؐ کے پاس لائی گئیں۔ حضرت شیما ؓ نے آنحضرت ؐ کو اپنے جسم کا ایک نشان دکھایا اور کہا کہ ایک دفعہ بچپن میں آپ نے دانت سے کاٹا تھا۔ فرط محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ نے چادر بچھائی اور اس پر حضرت شیما کو بٹھایا پھر آپ ؐ نے پوچھا کہ رہنا چاہیں تو میرے گھر چل کر رہیں۔ اور اگر واپس جانا چاہیں تو پہنچا دیا جائے۔ حضرت شیما نے اپنے خاندان کی محبت میں واپسی کا اظہار کیا۔ چنانچہ آنحضرت ؐ نے عزت و احترام کے ساتھ واپس پہنچا دیا۔

اس کے بعد قبیلہ ہوازن کے کچھ لوگ آنحضرت ؐ کے حضور میں پیش ہوئے

اور عرض کی کہ ہم آپ کے رشتہ دار ہیں۔ آپ کی رضاعی دادی حلیمہ ہمارے قبیلہ سے ہیں۔ اس لئے آپ سے ہمیں بہت امیدیں وابستہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اور بنی مطلب کے حصہ میں جو کچھ ہے وہ آپ کا ہے۔ باقی کے لئے آپ لوگ مسلمانوں سے عرض و دعا کریں میں بھی آپ کی سفارش کر دوں گا۔ چنانچہ مسلمانوں نے بھی اپنا اپنا حق آپ کے سپرد کر دیا۔ اسی وقت چھ ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے۔ مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ زیادہ مال قریش کے نومسلم کو دیا گیا۔ انصار کے بعض لوگ اس تقسیم پر خوش نہ تھے۔ لیکن آنحضرتؐ نے انہیں سمجھایا کہ نئے نئے مسلمانوں کی دلشکنی نہ ہونی چاہیے۔ انہیں تو صرف اونٹ اور بکریاں ملی ہیں لیکن تمہارے ساتھ حضور رسول اللہ ہیں۔ چنانچہ اس وضاحت سے انصار مطمئن ہو گئے۔

غزوہ تبوک

(رجب سنہ ۹ھ)

سرحد شام کے غسانی بادشاہ نے جنگ موتہ کا بدلہ لینے کی غرض سے خوب تیاری کر رکھی تھی۔ مدینہ کے لوگ فکرمند تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اطلاع پا کر کہ غسانی بادشاہ مدینہ پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ لوگوں کو بتا دیا گیا کہ سرحد شام پر مہم بھیجنے کی غرض سے تیاری کے لئے کہا گیا ہے۔ گرمی سخت تھی اور قحط کا زمانہ تھا۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور ہر دقت اور دشواری کو برداشت کیا۔ فصلیں تیار تھیں۔ مدینہ کے مسلمانوں کو معلوم تھا کہ قحط پڑا ہے گرمی کی شدت ہے جنگ مناسب نہیں لیکن آنحضرتؐ کی حوصلہ افزائی سے لوگ برابر تیاریوں میں مصروف رہے۔ صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ نے سب سے زیادہ مدد کی

رجب ۹ھ میں آنحضرتؐ تیس ہزار کا لشکر لے کر جس میں دس ہزار گھوڑے تھے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی ساتھ نہیں گئی تھیں۔ اس لئے مدینہ کی حفاظت کیلئے حضرت علیؓ کو پیچھے چھوڑا۔ دمشق کی جانب مدینہ سے ۱۴ منزل کے فاصلے پر تبوک کے مقام پر قیام کیا۔ دشمن کے حملے کی افواہ غلط نکلی اور غسانی بادشاہ مقابلے کے لئے نہ آیا۔ سرحدی علاقہ کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں نے جن میں ایکہ کا حکمران یوحنا بھی تھا مصالحت کر لی اور سب نے جزیہ دینا قبول کیا۔ دمشق کے قریب دومۃ الجندل کے علاقہ کے رئیس اکیدر کو حضرت خالدؓ نے چار سو مسلمانوں کے ساتھ جا کر گرفتار کیا۔ آنحضرتؐ نے اکیدر کی جان بخشی کی اور اس نے جزیہ دینا قبول کیا اور واپس چلا گیا۔ دس دن قیام کے بعد آنحضرتؐ واپس مدینہ پہنچ گئے

حج اکبر اور اعلان برأت

۹ھ میں پہلی بار مسلمانوں نے پورے اہتمام سے حج ادا کیا۔ قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے۔ آنحضرتؐ خود اس حج میں موجود نہ تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس فریضہ کی ادائیگی میں مسلمانوں کی قیادت کی۔ اعلان کر دیا گیا کہ اب سے کوئی مشرک اور کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو۔ اس کے علاوہ سورہ براءت (سورہ توبہ) کی ابتدائی آیات بھی پڑھ کر سنادی گئیں کہ عہد کی وجہ سے مشرکین کو صرف چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس کے بعد خدا اور اس کا رسول ان سے بری الذمہ ہو گئے

حجۃ الوداع

(ذی قعدہ ۱۰ھ)

اگلے سال آنحضرتؐ نے خود حج کرنے کا ارادہ کیا۔ تمام قبائل عرب کو مطلع کر دیا گیا۔ ۲۵ ذیقعدہ ۱۰ھ کو آپ صحابہؓ کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے

ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان جمع ہو گئے۔ آپ نے فریضۂ حج ادا کیا اور یہ آپ کا آخری حج تھا۔ لوگوں کو ایک جامع اور مؤثر خطبہ دیا جو مختصراً حسب ذیل ہے
آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

"اے لوگو غور سے سنو اور یاد رکھو ممکن ہے کہ آئندہ اس مقام پر مجھے تم سے ملنے کا موقع نہ مل سکے۔ جس طرح تم اس دن، اس مہینہ اور اس مقام کی حرمت کرتے ہو اسی طرح ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک کام کا حساب لیگا۔ ہاں میں نے اسکا پیغام پہنچا دیا ہے۔ جسکے پاس کوئی امانت ہو تو واپس کر دے۔ ہر قسم کا سود قطعی ساقط ہے۔ صرف اصل رقم لی جا سکتی ہے۔
دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔ کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں۔ اسی طرح عورتوں کے حقوق تمہارے اوپر ہیں۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ کسی غیر کو تمہارے گھر میں آنے نہ دیں اور بدکاری نہ کریں۔ اسی طرح عورتوں کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ ان کے ساتھ نرمی کرو اور مہربانی سے پیش آؤ۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنے نکاح میں لیا ہے اور وہ تمہاری دست نگر ہیں۔ اسلئے اللہ سے ڈرتے ہوئے ان کے حقوق کا لحاظ رکھو۔

غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلانا اور جو خود پہنو وہی ان کو پہنانا۔ ان سے کوئی خطا ہو تو درگذر کرنا یا ان کو جدا کر دینا۔ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ انکے اوپر سختی روا نہ رکھنا۔ عربی کو عجمی و غیر عربی پر فضیلت نہیں ہے نہ عجمی کو عربی پر۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسلئے کسی بھائی کی کوئی چیز دوسرے بھائی کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ اپنی خوشی سے نہ دے۔ [illegible] کرنا

میں نے تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑ دی ہے جس کو اگر تم مضبوطی سے پکڑ و گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یاد رکھو وہ قرآن ہے۔
لوگو! عمل میں خلوص، مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتحاد یہ ایسی باتیں ہیں جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں۔
تم کو لازم ہے کہ میرا کلام ان لوگوں کو پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ہیں کیونکہ بہت سے لوگ روایتاً کلام سن کر ان سے زیادہ یاد رکھتے ہیں جو خود اپنے کانوں سے سنتے ہیں"
اس الوداعی خطبہ کے بعد آپ نے لوگوں کو مخاطب کیا اور فرمایا۔ کہ قیامت کے روز خدا تم سے پوچھے گا کہ میں نے تم کو اس کے احکام پہنچا دیئے ہیں۔ کہ تمہیں بتاؤ کیا جواب دو گے؟ تمام لوگ بیک زبان بول اٹھے کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچا دیئے۔ اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ اس پر آپ نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور تین بار کہا کہ اے اللہ تو شاہد رہیے۔
اسی دن حجۃ الوداع کے بعد قرآن کی آخری آیت نازل ہوئی :-
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا) یہ ختم قرآن کا اعلان تھا۔ اس کے بعد احکام الٰہی کا نزول بند ہو گیا

علالت اور وفات

حجۃ الوداع کے بعد آپ واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ صفر ۱۱ھ میں آپ بخار ہو جانے سے بیمار ہو گئے۔ چنانچہ سب بیبیوں سے اجازت لے کر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آ گئے۔ جو مسجد نبوی کے ساتھ بالکل ملا ہوا تھا۔ آپ کے سر میں شدید درد تھا جس سے کبھی کبھی آپ کو غشی سی طاری ہو

جاتی تھی۔ درد کو کم کرنے کیلئے آپ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی۔
اسی حالت میں آپ لوگوں کو نصیحتیں کرتے رہتے۔ درد میں ذرا کمی محسوس ہوئی تو آپ سہارا لے کر مسجد نبوی کے منبر پر گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اگر کسی کا مجھ پر کوئی حق ہے تو مجھ سے لے لے اگر میں نے کسی کو مارا ہو تو مجھ سے بدلہ لے لے۔ میں تم سے اس شخص کو ہی پسند کروں گا۔ جو اپنا حق مجھ سے لے لے یا معاف کر دے تاکہ میں اپنے رب سے بالکل پاک ہو کر ملوں۔ ایک شخص نے آپ سے تین درہم کا مطالبہ کیا۔ جسے ادا کر دیئے گئے۔ ایک اور شخص کے ذمے آپ کے تین درہم تھے۔ اس نے آپ کو ادا کر دیئے۔ پھر آپ نے بعض لوگوں کی درخواست پر ان کے حق میں دعا کی کہ اللہ ان سے برائیاں دور کرے اور نیک بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں فلاں فلاں عیب رکھتا ہوں میرے لئے بھی دعا کیجیئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے شخص تو نے اپنی رسوائی کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا! اے عمرؓ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے اچھی ہے۔ پھر آپ نے اس شخص کیلئے دعا کی حضرت عمرؓ نے اس شخص سے کہا اب تم رسول اللہ صلعم سے جو مرضی ہے کہو اور آنحضرتؐ اس بات پر ہنس پڑے اور فرمایا کہ عمرؓ میرے اور قلب میں عمرؓ کے ساتھ ہوں۔ میرے بعد حق اس طرف ہوگا جدھر عمرؓ ہوں گے"

دوران مرض آنحضرتؐ کے حکم سے حضرت ابوبکر صدیقؓ مسجد نبوی میں نماز پڑھاتے رہے۔ ایک دن آپ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں نماز ادا کی۔ آپ کی بیماری نے شدت اختیار کر لی اور ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ بمطابق [illegible] کو ۶۳ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ [illegible]
حضرت ابوبکر صدیقؓ اس وقت [illegible]

حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرت ؐ فوت ہو گئے ہیں وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلعم بھی اللہ کے پاس گئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ چالیس راتوں کے لئے اپنی قوم سے غائب ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے تھے۔ اور ان کی قوم کہتی تھی کہ وہ مر گئے ہیں۔ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلعم فوت ہو گئے ہیں۔ میں اس کو قتل کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ اسی جوش اور بے تابی میں تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ پہنچے۔ انہوں نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اے لوگو! جو شخص محمدؐ کی پرستش کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ آپؐ فوت ہو چکے ہیں اور جو اللہ کو پوجتا ہے تو وہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا" پھر آپ نے قرآن کی ایک آیت پڑھ کر لوگوں کو ثابت قدم رہنے کی نصیحت کی اور اللہ کا شکر ادا کرنے کی تلقین کی۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کو آنحضرتؐ کی وفات کا یقین آگیا۔ اور وہ شدت غم سے گر پڑے۔

اس کے بعد سقیفۂ بنی ساعدہ میں لوگ اکٹھے ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ دوسرے دن آدھی رات کے وقت آنحضرتؐ کو حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے میں جہاں آپ نے وفات پائی دفن کیا گیا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق وعادات

حضرت محمد صلعم کے اخلاق وعادات کمال درجہ کے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کا خلق قرآن مجید ہے۔ آپ کی ناراضگی اور خوشی قرآن کے مطابق ہوتی تھی۔

لطافت جسم آپ صفائی اور پاکیزگی کو بہت پسند کرتے تھے۔ دوسروں کو بھی حتی الامکان صاف ستھرا رہنے کی تلقین کرتے خوشبو

آپ کو بہت مرغوب تھی۔ سفر میں بھی آپ تیل۔ سرمہ۔ کنگھی، آئینہ قینچی مسواک اور سوئی دھاگہ ساتھ رکھتے تھے۔

حیا آپ لوگوں کی بڑی عزت کرتے تھے اور کوئی بات ایسی نہیں کہتے تھے جو کسی شخص کے لئے شرمندگی کا باعث بنے کسی کی ناپسندیدہ بات سن کر آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ آپ کی حیا ایک کنواری پردہ نشین لڑکی سے بھی زیادہ تھی۔ نگاہ نیچی رکھتے تھے اور گوشۂ چشم سے دوسروں کی طرف دیکھتے تھے۔

حسن معاشرت مجالس اور دوسری صحبتوں میں آپ بہت خوش خلقی ظاہر کرتے تھے۔ بلا تمیز نسل و رنگ سب سے ایک جیسا سلوک کرتے۔ اپنے کام خود کرتے تھے بلکہ دوسروں کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے۔ ملاقات کے وقت سلام کہنے میں پیش دستی کرتے۔ تحمل سے دوسروں کی بات سنتے اور نہایت شفقت اور ہمدردی سے دلجوئی کرتے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کی بھی دعوت قبول کر لیتے تھے۔ بیماروں کی عیادت کرتے یہاں تک کہ دشمن کی بیمار پرسی سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ احسان کرنے والوں کو ان کا صلہ دیتے اور برائی کرنے والوں سے درگزر کرتے اور ان کیلئے دعائے خیر مانگتے۔ الغرض لوگوں کے لئے مجسمۂ رحمت تھے۔ اس شفقت کے باوجود آپ کے چہرہ مبارک سے رعب و جلال ٹپکتا تھا۔

سخاوت حاجتمندوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ سائل کے آجانے سے نماز میں کمی کر دیتے تھے۔ بہت زیادہ ضرورت مند کیلئے اگر اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر دیتے تھے خود فاقہ کر لیتے لیکن بھوکے کو کھانا کھلا دیتے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے سوال کیا ہو اور آپ نے رد کیا ہو

تحمل آپ دوسروں کی سختیاں برداشت کرتے اور بہت جلد غلطی معاف کر دیتے تھے۔ دنیاوی معاملات میں بھی لوگوں سے بدلہ نہیں لیتے تھے جنگ احد میں چہرہ مبارک زخمی ہو جانے پر بھی دشمن کی ہدایت کے لیے دعا کی۔ آپ غصہ کو پسند نہیں کرتے تھے بہت دیر سے غصہ آتا اور جلد ہی راضی ہو جاتے تھے۔

رحم و کرم آپ کے رحم و کرم کا یہ حال تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تعریف کی ہے اور رحمۃ اللعالمین کا خطاب عطا کیا ہے ادنیٰ سے ادنیٰ ہر ایک کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے۔ راہ چلتے بچے ملتے تو ان سے پیار کرتے اور انہیں اٹھا لیتے۔ خادموں سے غلطی بھی ہو جاتی تو کچھ نہ کہتے بلکہ اکثر کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے ذاتی معاملات میں بدلہ نہ لیتے تھے۔

عدل و انصاف راست گوئی اور عدل و انصاف میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ دشمن تک آپ کو امین کے لقب سے پکارتے تھے اور اپنے جھگڑوں کا فیصلہ آپؐ سے کرواتے تھے ایک دفعہ کسی یہودی اور ایک منافق کے درمیان جھگڑا ہوا۔ دونوں آپ کے پاس آئے۔ آپ نے معاملہ سنا اور فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا کیونکہ یہودی سچا تھا۔

ایفائے عہد آپ عہد و پیمان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بڑے سے بڑے نقصان میں بھی عہد کا پاس رکھتے معاہدہ حدیبیہ کے وقت جب ابو جندل رضؓ جو مسلمان ہو چکے تھے کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر زخموں سے نڈھال بھاگ کر آنحضرت کے سامنے آگئے تھے آپؐ نے انہیں واپس مکہ بھیج دیا کیونکہ معاہدہ لکھا جا چکا تھا اور اس کی رو سے آپؐ ابو جندل رضؓ کو روک نہیں سکتے تھے۔ مسلمانوں کے شدید غم و غصہ کے باوجود آپؐ نے معاہدہ کا پاس رکھا۔

پاسِ مروّت

لوگوں سے تعلقات کا آپ کو بڑا لحاظ رہتا۔ جنگ حنین کے موقع پر جب حضرت شیما بنت حلیمہ (آپ کی رضاعی بہن) گرفتار ہو کر آپ کے سامنے پیش ہوئیں تو آپ نے اپنی چادر بچھا کر بٹھایا اور عزت و احترام کے ساتھ انہیں ان کے خاندان میں پہنچا دیا۔

ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے بھی آپ کو کچھ دیر دودھ پلایا تھا چنانچہ آپ اس کی زندگی تک ہر سال کپڑے اور تحفے بھیجتے۔ نجاشی شاہ حبشہ نے ان مسلمانوں کی بہت عزت کی تھی جنہیں آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ جب نجاشی کی طرف سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے ان لوگوں کی خدمت کی۔

تواضع

غرباء اور مساکین کی دلجوئی کے لئے ان میں مل جل کر رہتے تھے مجالس میں امتیازی جگہ کو پسند نہ کرتے تھے۔ جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے اور اکثر اجنبی لوگوں کے لئے پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ مجلس میں رسول اللہ ﷺ کون ہیں۔ جو ملنے آتا جب تک بیٹھا رہتا آپ بھی بیٹھے رہتے اور اگر ضرورت ہوتی تو مہمان سے اجازت لے کر اٹھتے۔

وقار

سادہ طبیعت کے باوجود آپ ہمیشہ باوقار رہتے۔ ضرورت سے زیادہ بات نہ کرتے اور لغو اور نازیبا باتوں سے پرہیز کرتے اگر کوئی شخص ناپسندیدہ بات کرتا تو آپ منہ پھیر لیتے۔ نہ کسی کی برائی کرتے اور نہ کسی سے برائی سنتے تھے۔

شجاعت

آپ بڑے بہادر اور شجاع تھے۔ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ میدان جنگ میں آپ ہمیشہ ثابت قدم رہتے۔ جنگ حنین میں جب مسلمان بکھرنے لگے تو آپ نہایت ثابت قدمی اور حوصلے سے اپنی جگہ پر قائم

رہے یہ دیکھ کر مسلمان پھر اسکھٹے ہونے لگے۔ اور دشمن پر فتح پالی۔ ایک دفعہ مدینے میں رات کے وقت ایک خوفناک آواز سنائی دی۔ سب لوگ پریشان ہو گئے کہ شاید کسی (غسانی) نے حملہ کر دیا ہے۔ آپ نے جلدی سے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سواری کی اور مدینہ کے گرد چکر لگا کر دیکھا اور واپس آ کر لوگوں کو تسلی دی۔ کہ کوئی خدشہ نہیں۔

ہجرت کے بعد تبلیغ دین اور اس کے نتائج

ہجرت کے بعد مدینہ میں آنحضرتؐ نے امن اور دفاعی نقطۂ نظر سے سب سے پہلا یہ کام کیا کہ مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ ہوا جس کی رو سے آپ کا مقام صدر ریاست کا ہو گیا اور مسلمانوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ تبلیغ دین کے لیے سہولتیں پیدا ہو گئیں۔

مدینہ اور گرد و نواح میں مسلمانوں کا حسن سلوک، انصاف پسندی اور دیانتداری تبلیغ اسلام کیلئے بڑی مددگار ثابت ہوئیں۔ لوگ مسلمانوں سے متاثر ہوتے اور اسلام قبول کر لیتے۔ لیکن مدینہ کے بعض لوگ مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ سے گو بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر دلی طور پر اپنی سرداری کے زوال کے خوف سے یا اسلام کی ترقی کو نہ سہتے ہوئے مخالف تھے۔ ایسے لوگوں کو منافق کہا گیا ہے۔ پھر بھی آنحضرتؐ ایسے لوگوں کے ساتھ نہایت رحم دلی اور مہربانی سے پیش آتے تھے

آنحضرتؐ مختلف قبائل میں قاصد اور خطوط بھیجتے اور دعوت اسلام دیتے کچھ لوگ اسلام قبول کرتے لیکن بہت سے قبائل قریش مکہ کی پیروی کرنا چاہتے تھے ان کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلتا۔

صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی رو سے کافی امن ہو گیا تھا۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے مسلمان اور کفار مکہ کا میل جول شروع ہو گیا مہینوں ایک دوسرے

کے پاس ٹھہرنے اور تبادلہ خیالات میں اسلام کا تذکرہ ہوتا۔ مسلمانوں کا حسن اخلاق کفار
کو متاثر کرتا اور سچا اسلام انکے دلوں کو نرم کر دیتی۔ اور وہ اسلام کی خوبیوں کی طرف
مائل ہو جاتے۔ چنانچہ اس زمانے میں بہت زیادہ لوگ مسلمان ہوئے۔ خالد رضی بن ولید
اور عمرو بن عاص رض جیسے بہادر اشخاص اسی زمانے میں اسلام لائے۔

فتح مکہ (۸ھ) کے دن جب آنحضرت ﷺ نے کفار کو عام معافی دے دی
تو وہ بہت متاثر ہوئے چنانچہ اسی دن قریش کی اکثریت نے اسلام قبول کیا
قریش مکہ کا اسلام لانا تھا کہ قبائل عرب نے ان کی پیروی شروع کی اور وفود
کی شکل میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔

عرب سے باہر آنحضرت ﷺ نے مختلف بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط
بھیجے۔ قیصر روم ہرقل کے پاس حضرت دحیہ کلبی رض خط لے کر گئے۔ ہرقل خود
تو اسلام کی حقیقت پا گیا لیکن اپنے لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے اسلام قبول نہ کیا۔

ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے پاس حضرت عبداللہ بن حذافہ خط لے
کر گئے۔ اس نے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور حاکم یمن کو کہا کہ (نبی کو) گرفتار
کر کے میرے پاس بھیجو۔ حاکم یمن نے دو آدمی بھیجے۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو اسی
رات خسرو پرویز کا بیٹا اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا۔ آنحضرت ﷺ
کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا۔ آپ نے یمن کے ایلچیوں کو کہا کہ خسرو پرویز
قتل ہو چکا ہے۔ اور اس کی حکومت بہت جلد ختم ہو جائے گی۔

نجاشی شاہ حبشہ کے پاس حضرت عمرو بن امیہ ضمری خط لے کر گئے۔ ان کو
خط دیے گئے۔ نجاشی شاہ حبشہ نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی۔
چنانچہ جب نجاشی فوت ہوا تو آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں اس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔
مصر کے حاکم مقوقس کے پاس حضرت حاطب بن ابی بلتعہ خط لے کر گئے۔

مسلمان تو نہ ہوا۔ لیکن ایک سفید خچر جس کا نام دلدل تھا۔ اور دو عورتیں (جو مسلمان ہو چکی تھیں) آنحضرتؐ کو تحفتہ بھیجیں۔ ان عورتوں میں سے ایک حضرت ماریہؓ قبطیہ تھیں جن سے آپ نے نکاح کیا اور ان سے آنحضرتؐ کے بیٹے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔

اسی طرح اور کئی سرداروں اور حاکموں کے پاس خطوط بھیجے گئے جن میں سے بعض اسلام لائے اور بعض کے ملکوں میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔

غزوات نبوی پہ تبصرہ

عہد رسالت میں جنگیں مندرجہ ذیل اغراض کے لئے لڑی گئیں۔

تعاقب دشمن ہجرت مدینہ کے بعد قریش مکہ نے مسلمانوں کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا کیونکہ اسلام کے فروغ کیا تھا ان کے آبائی مذہب کو نقصان پہنچتا تھا اور ان کی توہین ہوتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے تمام عربی قبائل کو بھی اسلام کے خلاف بھڑکایا تاکہ اسکٹھے مل کر مدینہ پر حملہ کیا جائے۔ قریش نے مدینہ کے رئیس عبداللہ بن ابی کو بھی پیغام بھیجا کہ محمدؐ کو مدینے سے نکال دو۔ ورنہ ہم خود وہاں پہنچکر تمہارا اور اس کا فیصلہ کر دیں گے۔ دشمنوں سے خطرہ اس حد تک ہو گیا تھا کہ مدینے کے مسلمان راتوں کو ہتھیار ساتھ باندھ کر سوتے تھے۔ ان حالات کی وجہ سے بہت ضروری تھا کہ حفاظتی تدابیر اختیار کی جائیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے محکمہ تفتیش قائم کیا اور مختلف مقامات کی طرف دس دس بارہ بارہ آدمیوں کے دستے خبر رسانی کے لئے بھیجنے شروع کئے۔ یہ دستے اپنی حفاظت کے لئے مسلح ہو کر نکلتے اور ان کا مقصد قافلے لوٹنا یا بے خبری میں کسی جماعت پر حملہ کرنا قطعاً نہ تھا کیونکہ اتنی قلیل تعداد ایسا کرنے کے لئے نہیں بھیجی جاتی۔ سنہ ۲ھ میں آنحضرتؐ

نے حضرت عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیوں کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ
کیا اور ایک بند خط ساتھ دیا کہ اسے دو دن کی مسافت کے بعد کھولا جائے
چنانچہ جب دو دن کے سفر کے بعد خط کھولا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ چلتے
جاؤ حتیٰ کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں ٹھہر جاؤ اور قریش کی نقل و حرکت سے آگاہ کرو

مدافعت

محکمہ تفتیش قائم ہونے کے بعد جب کوئی دشمن مدینہ پر حملہ
کرنے کا ارادہ کرتا تو مسلمانوں کو خبر ہو جاتی چنانچہ مدافعت
کی غرض سے پیش قدمی کر کے فوجیں روانہ کر دی جاتیں۔ مثال کے طور پر غزوہ
بدر کے موقع پر آنحضرت ﷺ کو جیسے ہی خبر ملی کہ کفار مکہ ایک ہزار سے زائد
مسلح فوج لے کر مدینہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے
صحابہؓ سے مشورہ کر کے انتہائی جاں نثاری کا عہد لے کر مدافعت کی غرض
سے ۳۱۳ آدمیوں کی قلیل تعداد کے ساتھ فوراً پیش قدمی کی تاکہ بدر مقام پر
پہلے قبضہ جما کر دشمن کے حملہ کو روکا جاسکے۔

غزوۂ احد میں قریش مکہ بدر کے مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے بڑے
پیمانے پر تیاری کر کے آئے۔ مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ
نے مکہ سے پہلے ہی خبر دے دی تھی۔ چنانچہ مدافعت کے لئے پہلے تو
مسلمان مدینہ سے باہر نکلے اور احد کے مقام پر صف آرا ہو گئے۔ یہ
جنگ بھی محض مدافعانہ تھی کیونکہ مسلمان قلیل تعداد کی وجہ سے جنگ کرنے کے قائل نہ تھے

غزوۂ احزاب (خندق) میں بھی کفار کے بہت سے گروہ مل کر مدینہ
پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اور چونکہ اس دفعہ زیادہ لشکر اور سازوسامان
کے ساتھ آئے تھے۔ اس لئے مسلمانوں نے پہلے خبر پا کر مشورہ کیا۔ اور
حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر مدینہ کے گرد خندق کھود دی گئی تاکہ بچاؤ ہوسکے

کی بجائے محفوظ مورچہ میں بیٹھ کر مدینہ کی حفاظت کی جائے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ جنگ بھی محض مدافعانہ تھی۔ ورنہ مسلمان باہر نکل کر میدان میں لڑتے۔

تحفظ امن عرب بھر میں قبائلی خانہ جنگی عام تھی۔ جس کی وجہ سے تجارتی قافلے اور دوسرے مسافر غیر محفوظ تھے۔ آنحضرت کا دنیا میں امن و امان قائم کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے چنانچہ اس سلسلے میں بھی آپ کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔

ایک دفعہ ۵ھ میں آپ کو اطلاع ملی کہ مقام دومۃ الجندل میں ایک گروہ جمع ہے جو تاجروں کو تنگ کرتا ہے چنانچہ آپؐ خود فوج لے کر وہاں پہنچے۔ گروہ بھاگ چکا تھا۔ لیکن آپ نے وہاں چند روز قیام کیا اور اِدھر اُدھر تحفظ امن کے لئے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ کئے۔

ایک دفعہ ۶ھ میں حضرت زیدؓ تجارت کے لئے ملک شام گئے واپسی پر وادی قریٰ کے پاس بنو فزارہ کے لوگوں نے انہیں مارا اور سارا مال لوٹ لیا۔ آنحضرتؐ نے ایک فوجی دستہ بھیج کر بنو فزارہ کو سزا دی۔

۸ھ میں ایک دفعہ قریش کا تجارتی قافلہ شام سے واپس آرہا تھا۔ راستے میں قبیلہ جہینہ کے لوگوں سے خوف تھا کہ وہ انہیں لوٹ نہ لیں۔ آنحضرتؐ کو اطلاع ملی۔ آپ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کی قیادت میں تین سو مسلمانوں کا فوجی دستہ روانہ کیا۔ اس دستہ میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ مسلمانوں کی حفاظت میں قریش کا قافلہ سلامتی کیساتھ مکہ پہنچ گیا۔ مسلمانوں کو اس فرض کی ادائیگی میں ناقابل برداشت کرنی پڑی بعض لوگ

اس واقعہ کو بھی لوٹنے کی غرض سمجھتے ہیں۔ جو صریحاً غلطی ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ صلح حدیبیہ کا تھا۔ جس میں کفارِ مکہ سے معاہدہ ہو چکا تھا۔
اسی طرح اور بھی کئی واقعات ہیں جن میں محض امن کی خاطر فوج کشی کی گئی۔

اشاعتِ دین تبلیغ دین کی غرض سے بھی بہت سے فوجی دستے باہر بھیجے جاتے تھے۔ ان دستوں کو حکم ہوتا کہ صرف اشاعت دین کریں لڑائی کی اجازت نہیں مگر یہ کہ تم پر کوئی دشمن حملہ کرے تو اپنی حفاظت کریں صفر ۸ھ میں ستر مسلمانوں کی ایک جماعت قبیلہ کلاب کی طرف ان کے اپنے رئیس کی دعوت پر بھیجی گئی۔ راستے میں مقام بیر معونہ کے قریب چند دوسرے قبائل نے حملہ کر دیا۔ اور ۶۹ مسلمان شہید ہو گئے ایک جو بچ گیا اس نے مدینے آ کر اطلاع دی۔
انہی دنوں قبیلہ عضل و قارہ کی طرف بھی دس صحابہ تبلیغ دین کی غرض سے بھیجے گئے۔ راستے میں مقام رجیع پر بنو لحیان نے ان پر حملہ کر دیا اور نو مسلمان شہید کر دیئے۔
اسی طرح ۷ھ میں پچاس مسلمانوں کی ایک جماعت قبیلہ بنو سلیم کی طرف روانہ ہوئی۔ وہاں پہنچے تو بنو سلیم کے لوگوں نے حملہ کر دیا۔ لیکن مسلمان بہت تھوڑے تھے۔ اس لئے سخت نقصان ہوا۔ اور سوائے امیر فوج ابن ابی العوجاء کے سب شہید ہو گئے۔
فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف ۳۰۰ آدمیوں کی جماعت دے کر اشاعت دین کیلئے بھیجا۔ اور لڑائی وغیرہ سے منع فرمایا۔ لیکن حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچ کر تلوار استعمال کی۔
آنحضرتؐ کو سخت صدمہ ہوا اور کہا "اے اللہ! خالدؓ نے جو کیا ہے۔

"بہا امور سے بری ہوں۔" پھر آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھیج کر ایک ایک آدمی کا خون بہا ادا کیا۔ یہاں تک کہ کتوں کی بھی رقم ادا کی گئی۔
اسی طرح اور بھی کئی دستے مختلف اطراف میں بھیجے گئے جن کا مقصد محض اشاعت دین تھا۔

سوالات

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی سے بعثت تک کے حالات مختصراً بیان کرو۔

۲۔ مندرجہ ذیل پر مختصراً نوٹ لکھو :۔
(ا) حضرت خدیجہؓ (ب) تجدید کعبہ (ج) پہلے مسلمان (د) حضرت حمزہؓ (ہ) ہجرت حبشہ (و) طائف کا سفر (ز) بیعت عقبہ ثانیہ (ح) خالدؓ بن ولید (ط) غزوہ اُحد (ی) میثاق مدینہ

۳۔ ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو کن کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا؟

۴۔ ہجرت مدینہ کے اسباب واقعات اور نتائج بیان کرو۔

۵۔ غزوہ بدر کے اسباب، واقعات اور نتائج لکھو۔

۶۔ غزوہ احزاب کے اسباب، واقعات اور نتائج بیان کرو۔

۷۔ صلح حدیبیہ کے اسباب۔ واقعات اور نتائج لکھو۔

۸۔ حجۃ الوداع کی تفصیلات لکھو کہ اس سے کون سے مذہبی اور اخلاقی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

خلافت راشدہ

۱۱ھ سے ۴۰ھ

مفہوم

خلافت: کسی کی جگہ پر بیٹھنا، مراد جانشینی۔ خلافت راشدہ سے مراد وہ خلفاء اربعہ (چار خلیفے) ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں پر حکومت کی۔ خلیفہ، امام، یا امیر یا سلطان ایک ہی مفہوم ادا کرتے ہیں۔

لیکن اصولی اور بنیادی بات یہ ہے، کہ صحیح اسلامی ریاست نظریۂ خلافت پر قائم کی گئی ہو، اور اس میں خدا کی حاکمیت تسلیم کی گئی ہو، خدا اور اس کے رسول کی شریعت قانونِ برتر کی حیثیت رکھے، تمام کاموں میں حدود اللہ سے تجاوز نہ ہو، اقتدار کی اصل غرض خدا کے احکام کا اِجرا۔ اور اللہ کی منشاء کے مطابق برائیوں کا استیصال ہو۔ یہ ہے خلافت کا صحیح مفہوم۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

عہد خلافت ۱۱ تا ۱۳ھ

نام و نسب

اسلام لانے سے پہلے آپ کا نام عبدالکعبہ تھا۔ آنحضرتؐ نے بدل کر عبداللہ کر دیا۔ آپ کی کنیت (خاندانی نام) ابوبکر تھی۔ اور اسی نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔ صدیق آپ کا لقب تھا۔ جو آں حضرتؐ نے آپ کو عطا کیا تھا۔ آپ کے والد کا نام ابو قحافہ عثمان بن عامر تھا۔ جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ والدہ کا نام سلمیٰؓ ام الخیر تھا۔ جو ہجرت سے پہلے اس وقت مسلمان ہو چکی تھیں جب ابھی مسلمان قلیل تعداد میں تھے۔ چھٹی یا ساتویں پشت میں آپ کا نسب آں حضرتؐ کے نسب سے مل جاتا ہے۔

قبل از اسلام زندگی

حضرت ابوبکرؓ آں حضرتؐ سے اڑھائی سال بعد پیدا ہوئے بچپن ہی میں آپ عمدہ اخلاق کے حامل تھے۔ اور چھوٹی عمر ہی سے آں حضرتؐ سے محبت اور انس تھا جوان ہوئے تو تجارت کرنے لگے۔ اور اپنی سمجھ اور دیانت کی بنا پر بہت زیادہ مشہور و معروف ہو گئے۔ اکثر لوگ امانتیں آپ کے پاس رکھا کرتے تھے آپ شراب اور قمار بازی سے سخت نفرت کرتے تھے۔

قبول اسلام

اللہ تعالیٰ نے جب آں حضرتؐ کو نبوت سے سرفراز کیا تو آپ نے قریب ترین عزیزوں اور دوستوں میں اس کا ذکر کیا حضرت ابوبکرؓ نے بلا تامل آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی حیثیت بالغ مردوں میں سے آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا حضرت ابوبکرؓ کو

چونکہ بچپن سے آں حضرتؐ سے پیار، محبت اور دلی لگاؤ تھا۔ اس لئے مسلمان ہوتے ہی اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا انہوں نے مال و دولت کی پرواہ نہ کی اپنا سب کچھ اشاعت اسلام میں خرچ کر ڈالا بلکہ ان کی ذات کی وجہ سے ان کے بہت سے احباب بھی اسلام لے آئے جن میں حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعدؓ بن وقاص، حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت بلالؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں چنانچہ ایسے لوگوں کے اسلام لانے سے دین اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ آں حضرتؐ کے جانثار دوست تھے ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے اور اگر کوئی دشمن آپ سے سختی کرتا تو اُسے ڈانٹتے یا مار کر بھگا دیتے۔ کچھ عرصہ بعد کفار مکہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھی سختیاں کرنے لگے۔ ہجرت حبشہ سے پہلے ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ کو کفار نے بہت تنگ کیا آپ نے آں حضرتؐ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ جانے کی اجازت لے لی اور روانہ ہوئے۔ لیکن راستہ ہی سے واپس مکہ لوٹ آئے۔ اور ڈٹ کر کفار کی سختیوں کا مقابلہ کرنے لگے۔

ہجرت مدینہ کے وقت حضرت ابوبکرؓ آں حضرتؐ کے ساتھ تھے تین دن غار ثور میں آپؐ کے ساتھ رہے اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں چوتھے روز مدینہ کی طرف آگے بڑھے۔ مدینہ میں لوگوں نے دونوں بزرگوں کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ وہاں پہنچتے ہی حضرت ابوبکرؓ سخت بیمار ہو گئے۔ شاید دوسری جگہ کی آب و ہوا آپ کو موافق نہ آئی۔ حالت تشویشناک ہو گئی چنانچہ آں حضرتؐ نے صحت یابی کے لئے دعا کی۔ بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا شرف حاصل ہوا۔ اور حضرت ابوبکرؓ چند یوم میں بالکل ٹھیک ہو گئے۔

ہجرت کے بعد سلسلۂ غزوات شروع ہو گیا۔ اور فتح مکہ تک خوں ریزی خوب گرم رہی۔ ہر لڑائی میں حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ آپ کی تدابیر اور مشورے نہایت کارآمد ثابت ہوتے تھے۔ غزوہ بدر میں آنحضرتؐ کفار کی کثرت سے قدرے غمزدہ تھے۔ اور نہایت رقت اور خشوع کی حالت میں دعائیں مانگ رہے تھے۔ اس وقت آپ کے غمگسار اور ہمدرد دوست حضرت ابوبکرؓ ہی آپ کو تسلی دیتے اور یقین دلاتے کہ اللہ تعالیٰ ضرور مسلمانوں کی مدد کرے گا۔ اسی طرح دوسری جنگوں میں بھی آپ آنحضرتؐ کے شانہ بشانہ خدمت کرتے رہے۔ بعض چھوٹی جنگوں میں حضرت ابوبکرؓ سپہ سالار کی حیثیت سے مقرر ہوئے اور کامیابی کے ساتھ یہ خدمت سرانجام دی۔ جنگ خیبر میں پہلے حضرت ابوبکرؓ ہی سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے۔ بعد میں حضرت علیؓ بھیجے گئے اور انہی کے ہاتھوں فتح ہوئی۔ جنگ حنین میں جب مسلمان دشمن کی تاب نہ لا کر بھاگنے لگے تو حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے ساتھ برابر ثابت قدم رہے۔ حتیٰ کہ ان کی ثابت قدمی دیکھ کر آہستہ آہستہ تمام مسلمان واپس لوٹ آئے۔ اور دوبارہ جمعیت کے ساتھ حملہ کیا اور فتح حاصل کی۔

۹ھ میں آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر روانہ کیا۔ آپ نے ہدایت کے مطابق لوگوں کو مناسک حج سکھائے، مشرکوں اور برہنہ لوگوں کو حج کرنے سے منع کیا۔ اور نہایت خوش اسلوبی سے فریضۂ حج ادا کر کے واپس آئے۔

۱۰ھ میں رسول اللہؐ حجۃ الوداع کے لئے مکہ تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے۔ واپسی پر آنحضرتؐ بیمار ہو گئے۔ مرض بڑھتا گیا۔ آں حضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو مسجد نبوی میں امامت کے لئے

مقرر فرما دیا۔ ایک روز جب آپؐ کی طبیعت قدرے سنبھلی تو اٹھ کر آہستہ آہستہ مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے تھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آپؓ پیچھے ہٹنے لگے، لیکن آں حضرتؐ نے انہیں روکا اور خود ان کے پیچھے نماز ادا کی۔

آنحضرتؐ کا مرض زیادہ بڑھتا گیا۔ آخر ۱۲۔ ربیع الاول دوشنبہ (سوموار) کے روز آں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت مقام سنح (مدینہ سے باہر ایک بستی) میں اپنی زوجہ حضرت خارجہ بنت زبیرؓ کے پاس گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو مسجد کے دروازہ پہ لوگوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ اور حضرت عمرؓ پر عجیب حالت طاری تھی۔ وہ جوش اضطراب میں لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلعم فوت ہو گئے ہیں۔ تو میں قتل کر دوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ سیدھے مکان پر پہنچے۔ رسول اللہ صلعم کو دیکھا اور واپس باہر تشریف لا کر حضرت عمرؓ کو روکا لیکن وہ اپنی دھن میں لگے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ علیحدہ کھڑے ہو گئے۔ اور کہا کہ "اے لوگو! اگر تم محمدؐ کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اور اگر تم خدا کو پوجتے تھے تو بے شک وہ زندہ ہے۔ اور کبھی نہیں مرے گا" آپ نے مزید فرمایا۔ "محمدؐ صرف ایک رسول ہیں۔ جن سے پہلے بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ (قرآن) چنانچہ لوگ مطمئن ہو گئے حضرت عمرؓ کو بھی آپؐ کی وفات کا یقین ہو گیا۔ اور وہ شدت غم سے نیچے گر پڑے۔

سقیفہ بنی ساعدہ

رسول اللہ صلعم کی وفات کی خبر مشہور ہوتے ہی انصار مدینہ کے رؤساء سقیفہ بنی ساعدہ میں

جمع ہوئے سقیفۂ بنی ساعدہ سائبان جیسی ایک جگہ تھی۔ جو خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہؓ کے مکان کے متصل بنی ہوئی تھی۔ انصار نے فیصلہ کیا کہ رسول اللہ صلعم کا خلیفہ ہم میں سے ہو۔ کیونکہ اسلام کے لئے ہماری خدمات بے شمار ہیں۔ اس لئے خلافت کا حق ہمارا ہے۔ اور اگر مہاجرین نے یہ بات نہ مانی تو پھر ایک امیر ہمارا ہوگا اور ایک مہاجرین میں سے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بروقت پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بڑے تحمل اور بردباری سے تقریر کی اور انصار کی خدمات اور فضائل کی تعریف کی اور فرمایا کہ صورت حال یہ ہے کہ تمام عرب قریش کے سوا کسی کو امام تسلیم نہیں کرتا خود انصار میں دو قبائل اوس اور خزرج ایک دوسرے کی امارت قبول نہیں کر پا گے۔ اس کے علاوہ مہاجرین اولین مسلمان ہیں اور رسول اللہ صلعم سے خاندانی تعلقات رکھتے ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ خلیفہ رسولؐ مہاجرین میں سے ہو اور کہا کہ یہ حضرت عمرؓ ابو عبیدہ بن الجراحؓ کھڑے ہیں۔ ان میں سے کسی کو اپنا امیر چن لو۔ حضرت عمرؓ نے معاملہ سنبھلتے دیکھا اور جلدی سے بڑھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور کہا کہ آپ ہی ہم سب میں بزرگ ہیں۔ اور رسول اللہ صلعم کو بہت عزیز تھے۔ دوسرے لوگ بھی بڑھ کر بیعت کرنے لگے۔ اور آہستہ آہستہ تمام لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ اول تسلیم کر لیا۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی فہم و فراست سے ایک بہت بڑا شور و غل ختم ہو گیا۔ اور ایک خطرہ جو نظر آ رہا تھا۔ صاف ٹل گیا۔ حضرت علیؓ نے تقریباً چھ ماہ بعد بیعت کی جس کی وجہ آگے ان کے اپنے حالات زندگی میں آئے گی۔

زمانۂ خلافت

دوسرے روز خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسجد میں تقریر کرتے ہوئے واضح الفاظ میں فرمادیا کہ :-

"اے لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم میں سے سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر برائی کروں تو میری اصلاح کرنا، سچائی، امانت ہے۔ اور جھوٹ خیانت ہے۔ انشاء اللہ تمہارا کمزور فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کا حق دِلا دوں۔ اور انشاء اللہ قوی فرد بھی میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اُس سے دوسروں کا حق دلا دوں۔ جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد چھوڑ دیتی ہے۔ اللہ اُس کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اُس کو مصیبتوں میں پھنسا دیتا ہے۔ میں اللہ اور اس کے رسول صلعم کی اطاعت کروں۔ تو میری اطاعت کرنا اور اگر اللہ اور اُس کے رسول صلعم کی نافرمانی کروں تو تم بھی میری اطاعت نہ کرنا۔"

مشکلات

حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ خلیفہ بنے تو بہت سی مشکلات و مہمات امتحان کی صورت میں در پیش تھیں۔ خلیفہ اوّل نے ایک ایک کر کے اس طرح مشکلات کو دُور کیا کہ پھر کبھی ایسی بدامنی اور پریشانی پیدا نہیں ہوئی۔ اور یہ حقیقتاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ

کارنامہ تھا جو تاریخ اسلام میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کے سامنے مندرجہ ذیل مہمات تھیں:-

۱۔ آنحضور صلعم کی زندگی کے آخری زمانہ میں ہی بعض جھوٹے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا جو وقتی طور پر تو دب گئے۔ لیکن آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد فوراً زور پکڑا اور بدامنی سی پھیلا دی۔

۲۔ بعض منافقین اور ضعیف الاعتقاد لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے

۳۔ کچھ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے منکر ہو گئے تھے اور انہوں نے علیحدہ فساد برپا کر رکھا تھا۔

۴۔ آنحضرت صلعم نے اپنی زندگی میں ہی جنگ موتہ کے شہداء کے انتقام کے لئے ایک مہم تیار کر رکھی تھی جس کے سپہ سالار حضرت اسامہ بن زیدؓ مقرر فرما دیے تھے۔ لیکن یہ لشکر ابھی روانہ نہ ہوا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے حضرت ابوبکرؓ کے ذمے یہ کام بھی تھا۔

لشکر اسامہ بن زیدؓ

اگرچہ ہر طرف مشکلات اور خطرات نظر آرہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے اس کام کرنے کا فیصلہ کیا جو آنحضرت صلعم کا آخری کام تھا۔ اور پایہ تکمیل تک پہنچنے سے رہ گیا تھا۔ اس کام کو آپ نے اتنی اہمیت دی کہ باوجودیکہ دوسرے صحابہ کرامؓ نے مخالفت کی اور کہا کہ ہر طرف مخالفت پھیلی ہوئی ہے۔ فوج کو باہر نہیں بھیجنا چاہیے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک نہ سنی اور کہا کہ رسول اللہ صلعم کا شروع کیا ہوا کام میں ہرگز نہیں روک سکتا۔ اس میں ضرور کوئی مصلحت ہی ہوگی۔ اسامہ حضرت زید بن حارثہؓ کے فرزند تھے

جو آنحضرت صلعم کے غلام تھے۔ اسامہؓ کی عمر اُس وقت سترہ برس کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض کیا کہ اگر یہ مہم بھیجنی ہی ہے تو کم از کم کسی بڑی عمر کے مرد کو سپہ سالار بنا دیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو بڑی سختی سے جواب دیا کہ کیا میں آنحضرت صلعم کے مقرر کردہ سردار کو ہٹا کر خود اپنی یا تمہاری سمجھ سے نیا سردار مقرر کر دوں؟

پھر حضرت ابو بکرؓ لشکر کو روانہ کرنے کی غرض سے نکلے۔ حضرت اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے۔ اور حضرت ابو بکرؓ پیدل چل رہے تھے۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا۔ "یا حضرت! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا میں بھی نیچے اتر آتا ہوں۔ یہ میرے لئے مناسب نہیں کہ خود سوار ہوں اور آپ پیدل چل رہے ہوں۔" حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ "کوئی حرج نہیں، تم سوار ہی رہو اور مجھے پیدل چلنے دو۔ میرے لئے یہ سعادت ہے کہ میں اس لشکر کے ساتھ پیدل چل رہا ہوں۔" اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے لشکر روانہ کیا اور مندرجہ ذیل ہدایات فرمائیں۔

"خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، بے وفائی نہ کرنا، کسی کے اعضاء ناک کان وغیرہ نہ کاٹنا۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، پھلدار درختوں کو مت کاٹنا، کھانے کے علاوہ کسی غرض سے جانوروں کو ذبح نہ کرنا، تارک الدنیا جو خانقاہوں میں بیٹھے ہوں انہیں اپنی حالت پر رہنے دینا، جب لوگ طرح طرح کے کھانے تمہارے سامنے لا کر رکھیں تو اللہ کا نام لے کر شروع کرنا۔ کچھ لوگ ایسے بھی ملیں گے۔ جن کے سروں پر شیطان سوار ہو گا۔ انہیں ختم کر دینا۔"

چنانچہ ۱ ربیع الثانی سنہ ۱۱ ھ کو یہ لشکر مدینہ سے روانہ ہو گیا۔ چالیس

روز کے بعد فتح و کامرانی کے ساتھ یہ لوگ واپس مدینہ پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے اس لشکر کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ غیر مسلموں کو معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں میں اتنی طاقت ہے کہ جیسا اپولو جیسی طاقتور قوم کو مغلوب کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے قبائل اس فتح کے بعد سہم گئے۔ جو لوگ اس لشکر کو بھیجنے میں تامل کر رہے تھے انہیں معلوم ہو گیا کہ حضرت ابو بکرؓ کی فراست قدر بہتر نتائج کی حامل تھی۔

فتنۂ ارتداد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی بعض جھوٹے لوگوں نے شرارتیں شروع کر دیں اور کئی لوگ ان کے پیچھے لگ کر مرتد (اسلام سے پھر جانے والے) ہو گئے۔ بنو اسد کے سردار طلیحہ، بنو تمیم کی ایک عورت سجاح بنت حارث، قبیلہ یمامہ کا سردار مسیلمہ کذاب اور یمن کے قبیلہ مذحجان کا سردار اسود عنسی وغیرہ لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اسود عنسی تو رسول اللہ صلعم کی زندگی میں ہی قتل کر دیا گیا اور باقی مدعیانِ نبوت نبوت کا دعویٰ کرنے والے) بھی کسی نہ کسی حد تک اسلام کی طاقت سے دبے رہے۔

مدعیانِ نبوت کا خاتمہ

آنحضور صلعم کی وفات کے بعد مدعیانِ نبوت نے پھر زور پکڑا اور بہت سے منافقین اور ضعیف الاعتقاد لوگ ان کے پیچھے ہو گئے۔ یہ فتنہ ارتداد (ترک اسلام) ایک بہت بڑی شورش اور بغاوت کی شکل میں پیدا ہوا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے اس طرف سب سے زیادہ توجہ دی۔ آپ نے ان لوگوں سے جہاد کا فیصلہ کر لیا اور سب سے پہلے زور توڑ

سے کہ اُن لوگوں کی سرکوبی کے لیے نکلے ۔ مقام ابرق میں بنو عبس کو شکست دی اور انہیں وہاں سے بھگا دیا ۔ اس کے بعد مقام ذوالقصہ (مدینہ سے بارہ میل نجد کی طرف) میں پہنچ کر قیام کیا اور گیارہ سپہ سالار مقرر فرمائے ۔ تاکہ انہیں مختلف مقامات میں مرتدین کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا جائے ۔ آپ نے سب سرداروں کو ایک عام حکم نامہ دے دیا جس میں مرتدین کے لئے اعلان تھا ۔ کہ اگر وہ اپنی غلطی اور نادانی سے باز آجائیں اور نشانی کے طور پر یہ کریں کہ جب اسلامی فوج اُن تک پہنچے تو اپنی بستی یا قبیلہ میں اذان دیں ۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ مسلمان ہیں ورنہ اگر وہ شیطان کے فریب میں پھنسے رہیں اور راہِ راست پر نہ آئیں تو اُن کے اُوپر تلوار چلائی جائے چنانچہ مناسب ہدایات کے ساتھ مندرجہ ذیل مدعیان نبوت کی طرف مختلف فوجی دستے روانہ کئے گئے ۔

طُلَیحہ بن خُوَیلد :-

رسول اللہ صلعم کی وفات کے فوراً بعد بنو اسد کے سردار طُلَیحہ بن خویلد نے موقع دیکھتے ہوئے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا ۔ قرب و جوار کے قبائل مثلاً بنی بطے اور بنی غطفان بھی اس کے ساتھ مل گئے ۔ اور اس طرح اس نے خاصہ زور پکڑ لیا ۔ حضرت ابو بکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو فوجی دستہ دے کر اس جھوٹے نبی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا ۔ اُدھر حضرت عدیؓ بن حاتم جو مدینہ میں مقیم تھے حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے اور اجازت لے کر اپنے قبیلے بنی بطے میں پہنچے اور لوگوں کو سمجھایا کہ اس فتنہ سے باز آئیں طُلَیحہ چونکہ اب تک بنی بطے کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر مقام بزاخہ میں پہنچ چکا تھا

حضرت خالدؓ بھی فوج کے ساتھ بنی طے کے پاس پہنچ گئے حضرت عدیؓ نے حضرت خالدؓ سے کہا کہ آپ چند روز ٹھہر جائیں۔ میں نے ان لوگوں کو سمجھایا ہے اور انہوں نے بات مان لی ہے۔ چنانچہ قبیلہ طے کے لوگ اپنے باقی بھائیوں کو جو بزاخہ چلے گئے تھے واپس لے آئے اور تجدید اسلام (دوبارہ اسلام لانا) کر لیا اسی طرح حضرت عدیؓ نے قبیلہ جدیلہ کو دوبارہ مسلمان کر لیا۔ ان دونوں قبائل کے تقریباً ایک ہزار لوگ حضرت خالدؓ کی فوج میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ بھاری فوج کے ساتھ بزاخہ کی طرف بڑھے اور طلیحہ کو شکست فاش دی طلیحہ ملک شام بھاگ گیا۔ لیکن کچھ عرصے بعد خود ہی شرمندہ ہو کر مدینہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بنو اسد کے تمام لوگ پھر اسلام لے آئے اور ان کے قرب و جوار کے لوگ جو مرتد ہو گئے تھے حلقہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

سجاح بنت حارث:۔

بنو تمیم کی ایک عورت سجاح بنت حارث تھی۔ جو نبوت کا دعویٰ کر بیٹھی تھی۔ اپنے قبیلہ کے ایک شخص مالک بن نویرہ کی مدد سے بنی تغلب کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور بنو تمیم کے ان لوگوں سے جنگ شروع کر دی جو اس کی نبوت کے قائل نہ تھے۔ لیکن جب نتیجہ کچھ نہ نکلا تو خود بھاگ کر یمامہ کی طرف چلی گئی اور وہاں ایک شخص مسیلمہ کذاب سے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوا تھا شادی کر لی۔ اس وقت تک حضرت خالدؓ بنو تمیم میں پہنچ چکے تھے۔ بنو تمیم کے لوگ اپنی نادانی پر نادم ہوئے اور دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کی تلاش شروع کر دی۔ بالآخر وہ پکڑا گیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

مالک بن نویرہ کے قتل کی خبر جب مدینہ پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو اُس وقت قتل کیا تھا جب کہ اُس نے اذان دیدی تھی اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ بعد میں حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کی بیوی سے نکاح بھی کر لیا۔ جواب طلبی پر حضرت خالدؓ نے کہا کہ مالک بن نویرہ نے قتل کے ڈر سے اذان دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ حضرت خالدؓ کو گرفتار کر لیا جائے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ خالد سے غلطی ہو گئی ہے۔ لہٰذا اُس کا خون بہا ادا کیا جائے۔ چنانچہ مالک بن نویرہ کا خون بہا ادا کر دیا گیا۔

اس کے بعد بنو تمیم کے سب لوگ اسلام لے آئے اور اُن کے ساتھی اور حلیف (ہم عہد) لوگ بھی تجدید اسلام کرنے لگے۔

مسیلمہ کذّاب :-

مسیلمہ کذّاب بنو حنیفہ کا سردار تھا۔ یہ قبیلہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ آپ کی بیماری کے دنوں میں مسیلمہ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور آپؐ کی وفات کے فوراً بعد یہ بھی مشہور کر دیا کہ آنحضرت صلعم نے مجھے اپنا شریکِ نبوت بنا لیا تھا۔ اس لئے نصف عرب کا امام میں ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلے حضرت عکرمہؓ اور پھر حضرت شرجیلؓ کو فوجی دستے دے کر مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار کی فوج تھی۔ اس لئے مسلمانوں کے یہ دونوں دستے ناکام رہے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ کو فوج دے کر بھیجا گیا۔ خالدؓ پہنچے تو بڑی خونریز جنگ ہوئی لیکن حضرت خالدؓ کے سامنے مرتدین ٹھہر نہ سکے۔ مسیلمہ کذاب کو وحشی نامی

غلام (حضرت حمزہؓ کا قاتل) نے حربہ (چھوٹا نیزہ) پھینک کر گرا دیا اور ایک دوسرے مسلمان نے بڑھ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اسی لڑائی میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے۔

بنو حنیفہ بھاگ کر قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ باقی نہ جب بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو حضرت خالدؓ نے ان شرائط پر صلح کر لی کہ انہیں قتل نہ کیا جائے اور جو جنگی ہتھیار ان کے قبضے میں ہیں لے لئے جائیں اور ایک چہارم جنگی قیدی رکھ کر باقی چھوڑ دیئے جائیں۔ صلح کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے ایک حکم نامہ حضرت خالدؓ کو ملا کہ بنو حنیفہ کے لڑنے والوں کو قتل کر دیا جائے لیکن حضرت خالدؓ چونکہ پہلے ہی صلح کر چکے تھے۔ اس لئے اپنے عہد پر قائم رہے۔ اس کے بعد بنو حنیفہ راہ راست پر آ گئے اور تجدید اسلام کر لیا۔

اسود عنسی :-

یمن میں قحطانی لوگ آباد تھے۔ انہی لوگوں کے ایک قبیلہ عنسی کے سردار اسود نے آنحضور صلعم کی زندگی میں (وفات سے تھوڑا پہلے) ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا اور آس پاس کے دیہاتیوں کو پیچھے لگا لیا۔ اسود نے چند ایک قبائل کو بھی شکست دے کر اور زیادہ شہرت حاصل کر لی تھی۔

آنحضرت صلعم نے یمن کے لوگوں کو خط لکھا کہ دین اسلام کو مت چھوڑیں اسود جھوٹا ہے۔ اس لئے اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک شخص فیروزؓ نے رات کے وقت اسود کو قتل کر دیا۔ صبح اس کے مکان پر کھڑے ہو کر اذان دے دی۔ اس طرح یمن کا علاقہ اس فتنے سے بچ گیا۔ اور لوگوں نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی اطلاع کے لئے قاصد مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جس صبح یہ قاصد مدینہ پہنچا اُسی شام کو آنحضرت صلعم نے وفات پائی۔

آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی خبر سنتے ہی اسود کے بعض حامیوں نے پھر بغاوت کا شوشہ چھیڑنا چاہا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فوراً فوجی دستے بھیج کر اس شورش کا قلع قمع کر دیا اور صنعاء پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ صنعاء کے بعد مسلمان فوج حضرموت کے علاقہ کی طرف بھی گئی اور وہاں کے مرتدین کا خاتمہ کیا۔ حضرموت میں حضرت عکرمہؓ بھی مدینہ سے مزید فوج لے کر پہنچ گئے۔ اس لئے بڑی سختی کے ساتھ مرتدین کا سر دبا دیا گیا۔

مرتدین کی سرکوبی

آنحضور صلعم کی وفات کے بعد کئی علاقوں میں لوگ دین اسلام سے پھر گئے۔ ان مرتدین نے اپنے اپنے علاقے میں بغاوت اور شورش برپا کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے بھی فوجی دستے بھیجے اور ان کا قلع قمع کیا۔ بحرین کے علاقہ میں نعمان بن منذر نے بغاوت کی۔ مدینہ سے حضرت علاء بن حضرمی فوجی دستے کے ساتھ بحرین پہنچے۔ مرتدین نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اس معرکہ میں مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت آیا۔

عمان کے علاقہ میں بھی ایسی ہی شورش برپا تھی اور مرتدین کا سردار لقیط بن مالک وہاں کا بادشاہ بن بیٹھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ سے حضرت حذیفہ بن محصن اور حضرت عرفجہؓ کو فوجی دستے دے کر روانہ کیا۔ یمامہ سے حضرت عکرمہؓ بھی مدد کے لئے آ پہنچے۔ مرتدین عمان سے جنگ ہوئی۔ دوران جنگ بحرین سے بھی مسلمانوں کو کمک پہنچ گئی۔ چنانچہ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور

مرتدین کو سختی سے دبا دیا گیا۔

کندہ، حضر موت اور ملحقہ علاقوں میں بھی بہت سے لوگ مرتد ہو گئے تھے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے حضرت عکرمہؓ اور حضرت زیادؓ بن لبید کو بھیجا۔ مرتدین ان بہادر سپہ سالاروں کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور شکست کھا کر بھاگ گئے۔

اسی طرح اور کئی علاقوں میں مرتدین نے علم بغاوت بلند کیا لیکن مسلمانوں نے ایک ایک کر کے سب کا خاتمہ کر دیا اور پھر سے اسلام کا دور دورہ ہو گیا۔

منکرین زکوٰۃ کا قلع قمع

اس شورش میں مدعیان نبوت کے پیرو تھے اور نہ ہی مرتد تھے۔ بلکہ اُن کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ ہم سے زکوٰۃ وصول نہ کی جائے۔ شروع میں تو بعض قبائل نے جو زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے تھے مدینہ میں پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ سے درخواست بھی کی کہ ان سے زکوٰۃ نہ لی جائے صرف نماز پڑھا کریں گے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر خلیفہ اول نہ مانے تو مدینہ پر چڑھائی کر دی جائے اور اسے اپنے قبضہ میں لے لیا جائے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کی نگاہ بڑی دور رس تھی۔ انہوں نے معاملہ سمجھ لیا اور مدینہ کی حفاظت کا خوب اچھی طرح بندوبست کر دیا۔ اور پھر خود فوجی دستہ لے کر بعض قبائل کو شکست دی اور بعض کی طرف فوجی دستے بھیجے۔ حضرت عمرؓ اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ نے مشورہ دیا کہ منکرین زکوٰۃ کے ساتھ سختی نہ کی جائے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ جو لوگ بھی زکوٰۃ سے منکر ہوں گے میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی فراست نے بہت ہی خوب کام کیا اور اس فتنے کو ختم کر دیا۔

منکرین زکوٰۃ کا قلع قمع

فتوحات

عرب کے ہمسایہ ممالک ایران، عراق اور روم میں مدت سے بڑی بڑی حکو
چلی آ رہی تھیں۔ اسلام سے قبل ان حکومتوں نے عرب کی خانہ جنگی سے فا
اٹھایا اور کئی بار عرب کے مختلف علاقوں پر حملے کر کے اپنی حکومتیں قائم کیں
ایران اس سلسلے میں سب سے پیش پیش تھا۔ چنانچہ ایران میں اردشیر کی
کردہ ساسانی سلطنت (۲۲۶ء) کے دوسرے فرمانروا شاپور بن اردشیر
کئی بار عرب میں مہمیں بھیجیں اور حجاز اور یمن کے علاقوں کو ماتحت کر لیا۔ ایر
حکمران عربوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور ان سے سخت دشمنی رکھتے
یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے جب دعوت اسلام کے سلسلے میں ایک خط ا
میں نوشیروان کے پوتے خسرو پرویز کو بھیجا، تو اس نے خط پھاڑ ڈالا اور غص
کی حالت میں کہا کہ ہمارے تحت ملک کا ایک شخص مجھے ایسا لکھتا ہے۔ ا
اپنے حاکم یمن کو بھی کہلا بھیجا کہ فلاں شخص کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔

عرب جنگجو تو تھے ہی، کئی بار بغاوت کرتے اور مختلف علاقوں پر
چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیتے مگر بعد میں بڑے بڑے عجمی حاکم یہ ریاستیں
ان سے چھین لیتے یا باجگذار (ماتحت) رہنے دیتے۔ عراق میں عربوں نے
کئی بار حملہ کیا اور ریاستیں قائم کیں۔

روم کی حکومت بھی ایران کی طرح ایک وسیع اور قوی حکومت تھی
عربوں سے دیرینہ تعلقات رکھتے تھے۔ شام مصر اور حبش کے علاقے رو
علاقے کے تحت چلے آ رہے تھے، بہت سے عربی قبائل رومی علاقوں میں
جا بسے تھے اور آہستہ آہستہ عیسائیت قبول کر چکے تھے۔ شام کے علاقے

غسانی سب کے سب عربی قبائل ہی تھے جو وہاں جا کر عیسائی ہو گئے۔ آنحضور کے زمانے میں جب جنگ موتہ ہوئی تو انہی عیسائیوں سے مسلمانوں کو خطرہ رہا۔ جنگ تبوک کی تیاری بھی اسی خطرہ کی بنا پر ہوئی اور اسامہ بن زید والی مہم بھی آنحضور صلعم نے اسی خطرہ کو محسوس کر کے تیار کی تھی۔

یہ سب حالات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے تھے۔ انہیں معلوم تھا جب تک ان ممالک کو شکست فاش نہ دی جائے گی۔ مسلمان چین سے نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ملک کے اندرونی معاملات سے سدھرتے ہی بیرونی ممالک کے حالات کا جائزہ لیا اور پورے وسیع پیمانے پر بیرونی دشمنوں اور حملہ آوروں کا سر کچلنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

عراق

ایران اور عرب کی سرحد پر عربی قبیلہ وائل کی ایک شاخ شیبان کا مسلمان سردار مثنیٰ شیبانی کے نام سے مشہور تھا سرحد کے عرب لوگ آئے دن ایران کے ستم سہہ چکے تھے اس لئے اس زمانہ میں جب کہ ایران طوائف الملوکی کا شکار بنا ہوا تھا۔ مثنیٰ نے عراق پر حملہ کرنا چاہا۔ چنانچہ اکیلا حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے مدینہ پہنچا اور فوجی امداد چاہی۔ حضرت ابوبکرؓ نے مشورہ کے بعد حضرت خالد کو جو اس وقت فتنہ ارتداد سے فارغ ہو کر یمامہ میں پہنچے ہوئے تھے۔ واپس بلایا اور مثنیٰ کے ساتھ کر عراق کی مہم پر روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ نے سب سے پہلے ہرمز فرمانروائے عراق کے نام ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ:

"اسلام لاؤ تو محفوظ رہو گے یا ذمی بن کر جزیہ ادا کرو۔ ورنہ نتائج تمہارے اوپر ہوں گے۔ میں ایک ایسی قوم کو لایا ہوں جو موت کو اتنا پسند کرتی ہے جتنا تم زندگی کو چاہتے ہو۔"

ہرمز نے ان حالات کی اطلاع شاہ ایران کو دی اور خود مقابلہ کیلئے کاظمہ کے مقام پر جنگ ہوئی۔ اور ہرمز مارا گیا۔ خود حضرت خالدؓ نے اسے قتل کیا، کیونکہ ہرمز نے حضرت خالدؓ ہی کو مقابلہ کے لئے پکارا تھا ایرانی فوج دبا کر بھاگ نکلی۔ اس جنگ میں ایرانیوں نے زنجیروں سے اپنے آپ کو باندھ رکھا تھا۔ تاکہ کوئی شخص بھاگ نہ سکے۔ اسی نسبت سے اس جنگ کو ذات السلاسل کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو مال غنیمت کافی ہاتھ آیا۔ حضرت ابوبکرؓ بہت خوش تھے کیونکہ عراق میں مسلمانوں کو پہلی بار فتح حاصل ہوئی تھی۔ اسی خوشی میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو ہرمز کا طلائی تاج بخش دیا جس کی قیمت تقریباً ایک لاکھ درہم تھی۔

شاہ ایران نے ہرمز کی مدد کے لئے فوج روانہ کر دی تھی لیکن راستہ میں مذار کے مقام پر ہی اس فوج کو معلوم ہو گیا کہ ہرمز مارا گیا ہے۔ اور اس کی فوج بھاگ چکی ہے۔ تو انہوں نے مذار کے مقام پر ہی پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت خالد بھی مذار کی طرف بڑھے اور پہنچ کر حملہ بول دیا۔ ایرانی سپہ سالار مارا گیا۔ اور تین ہزار سپاہی بھی کام آگئے۔

جنگ مذار کی شکست سن کر شاہ ایران اور بھی برہم ہوا۔ چنانچہ اس نے دو بڑی بڑی فوجیں تیار کیں اور ان میں عرب قبائل کے وہ لوگ بھی شامل کئے جو سرحدوں پر آباد تھے۔ اور عیسائی ہو چکے تھے۔ ایرانی فوج ولجہ کے مقام پر پہنچ گئی۔ حضرت خالدؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے صورت حال کا جائزہ لیا اور اپنی فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے کئی ایک مقامات پر متعین کر دیا اور حکم دیا کہ دوران جنگ میں باری باری

کمک کی صورت میں حملہ آور ہوں۔ مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کے مختلف دستے باری باری نکلنے لگے ایرانی سپاہی گھبرا گئے اور شکست کھا کر بھاگنے لگے۔

قبیلہ وائل کے عیسائی عرب جو جنگ ولجہ میں قتل ہوئے ان کا انتقام لینے کے لئے بہت سے اُن کے قومی بھائی دوسرے سرحدی علاقوں سے جمع ہو کر ایرانی فوج میں شامل ہو گئے۔ ایرانی سپہ سالار بہمن جادویہ اس بھاری فوج کو لے کر مقام اُلیس پر آ گیا۔ یہاں فوج کو ایک شخص جابان کے سپرد کیا اور خود کمک لینے واپس چلا گیا۔ حضرت خالدؓ بھی خبر پا کر فوج کے ساتھ بڑھے اور بہادری سے حملہ کیا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ ایرانی جم کر لڑتے رہے کیونکہ انہیں پیچھے سے کمک پہنچنے کی توقع تھی۔ حضرت خالدؓ مختلف جنگی تدابیر اختیار کرتے رہے۔ اور ساتھ ساتھ اللہ سے فتح و نصرت کی دعا بھی کرتے جاتے۔ آخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ دشمنوں کے بہت سے قیدی دریائے فرات کے کنارے جا کر قتل کر دیئے۔ مقتولین اتنے زیادہ تھے کہ دریا کا رنگ سرخ ہو گیا۔

جنگ اُلیس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ مقام حیرہ کی طرف بڑھے راستہ میں امغیشیا کا شہر فتح کیا اور بہت سا مال ہاتھ لگا۔ وہاں سے اسلامی فوج عرب عیسائیوں کی ایک چھوٹی سی ریاست کے صدر مقام حیرہ جا پہنچی۔ حیرہ کا حکمران پہلے ہی خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا۔ لیکن شہر والوں نے شہر کے دروازے بند کر لیے۔ مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ آخر حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے حضرت خالدؓ نے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح نامہ لکھ دیا:-

۱- اہل حیرہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کیا کریں۔

۲- اس جزیہ کے بدلے مسلمان اہل حیرہ کی حفاظت کریں گے۔

۳- اگر مسلمان اہل حیرہ کی حفاظت نہ کریں تو ان کے اوپر کوئی جزیہ نہیں
۴- اگر اہل حیرہ بدعہدی کریں تو مسلمان بری الذمہ ہیں۔

صلح کے بعد حضرت خالدؓ حیرہ میں ہی ٹھہرے رہے اور اسے اسلامی فوجی مرکز (فوجی اڈہ) بنا لیا۔ مسلمانوں کا حسن سلوک دیکھ دیکھ کر آس پاس کے لوگوں نے بھی جزیہ دے کر صلح کر لی اور مسلمانوں کی امان میں رہنے لگے۔ اس طرح جنوبی عراق سارے کا سارا مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت خالدؓ شمالی عراق میں عیاضؓ بن غنم کی مدد کے لئے روانہ ہوئے اور حیرہ میں اپنا قائم مقام چھوڑ گئے راستے میں شہر انبار کو فتح کرنا چاہا۔ انبار کے لوگ قلعوں میں گھس گئے۔ حضرت خالدؓ نے محاصرہ کر لیا۔ شہر فصیل سے گھرا ہوا تھا اور چاروں طرف خندق سے محفوظ بھی تھا۔ ایک جگہ سے خندق کی چوڑائی قدرے کم تھی۔ حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ اپنے کمزور اور دبلے پتلے اونٹ ذبح کر کے خندق کے اس حصے کو پر کر دیا جائے۔ چنانچہ مسلمان خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گئے ایرانی گھبرا گئے۔ اور ہتھیار ڈال کر باہر نکل آئے۔

حضرت خالدؓ نے انبار فتح کیا تو معلوم ہوا کہ عین التمر کے مقام پر دشمن کی فوج مقابلہ کے لئے جمع ہے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ تیزی سے اس جانب بڑھے۔ عین التمر کے حاکم مہران پسر بہرام نے کئی عرب قبائل اپنے ساتھ ملا لئے۔ ان عیسائی عربوں کا سپہ سالار عقہ تھا۔ جو سب سے پہلے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے میدان جنگ میں آ گیا۔ حضرت خالدؓ نے عقہ کو گرفتار کر لیا اور باقی فوج شکست کھا کر بھاگ نکلی۔ مہران بھی خوفزدہ تھا۔ اور حضرت خالدؓ کے پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ گیا۔ مسلمانوں

نے تمام جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا۔

شمالی عراق میں **دومۃ الجندل** شہر بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ یہ شہر عرب سے شام جانے والے راستہ میں بھی پڑتا تھا اور حیرہ سے عراق جاتے ہوئے بھی راستہ میں آتا تھا۔ سیاسی اعتبار سے اس شہر کو فتح کرنا بہت ضروری تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ نے عیاضؓ بن غنم کو پہلے سے ہی دومۃ الجندل کی تسخیر کے لئے روانہ کر دیا ہوا تھا۔ عیاضؓ بن غنم نے حضرت خالدؓ کو خط لکھا کہ دومۃ الجندل پہنچ جائیں۔ حضرت خالد پہلے روانہ ہو چکے تھے۔

دومۃ الجندل کے رئیس اکیدر بن عبدالملک نے جب حضرت خالدؓ کی فوج کی خبر سنی تو لوگوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ خالدؓ کے سامنے آپ لوگ قطعاً ٹھہر نہیں سکیں گے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان سے صلح کر لو۔ لوگوں نے بات نہ مانی اور اکیدر ناراضی کی صورت میں دومۃ الجندل چھوڑ کر چلا گیا۔ یاد رہے کہ اکیدر وہی ہے جو غزوہ تبوک کے موقع پر قید ہوا۔ اور حضرت خالدؓ نے اُسے اور چار سو دوسرے قیدیوں کو آنحضورؐ کے سامنے پیش کیا اور آنحضور نے اکیدر کی جان بخشی کی تھی۔ بعد میں خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ سے بدعہدی کی اور خود مختار بن بیٹھا تھا۔

آخر حضرت خالدؓ ایک لمبی مسافت طے کرتے ہوئے دومۃ الجندل پہنچ گئے۔ دونوں سپہ سالاروں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دشمن نے تنگ آکر ہتھیار ڈال دیئے اور شکست کھائی کیونکہ وہ مجبور تھے اور مسلمان قلعہ کا دروازہ توڑ چکے تھے۔ حضرت خالدؓ نے بنی کلب کے لوگوں کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں سے امان مانگ چکے تھے۔ اور عاصم تمیمی نے حلیف ہونے کی وجہ سے امان دے دی

تھی۔ لیکن باقی لڑنے والوں کو قتل کر دیا۔

دومتہ الجندل کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ حیرہ واپس چلے آئے۔ یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ بیرون عرب کے لوگ اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے دو فوجی دستے تیار کیے اور حصید اور خنافس کے مقامات کی طرف بھیج دیئے۔ یہ فوجیں جب وہاں پہنچیں تو ایرانی بھاگ گئے اور مقام مصیخ کی طرف چلے گئے۔ حضرت خالدؓ خود وہاں فوج لے کر مصیخ پہنچے اور ایرانیوں کو شکست دی اور تمام لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر آس پاس کے قبائل بھی خوفزدہ ہو گئے۔ لیکن حضرت خالدؓ نے سوائے صلح کرنے والوں کے سب کے ساتھ جنگ کی۔ قبیلہ تغلب پر شب خون مارا اور دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اردگرد کے علاقے سہم گئے اور اطاعت قبول کر لی۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ کو معلوم ہوا کہ مقام فراض میں ایرانی، رومی اور عرب فوجیں جمع ہیں۔ جو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑی ہیں۔ شہر فراض نہایت اہم جگہ تھی۔ یہ شہر شام، عراق اور عرب تینوں ملکوں کی سرحدوں پر واقع تھا۔ حضرت خالدؓ سیف اللہ (اللہ کی تلوار) تو تھے ہی یہ لقب حضرت خالدؓ کو آنحضرتؐ نے اس وقت دیا تھا۔ جب وہ جنگ موتہ میں بڑی بہادری سے لڑے اور دشمنوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا، حالانکہ مسلمان نہایت قلیل تعداد میں تھے) بڑی سے بڑی فوج سے بھی دبنے والے نہیں تھے۔ فوراً فراض کی طرف چل نکلے۔ دشمنوں کی فوجیں دریائے فرات کو پار کر کے حضرت خالد کی طرف بڑھیں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ آخر دشمن بھاگ نکلا۔ پیچھے دریا تھا۔ تقریباً سب قتل ہوئے

اندازہ ہے کہ ایک لاکھ کے قریب دشمن مارے گئے۔ یہ واقعہ ۱۵ ذی القعدہ ۱۲ ہجری کا ہے حضرت خالدؓ دس روز تک فراض میں ہی ٹھہرے اور اس کے بعد حیرہ کو واپس ہوئے۔ اسلامی فوج کو عاصم بن عمروؓ کی راہنمائی میں دے دیا اور خود حضرت خالدؓ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کیلئے چند آدمیوں کے ساتھ مکہ پہنچے اور فریضہ حج ادا کیا۔ اس حج کا سوائے حضرت خالدؓ کے چند ساتھیوں کے کسی کو علم نہ تھا۔ کیونکہ جب وہ فراض سے روانہ ہوئے تو فوج کو یہی معلوم تھا کہ حضرت خالدؓ پیچھے پیچھے چلے آ رہے ہیں۔ اور ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو بھی اطلاع نہ دی۔ حضرت خالد رضؓ نے یہ سب سلسلہ چپکے چپکے اس لئے کیا کہ دشمنان اسلام کو ان کی حیرہ سے غیر حاضری کا علم نہ ہو جائے۔ اور وہ ان کی عدم موجودگی میں حیرہ اور ملحقہ علاقہ جات میں حملہ نہ کر دیں۔ اس کے باوجود حضرت خالد رضؓ اتنی تیزی کے ساتھ مکہ پہنچے اور حج کر کے واپس حیرہ پہنچ گئے۔ کہ ابھی اسلامی فوج جو فراض سے چلی ہوئی تھی۔ حیرہ میں داخل ہو رہی تھی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کل چودہ ماہ تک عراق میں رہے جنگ فراض کے تھوڑے سے ہی عرصہ بعد حضرت ابوبکر رضؓ صدیق نے حکم بھیجا کہ تسخیر شام کے لئے تیار ہو جائیں۔

فتح شام

ملک شام کے غسانی حکمران عیسائی تھے۔ اور مدت سے رومی بادشاہوں کے تحت چلے آ رہے تھے۔ شام کی اس سرحد کی طرف سے مسلمانوں کو ہمیشہ خطرہ رہا کیونکہ عیسائی حکمران مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں جب آپ نے شرحبیل ابن عمرو غسانی کے نام دعوت اسلام کے سلسلے میں خط بھیجا تو شرحبیل نے آنحضرت صلعم

کے قاصد کو قتل کر دیا اور خط کو پھاڑ ڈالا۔ مقتول قاصد کے قصاص میں ہی جنگ موتہ ہوئی تھی۔ پھر تبوک کا واقعہ بھی اسی سلسلے میں پیش آیا۔ اور آنحضرت صلعم نے آخری دنوں اپنی علالت کی حالت میں بھی یہی خطرہ محسوس کرتے ہوئے ایک مہم تیار کروائی تھی۔ جس کے سردار اسامہ بن زیدؓ مقرر کئے گئے تھے۔ یہ مہم رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ صدیق نے روانہ کی۔ حضرت اسامہؓ کو فتح و کامرانی کے ساتھ شام سے واپس لوٹے لیکن عرب کو پھر بھی رومیوں اور گرد و نواح کے عیسائیوں سے خطرہ رہتا تھا۔ کیونکہ وہ بڑے پیمانے پر مسلمانوں کو ختم کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

جب شام کی طرف سے خطرہ زیادہ بڑھ گیا تو حضرت ابوبکرؓ صدیق نے صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا اور چار بڑے بڑے سردار عمرو بن عاصؓ، ابو عبیدہ بن جراحؓ، یزید بن ابی سفیانؓ اور شرحبیل بن حسنہؓ مقرر فرمائے۔ پھر ہر ایک سردار کو فوجی دستے دیے کہ جن کی مجموعی تعداد ۳۶ ہزار تھی شام کی سرحد کی طرف روانہ کر دیا۔ رومی حکمران بھی اطلاع پا کر بھاری فوجیں لے کر نکلے۔ ہرقل (بادشاہ روم) اُس وقت مقام حمص میں مقیم ہوا تھا۔ اس نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے فوجی دستے علیحدہ علیحدہ سرداروں کی راہنمائی میں آئے ہیں کوشش کی جائے کہ انہیں اکٹھا ہونے کا موقع نہ ملے اور علیحدہ علیحدہ ہر ایک کو شکست دی جائے۔ مسلمان سپہ سالار جب سرحد شام پر پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ دشمن کی فوج اُن کی اپنی فوج سے کئی گنا زیادہ ہے اور وہ مسلمانوں سے علیحدہ علیحدہ لڑنے کی تیاریوں میں ہیں۔ چنانچہ مسلمان سپہ سالاروں نے باہم مشورہ کر کے حضرت ابوبکرؓ کو مدینہ میں اطلاع دی کہ مزید فوج بھیجی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ

نے حضرت خالد رضؓ کو عراق میں پیغام بھیجا کہ فوراً فوج لے کر یرموک کے مقام پر اپنے دوسرے بھائی سپہ سالاروں کی مدد کے لیے پہنچ جائیں۔ ادھر سرحد شام پر اطلاع بھیج دی کہ خالد رضؓ آ رہے ہیں۔ اور یرموک میں جمع ہو جائیں۔ حضرت خالد رضؓ نے اطلاع پاتے ہی اپنی جگہ مثنیٰ ابن حارثہ رضؓ کو مقرر کر کے دس ہزار کے فوجی دستے کے ساتھ تیزی سے یرموک کا رخ کیا۔ راستہ بڑا کٹھن تھا لیکن خلیفہ اوّل رضؓ کے حکم اور دشمن کا سر کچلنے کے شوق نے حضرت خالد رضؓ کو بہت جلد یرموک میں پہنچا دیا۔ خالد رضؓ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ گو چاروں مسلمان سپہ سالار یکجا جمع ہیں۔ مگر ان میں ہر ایک اپنی تدبیر سے لڑنا چاہتا ہے۔ انہوں نے اپنی فوجوں اور دشمن کی فوجوں کا جائزہ لیا اور چاروں سپہ سالاروں کو جمع کر کے مندرجہ ذیل تقریر کی :-

"آج کا دن ایک یادگار رہے گا۔ آج کے دن فخر، غرور، تکبر، شرافت اور سرکشی سب کو چھوڑ دو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لیے لڑو کیونکہ پھر کبھی ایسا نازک وقت نصیب نہ ہوگا۔ آج تمہیں ایک بہت بڑی طاقت سے نبرد آزما ہونا ہے اور دشمن بڑی عمدہ ترتیب اور نظام کے ساتھ سامنے کھڑا ہے ہمارے لیے مناسب نہیں کہ ہم اس طرح منتشر حالت میں دشمن سے لڑیں آج صرف مصلحت کی خاطر وہ کام کرو۔ جس کا تمہیں حکم نہیں ملا۔"

اسلامی فوج سمجھ گئی کہ خالد رضؓ کیا چاہتے ہیں۔ سب نے کہا جیسا آپ

مناسب سمجھیں کریں۔ حضرت خالدؓ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ ہم سب سردار باری باری سردار بنیں اور سب سے پہلے مجھے سردار بنا دو۔ سب نے اس بات کو منظور کر لیا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے فوج کو از سر نو ترتیب دیا۔ اور ساری فوج کو ۴۰ حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ۱۸ دستے قلب (وسط) میں ابو عبیدہؓ کی نگرانی میں تعینات کئے۔ دس دستے میمنہ (دائیں جانب) پر رکھے ان کے سپہ سالار عمرو بن عاصؓ اور شرجیلؓ بنائے۔ دس دستے یزید بن ابی سفیانؓ کی راہنمائی میں میسرہ (بائیں جانب) پر کھڑے کئے۔ ابو سفیان بن حرب رضؓ ہر دستہ کے پاس جا کر فرماتے۔

"اے مسلمانو! تم حامیان اسلام ہو اور عربوں کے قابل فخر مرد۔ ادھر رومی مشرک لوگ ہیں۔ اور اپنی قوم کے محافظ اے اللہ! آج تیرے نام پر لڑا جا رہا ہے اس لیے تو ہی مسلمانوں کی مدد فرما۔"

اسی اثنا میں حضرت خالدؓ بھی اسلامی فوج کا جائزہ لے رہے تھے۔ کہ ایک فوجی کو دشمن کی فوج سے سہما ہوا پایا۔ حضرت خالدؓ بولے "مسلمان بہت کم ہیں۔ اور رومی بہت زیادہ ہیں گھبراؤ نہیں، کمی یا زیادتی تعداد پر منحصر نہیں بلکہ شکست یا فتح پر ہے۔

اب دونوں فوجیں نہایت ترتیب کے ساتھ جنگ کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ حضرت خالدؓ کے حکم سے دائیں اور بائیں دستوں نے دشمن پر تیر اندازی شروع کی۔ دشمن نے بھی حرکت کی۔ حضرت خالدؓ جلدی سے درمیانی حصہ فوج لے کر آگے بڑھے اور دشمن میں جا گھسے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ رومی سوار ایک جانب کو بھاگے۔ مسلمانوں نے انہیں بھاگنے کا موقع

دیا اور خود اپنی جگہ پر قائم رہے۔ پھر فوراً حملہ کر کے پیادہ فوجوں پر جا پڑے۔ رومی سپاہ پیچھے کو بھاگ نکلی۔ پشت پر پہاڑ تھا۔ اور ایک طرف دریا (یرموک) اس لئے رومیوں کی بہت بڑی تعداد دریا میں غرق ہو گئی۔ طبری کا بیان ہے۔ کہ یہاں رومیوں کے ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی دریا میں ڈوب مرے اس جنگ میں مسلمان خواتین نے بھی کافی حصہ لیا۔ انہوں نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے اور دشمن کے بہت سے آدمی اپنے ہاتھوں سے قتل کئے یرموک میں مسلمان شہداء کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی۔

دوران جنگ (یرموک) میں حضرت ابوبکر صدیق رضہ مدینہ میں وفات پا گئے۔ حضرت عمر رضہ خلیفہ دوم بنے۔ حضرت عمر رضہ نے فوراً اطلاع حضرت خالد رضہ کو بھیج دی اور لکھ بھیجا کہ اس جنگ کے بعد حضرت خالد کی جگہ حضرت ابو عبیدہ رضہ کو سپہ سالار مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت خالد کو جب پیغام ملا تو انہوں نے مصلحت کی خاطر خود صرف حضرت ابو عبیدہ رضہ کو دکھایا کہ جنگ کے بعد اپنی سپہ سالاری کا اعلان کر دیں تاکہ فوج میں بددلی نہ پھیل جائے۔

جنگ یرموک سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ جنگ میں تعداد اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنی ایمان اور یقین۔ مسلمانوں کو اپنے اور یقین تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں۔ اس لئے انہیں موت سے ڈر نہیں بلکہ وہ موت کی خواہش (شہادت) دلوں میں لئے ہوئے اور اللہ کی مدد کا یقین لئے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ فتح ان کا مقدر بنتی ان کے قدم چومتی تھی۔ نیز اس جنگ سے عربوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور رومی سلطنت کی فیصلہ کن شکست دیا اور اسلام کا آنے لگا

نظمِ حکومت

[illegible] کی حیثیت سے حضرت ابوبکرؓ نے [illegible] جمہوریت [illegible] کا انتخاب بھی جمہوری طریق پر ہوا تھا۔ آپ [illegible] تمام امور [illegible] مشورہ سے طے کرتے تھے آپ نے [illegible] حضرت عمرؓ، حضرت [illegible]، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ [illegible]، حضرت [illegible] حضرت زید بن ثابتؓ جیسے [illegible] صحابہ [illegible] حضرت [illegible] مشورہ [illegible] حضرت [illegible] جب روانہ ہوئے [illegible] حضرت [illegible] نے خود [illegible] حضرت عمرؓ کو مدینہ [illegible] مشورہ [illegible] وقت [illegible] حضرت عمرؓ [illegible] کے ساتھ نہ گئے [illegible] تو حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور مشورہ [illegible] کے تحت فوج روانہ کی [illegible] تمام [illegible] امور میں آپ نے باہمی مشورہ سے فیصلہ کیا۔

ملکی نظام

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حکومت دراصل عرب کے علاقہ پر ہی تھی۔ کیونکہ ان کے عہد میں بیرونی علاقوں کی فتوحات ابھی شروع ہی ہوئی تھیں۔ ملک عرب کو آپ نے مختلف صوبوں میں تقسیم

کر کے ہر ایک میں علیحدہ حاکم یا امیر (گورنر) مقرر کر دیا۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ کسی صوبے کا حاکم مقرر فرماتے وقت اسے اچھی طرح پند و نصیحت کرتے کہ صرف اللہ اور رسول کی پیروی کرنا اور معاملات میں دیانت داری پر تنا ورنہ تم بھی سزا کے مستحق ہو گے۔ صوبے مندرجہ ذیل تھے :-

۱۔ مکہ :- یہاں عتاب بن اسیدؓ گورنر تھے۔
۲۔ طائف :- عثمان بن ابی العاصؓ یہاں کے حاکم تھے۔
۳۔ صنعاء :- اس جگہ حضرت امیہؓ امیر تھے۔
۴۔ حضر موت :- یہاں زیاد بن لبیدؓ حاکم مقرر ہوئے۔
۵۔ بحرین :- علاء بن حضرمیؓ اس جگہ گورنر بنا کر بھیجے گئے۔
۶۔ خولان :- یہاں یعلیٰ بن امیہؓ امیر تھے۔
۷۔ زبید :- یہ یمن کا علاقہ تھا۔ یہاں ابو موسیٰ اشعریؓ حاکم مقرر کئے گئے
۸۔ نجران :- یہاں جریر بن عبداللہؓ حاکم تھے۔
۹۔ جرش :- اس جگہ کے امیر عبداللہ بن ثورؓ تھے۔

ان تمام صوبوں میں امیر (گورنر) کے ذمہ مقدمات کے فیصلے، حدود شرعیہ (شرعی سزائیں) کا جاری کرنا اور اقامت نماز کے کام ہوتے تھے دارالخلافہ (مدینہ) میں حضرت ابوبکرؓ نے تقریباً تمام بڑے بڑے شعبوں کے عہدیدار مقرر کر رکھے تھے مثلاً حضرت عمرؓ قاضی کی حیثیت سے کام کرتے تھے حضرت ابوعبیدہؓ شام کی مہم سے پہلے افسر مال تھے حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کاتب تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا وزیر مقرر نہیں فرمایا تھا حضرت عمرؓ صرف بحیثیت مشیر (مشورہ دینے والا) کام کرتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ خلیفہ منتخب ہو جانے کے تقریباً چھ ماہ بعد تک تجارت کر کے اپنا گزارہ کرتے رہے لیکن جب حکومت کا کام بہت بڑھ گیا اور تجارت کرنا دشوار ہو گیا تو تجارت چھوڑ دی اور گھر کے خرچ کے لئے ایک معمولی رقم بیت المال سے لیا کرتے تھے جس سے صرف گزارہ ہو سکے۔ یہ معمولی رقم بھی آپ پر گراں گزرتی تھی۔ اور شاید یہ خیال فرماتے ہوئے کہ اس رقم کے عوض میں امت کے لئے پوری خدمت نہیں کر سکا انہوں نے وفات کے قریب وصیت کر دی۔ کہ میرے بعد میری فلاں زمین فروخت کر کے جو رقم میں نے بیت المال سے لی ہے واپس دے دی جائے۔

مالی نظام آنحضرت صلعم کے عہد میں جو رقم وصول ہوتی اسی وقت خرچ کر دی جاتی۔ اس میں سے سامان جنگ خریدا جاتا اور باقی رقم لوگوں میں تقسیم ہو جاتی۔ یہی طریقہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں رہا اور مالی انتظام باقاعدہ رقم جمع کر کے آہستہ آہستہ خرچ کرنے کا نہ تھا۔ صرف خلافت کے آخری حصے میں ایک بیت المال تعمیر کرایا تھا لیکن اس میں بھی کوئی بھاری رقم جمع ہونے کا موقع نہ آیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں مقام سنح کے بیت المال کا جب جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ شروع سے اب تک وہاں تقریباً دو لاکھ دینار جمع ہوئے تھے لیکن ساتھ ساتھ خرچ کر دیئے جاتے تھے۔ اس لئے بیت المال سے صرف ایک درہم نکلا۔

فوجی نظام رسول اللہ صلعم کے عہد میں بھی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا۔ ضرورت کے وقت فوج جمع کر لی جاتی تھی بلکہ مسلمان خود ہی شوق جہاد کی خاطر اپنا نام پیش کر دیتے تھے۔ کم و بیش یہی حال حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں تھا۔ صرف اتنا اضافہ ضرور ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ

فوج کی روانگی کے وقت مختلف دستوں کے مختلف امیر مقرر کر دیتے تھے۔ اور ان سب پر ایک کمانڈر انچیف (امیر الامراء) بنا دیتے۔ حضرت خالدؓ جنگ یرموک میں تمام فوجوں کے کمانڈر انچیف تھے ساتھ انہوں نے فوج میں مزید اصلاح کی جنگ کے وقت فوجوں کی صف بندی نہایت عمدہ ترتیب اور نظم کے ساتھ کر دیتے اور انہیں اپنے اپنے وقت پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیتے اس سے فوج خونریز لڑائی کی حالت میں بھی ثابت قدم رہتی اور ابتری کو حتی الامکان ختم کر دیا۔

آنحضرت رسول اللہ صلعم ہمیشہ فوج کی اخلاقی ترتیب پر خاص خیال رکھتے کیونکہ لڑائی تو ایک ناگزیر صورت ہوتی تھی۔ ورنہ اسلام اخلاق اور حسن سلوک کے ذریعے پھیلایا جاتا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق بھی فوج کی اخلاقی تربیت سے کبھی غفلت نہ برتتے۔ جب کوئی فوجی دستہ کہیں روانہ کیا جاتا خود حضرت ابوبکرؓ ایک فاصلے تک ساتھ پیدل جاتے اور فوج کو پند و نصیحت فرماتے کہ تارک الدنیا عبادت گزار لوگوں کو ان کی اپنی حالت پر چھوڑ دینا۔ بچے، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا۔ پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، نہ جلانا، آبادی کو ویران نہ کرنا۔ کھانے کی غرض کے سوا جانوروں کو بیکار ذبح نہ کرنا اور مال غنیمت میں خورد برد نہ کرنا۔

سامان جنگ اس رقم کے ایک حصے سے فراہم کیا جاتا تھا جو مختلف ذرائع سے وصول ہوتی تھی۔ مال غنیمت کو مستحق لوگوں پر تقسیم کرنے کے بعد جو رقم بچ جاتی اسے بھی فوج پر خرچ کیا جاتا۔ فوجی گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے مخصوص چراگاہیں بنائی گئی تھیں۔ مقام نقیع میں اس نوعیت کی سب سے بڑی چراگاہ تھی۔

فوجی مرکزوں اور چھاؤنیوں کا معائنہ خود حضرت ابوبکرؓ کیا کرتے تھے کسی قسم کی خرابی نظر آتی تو اُسے درست کروا دیتے۔ اخلاق اور اسلامی رواداری کی نصیحت فرماتے نظم و ضبط کا سبق دیتے اور فوج کے حوصلے بلند رکھنے کی خاطر بڑے بڑے فصیح لوگوں کو فوجی دستوں میں گھوم کر انہیں ولولہ جوش دلانے پر مقرر کرتے۔ عام طور پر ہر لڑائی سے پہلے سورۂ انفال پڑھ کر سنائی جاتی تاکہ لوگ لڑائی کے مقصد اور مال غنیمت کے مصارف (خرچ کرنے کی جگہیں) کو خوب سمجھ لیں اور مال خرد برد نہ کریں۔

حکام کی دیکھ بھال

حضرت ابوبکرؓ گو بڑے حلیم طبع اور نرم دل انسان تھے لیکن ملک کے نظم و نسق اور مذہبی معاملات میں بڑے سخت اور اولوالعزم تھے حکام کی غلطی کو درگزر کرنے کی بجائے انہیں ڈانٹتے کہ تمہارا اخلاق سب سے عمدہ ہونا چاہیئے حضرت خالدؓ نے منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے سلسلے میں مالک بن نویرہ کو اُس وقت قتل کیا تھا جب کہ اُس نے اذان دے دی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ سخت ناراض ہوئے خالدؓ کو ڈانٹا اور خود مالک بن نویرہ کا خون بہا ادا کر دیا۔

تعزیر و حدود

پولیس وغیرہ کا باقاعدہ انتظام نہ تھا بہر کیف جہاں سے کسی بدعنوانی اور جرم کی خبر ملتی فوراً دربار خلافت سے آدمی بھیج دیئے جاتے۔ کوشش کی جاتی کہ لوگوں کو نصیحت اور اخلاق کے ذریعے بدکاری سے روکا جائے لیکن اگر کوئی کھلم کھلا بدکاری کرتا یا اپنے جرم کا خود اعلانیہ اعتراف کر کے سزا کا طلب گار ہوتا تو اُسے ضرور سزا دی جاتی بعض جرموں کی سزا جو آنحضرت صلعم کے عہد میں جرم کی نوعیت کے مطابق طے ہوتی تھی خلیفہ اوّل نے مخصوص کر دی۔ مثلاً شراب

پینے والے کو چالیس دروں کی سزا دلانا پڑتی تھی۔ اگر کسی سے کوئی ایسا جرم سرزد ہوتا جس کی قرآن و حدیث میں سزا نہ ملتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا جاتا اور متفقہ طور پر سزا نافذ کی جاتی۔ مرتدوں اور ڈاکوؤں کو عبرتناک سزائیں دی جاتیں۔ اگر کسی صوبہ کا حاکم کسی کو غلط یا زیادہ سزا دے دیتا تو حضرت ابوبکر رضی اس حاکم کو متنبہ کرتے کہ تمہاری دی ہوئی سزا میں فلاں غلطی ہوئی اور فلاں کمی۔ بہرحال آئندہ سوچ سمجھ سے کام لینا ورنہ تم بھی سزا کے مستحق ہو گے۔

محکمہ افتاء

عہد صدیقی میں مذہبی مسائل کی تحقیق اور حل و جواب کے سلسلے میں محکمہ افتاء بھی قائم تھا۔ اس میں بڑے بڑے جید صحابہ رضی مثلاً حضرت عمر رضی، حضرت عثمان رضی، حضرت علی رضی، حضرت عبدالرحمٰن رضی بن عوف، حضرت معاذ بن جبل رضی، حضرت ابی بن کعب رضی اور حضرت زید رضی بن ثابت علماء دین کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ اور یہی حضرات فتوے دینے یا کسی مسئلے کا مذہبی حکم اخذ کرنے کے مجاز تھے۔

ذمی رعایا کی حفاظت

ذمی (اسلامی حکومت میں غیر مسلم لوگ) لوگوں کی پوری پوری حفاظت ہوتی تھی۔ ان کے مذہبی، معاشرتی، شہری اور تمام دوسرے حقوق بالکل ویسے تھے جیسے مسلمانوں کے۔ انہیں اجازت تھی کہ پوری آزادی سے رہیں۔ اپنے مذہبی فریضے ادا کریں اور تہوار منائیں۔ غیر مسلم رعایا کی اس حفاظت کے عوض ان سے ایک ٹیکس لیا جاتا تھا۔ جسے جزیہ کہتے ہیں۔ جزیہ کی شرح بہت کم رکھی گئی تھی تاکہ آسانی سے ادا کر سکیں اور جو غیر مسلم جزیہ ادا نہ کر سکتے تھے۔ انہیں معاف کر دیا جاتا تھا۔ جیسے حیرہ فتح ہوا۔ تو سات ہزار ذمیوں میں کے ایک ہزار سے جزیہ لیا جاتا باقی نادار اور مفلس

ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ تھے بلکہ بعض نادار اور مفلس ذمیوں کی مالی مدد بھی کی جاتی تھی۔

خدمتِ دین

جمعِ قرآن

فتنۂ ارتداد کو دبانے کے سلسلے میں جنگ یمامہ بھی ہوئی جس میں بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب کی حمایت میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ اس خونریز جنگ میں مسلمانوں کے شہدا میں بہت سے حفاظ قرآن بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے سوچا کہ فتنہ و فساد ہر طرف پھیلا ہوا ہے ہر روز جنگ جاری رہتی ہے۔ اور اگر اسی طرح حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے۔ تو ایسا نہ ہو کہ قرآن کا کوئی حصہ ضائع ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ یہ معاملہ ہے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ قرآن کے مختلف حصوں کو اکٹھا کیا جائے اور اسے محفوظ کر لیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے تامل کے ساتھ جواب دیا۔ کہ جو کام خود رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا وہ میں کیسے کر لوں۔ حضرت عمرؓ برابر اصرار کرتے رہے آخر حضرت ابوبکرؓ بات کی اہمیت پا گئے اور حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ قرآن مجید کو جمع کیا جائے۔ اس طرح متفرق حصوں کو جمع کر کے قرآن کو کتاب کی شکل میں لکھوا دیا۔ یہ نسخہ (قرآن) حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہا۔ پھر ان کے بعد ان کی بیٹی حضرت حفصہ (ام المومنین) کی حفاظت میں رہا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں بڑے اہتمام سے اور نقلیں تیار کروا کر بیرونِ عرب اسلامی ممالک میں بھجوائیں۔

خدمتِ حدیث

جمع قرآن کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ نے حدیث رسول اللہ صلعم کے اقوال یا خبر) کی بھی عمدہ خدمت کی۔ آپ

لوگوں کو نصیحت فرماتے کہ حدیث بیان کرنے سے پہلے اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو تاکہ اختلاف کی صورت میں جھگڑا نہ پیدا ہو چنانچہ ایسے معاملات میں جہاں قرآن اور سنت (رسول اللہ صلعم کا طریقہ) میں فیصلہ کے لیے کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ اعلان کر دیتے کہ جس شخص نے رسول اللہ صلعم سے فلاں فلاں معاملے میں کوئی بات یا فیصلہ سُنا ہو وہ آکر روایت کرے۔ پھر آپ ایسی روایت کی باقاعدہ تصدیق کرواتے اور تب اُس معاملے کا فیصلہ فرماتے۔

اشاعتِ دین حضرت ابوبکر صدیقؓ شروع سے ہی اشاعتِ دین میں پیش پیش رہے جب آپ نے اسلام قبول کیا تو فوراً اِس کی تبلیغ اسلام شروع کر دی چنانچہ آپ ہی کی وجہ سے آپ کے کئی دوست واحباب اسلام لائے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح، حضرت ارقم مخزومی اور ایسے ہی کئی سر کردہ اصحاب حضرت ابوبکرؓ کی وجہ سے مسلمان ہو گئے۔

پھر اپنے عہدِ خلافت میں حضرت ابوبکرؓ نے جس کوشش و خلوص سے اشاعتِ دین کیا وہ چھپا ہوا نہیں ہے۔ یہ اشاعتِ دین کا ہی جذبہ تھا جس نے انہیں بڑے بڑے فتنہ ارتداد، سرکشی اور شور و غل کو ختم کر کے دم لیا۔ اور ہر مہم کے لیے آپ کا حکم ہوتا کہ سب سے پہلے تبلیغ دین کی جائے اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے اگر وہ باز نہ آئیں۔ تو جنگ کی جائے چنانچہ جنگ کے بغیر بھی کئی جگہوں پر تجدیدِ اسلام ہوا مثنیٰ بن حارثہؓ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ ہوتا کہ بنی وائل اور گرد و نواح کے بہت سے بُت پرست اور عیسائی لوگ مسلمان ہوئے۔ حضرت خالدؓ کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے عراق اور شام کے کئی علاقے حلقۂ اسلام میں آ گئے۔ مختصر یہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی

تبلیغی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا، کہ ان کے عہدِ حکومت میں چپے چپے سارے عرب میں اسلام کا دَور دورہ ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے فضائل

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بچپن سے ہی آنحضرت صلعم کے دوست تھے۔ عادات و خصائل بھی دونوں کے ملتے جلتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم آپ کو ہمیشہ ساتھ رکھتے حتیٰ کہ ہجرت مدینہ کے وقت صرف آپ ہی آنحضرت صلعم کے رفیق تھے۔ اور غارِ ثور میں بھی صرف آپ ہی ساتھ تھے۔ آنحضرت صلعم تمام اہم امور میں حضرت ابوبکر رضؓ سے مشورہ لیتے بلکہ بعض اوقات ساری ساری رات مشوروں میں گذر جاتی یعنی دوسرے تمام صحابہ رضؓ سے زیادہ رازدان حضرت ابوبکر صدیق ہی تھے۔ اور یہ بات ظاہر کرتی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کو سب سے زیادہ اعتماد حضرت ابوبکر رضؓ پر تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضؓ ایک دفعہ آنحضرت صلعم سے دریافت کرنے لگے۔ کہ یا رسول اللہ آپ کو مردوں میں سب سے زیادہ عزیز کون ہے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا: "ابوبکر رضؓ" وفات کے قریب آنحضور صلعم نے فرمایا: "ابوبکر رضؓ اپنی صحبت اور مال کی وجہ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے" یہ بھی فرمایا کہ "میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ دنیا میں دیدیا ہے صرف ابوبکر رضؓ کے احسانات مجھ پر باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کا بدلہ انہیں قیامت میں دے دے گا" پھر آنحضور صلعم کی زندگی ہی میں حضرت ابوبکر رضؓ کو نماز کی امامت کا فخر حاصل ہوا بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پیچھے نماز ادا کی۔

علمیت اور فقاہت کے اعتبار سے بھی حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہؓ میں افضل تھے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں "ابوبکرؓ ہم سب سے زیادہ عالم تھے"۔ آپ اسرارِ نبوت اور رازِ حقیقت سے اس قدر واقف تھے کہ رسول اللہ صلعم کے تمام ایسے نکات و رموز کو فوراً سمجھ لیتے تھے جو دوسرے صحابہؓ جلدی نہ سمجھ پاتے۔ آنحضورؐ نے اپنی وفات کے قریب جب یہ کہا کہ ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ خواہ دنیا پسند کرے یا جو کچھ خدا کے پاس ہے اُسے قبول کرلے۔ تو صحابہ اصل بات سمجھ نہ سکے اور یہ خیال کرنے لگے کہ رسول اللہ صلعم شاید کسی شخص کے متعلق بیان فرما رہے ہیں لیکن حضرت ابوبکرؓ فوراً بات پاگئے کہ رسول اللہؐ خود اپنے متعلق فرما رہے ہیں۔ اور یہ قرب وفات کا اشارہ ہے چنانچہ آپ رو پڑے۔

یہ بات کہ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہؓ میں علم و فضل کے اعتبار سے ممتاز تھے۔ خود صحابہ کرامؓ معترف ہیں۔ چونکہ آپ کا تقریباً سارا وقت آنحضور صلعم کے ساتھ گزرتا اس لیے آپؓ دین اسلام کی منبع (قرآن) کلام اللہ کی تفسیر خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود اگر کبھی کسی آیت کی وضاحت میں دقت ہوتی تو آنحضرتؐ سے پوچھ لیا کرتے۔ ایک مرتبہ آپ نے آنحضرتؐ سے سورۂ نساء رکوع ۱۸ کی آیت لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ (یعنی نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے۔ اور نہ اہلِ کتاب کی تمناؤں سے۔ جو کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے بدلے میں سزا دیا جائے گا۔) کی تفسیر کے سلسلے میں پوچھا کہ یا رسول اللہ! اس آیت کے بعد کیا چارہ کار ہے۔ کیا ہر برے کام کا بدلہ ملتا ہے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا۔ "ابوبکرؓ! خدا تمہاری مغفرت کرے۔ کیا تم بیمار نہیں ہوتے ہو؟ کیا تمہیں رنج و صدمہ نہیں پہنچتا

کیا تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی؟ سب برائیوں ہی کا بدلہ ہے۔"

فنِ حدیث کی ضرورت بھی سب سے پہلے حضرت ابوبکر رض نے ہی محسوس کی اور آپ ہی اس علم کے موجد ہیں۔ رسول اللہ ص کی وفات پر جب سقیفہ بنی ساعدہ میں یہ جھگڑا ہوا کہ خلیفہ انصار میں سے ہو یا مہاجرین میں سے، تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ص فرمایا کرتے تھے۔ الائمۃ من القریش (امام قریش میں سے ہوں گے)۔ چنانچہ وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ پھر آنحضور ص کے دفن کرنے کا سوال ہوا کہ کہاں کیا جائے۔ یہاں بھی حضرت ابوبکر رض نے فیصلہ کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ص فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء جس جگہ فوت ہوں وہی ان کے دفن کرنے کی جگہ ہے۔ علم حدیث کے اصول میں بھی آپ ہی نے رہبری فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اصولِ روایت (نقل، کسی سے کچھ لینا) میں اس چیز کو ضرور دیکھا جائے کہ راوی (روایت کرنے والا) ثقہ (قابلِ اعتماد، پائیدار) اور مامون (امانت دار) ہو اور ہر قسم کے عیب سے پاک ہو۔ چنانچہ جمع قرآن کے کام پر جب آپ نے حضرت زید بن ثابت رض کو مامور کیا تو آپ نے فرمایا "بے شک تم عقلمند نوجوان ہو اور عیبوں سے پاک ہو" سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ راوی کا عقلمند ہونا بھی ضروری ہے۔ پھر اصولِ درایت (عقل، دانائی) کے سلسلے میں حضرت ابوبکر رض نے فرمایا کہ حدیث روایت کرتے وقت یا سنتے وقت واقعہ کی نوعیت بھی دیکھنی چاہیے اور اس کے مطابق شہادت کا معیار ہونا چاہئے۔ چنانچہ جمع قرآن کے وقت ہر آیت پر دو شخصوں کی شہادت لازمی قرار دی گئی۔

اصولِ فقہ کی بنیاد بھی حضرت ابوبکر رض نے ہی ڈالی۔ انہوں نے استنباط (باتوں سے بات نکالنا) کے مختلف طریقے جو رائج کئے وہ آج تک مسلمہ ہیں۔

آپ کسی مسئلے کو حل کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن کا حکم دیکھتے۔ اگر وہاں سے صاف حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ سناتے ورنہ سنت کی طرف رجوع کرتے اور اگر سنت سے بھی مطلب حل نہ ہوتا تو پھر آپ صحابہؓ اور دوسرے لوگوں سے مشورہ کر کے خود سوچتے اور فیصلہ کرتے۔ چنانچہ رسول اللہ ؐ کی وفات پر آپ نے قرآن کی آیت سے لوگوں کو سمجھایا کہ محمدؐ ایک رسول ہیں جس طرح پہلے رسول ہو گذرے ہیں۔ پھر لوگوں کو یقین ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ ؐ کی وفات کے بعد جب میراث فدک کا معاملہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان ناراضی کا سبب بنا تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ حدیث سنائی کہ آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے مال میں وراثت جاری نہیں ہوگی بلکہ جو کچھ ہم چھوڑیں گے صدقہ ہوگا۔" پھر آپ نے کہا میں خدا کی قسم وہی کروں گا جو آنحضرت کیا کرتے تھے یعنی ان کے عمل اور فیصلے پر چلوں گا۔ ... حضرت ابوبکرؓ حدیث پر عمل کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ اپنی قیاس سے مسائل کو حل کرنے سے پرہیز کرتے تھے لیکن مجبوراً اپنی رائے دیتے تھے اور وہ بھی اللہ سے ڈرتے ڈرتے۔

تقریر اور خطبہ میں آپ کی بلاغت اور فصاحت مانی ہوئی چیز تھی۔ آپ کی تقریروں کا زور شگفتہ جملے اور عضب کی روانی ہوتی تھی۔ انداز بیان اور طرز گفتگو میں وہ اثر ہوتا کہ سننے والے اثر لئے بغیر نہ رہتے۔ یہ آپ کی بلاغت اور فصاحت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں ایسی تقریر کی کہ لوگ مجبور ہوگئے کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ ... اس دوران میں اگر آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خاص بات یاد آ

جاتی تو رو پڑتے اور تقریر کرنے سے رُک جاتے۔

اخلاق و عادات

حضرت ابوبکرؓ کے اخلاق و عادات آنحضرتؐ سے ملتے جلتے تھے۔ اسی لئے آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو بچپن سے لے کر وفات تک سب صحابہؓ سے زیادہ چاہا اور ان کو اپنا محرم راز بنائے رکھا۔ حضرت ابوبکرؓ زمانہ جاہلیت میں بھی اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ اور اسی وجہ سے سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی مسلسل صحبت اور رازداری نے آپ کے اخلاق و عادات کو اور زیادہ چمکا دیا تھا۔

ایثار حضرت ابوبکرؓ ایثار کی وجہ سے بھی دوسرے صحابہؓ میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے آپ اچھے خوشحال لوگوں میں سے تھے۔ قبول اسلام کے بعد چالیس ہزار درہم انہوں نے لا کر مسلمانوں میں خرچ کر دیئے۔ بلکہ ایک دفعہ رسول اللہؐ کے حکم پر کہ جو کچھ کسی مسلمان کے پاس ہو لائے اور مسلمانوں میں خرچ کر دے۔ آپ نے جو کچھ گھر میں موجود تھا لے آئے اور جب آنحضرتؐ نے پوچھا کہ وہ اپنے گھر کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو جواب دیا کہ وہ کچھ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ اپنے گھر کے لئے چھوڑ آتے۔ آپ نے کہا ہمارے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہیں۔

صدقات، خیرات اور ہر قسم کی امداد میں دوسرے صحابہؓ میں پیش پیش رہتے۔ حضرت عمرؓ نے کئی بار کوشش کی کہ وہ خیرات و صدقات میں

آپ سے بڑھیں لیکن وہ کچھ بھی کرتے حضرت ابوبکرؓ اُن سے بڑھ کر کرتے۔ آپ اپنے نفس کو بھول کر لوگوں کی خدمت کرتے اور اسے باعث سعادت سمجھتے۔ مدینہ میں ایک عورت نابینا تھی۔ آپ ہر روز صبح اس کے پاس جاتے اور اس کے ضروری کام کر آتے۔

تواضع

لوگوں کی خدمت کرنے میں ذرا بھر عار محسوس نہیں کرتے تھے اور بڑھ بڑھ کر ایسے کاموں میں حصہ لیتے۔ محلہ والوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیتے۔ چنانچہ جب آپ خلیفہ بنے تو محلہ کی ایک لڑکی نے کہا اب ہماری بکریاں کون دوہا کرے گا؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا "خدا کی قسم میں تو ہی دوہا کروں گا۔ امید ہے خلافت خدمت خلق میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔" لوگوں کی خدمت کرنے کے بعد آپ اُن سے یہ پسند نہ کرتے کہ وہ اُن کی تعریف کریں۔ اور جب کوئی آپ کی تعظیم کرتا یا تعریف کرتا آپ فرماتے کہ مجھے آپ لوگ کیوں اتنا بڑا سمجھ رہے ہیں میں تو ایک معمولی انسان ہوں اور اپنے آپ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ تکبر اور غرور نام کو نہ تھا۔ جب کوئی فوجی مہم روانہ ہوتی آپ بلا تکلف دور تک اس کے ساتھ پا پیادہ چلتے حالانکہ دوسرے لوگ سوار ہوتے تھے۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی کا وصف بھی آپ میں نمایاں تھا۔ مہمان کی خدمت اور تواضع میں اگر ذرا بھی کوتاہی ہو جاتی تو آپ خفا ہوتے۔ ایک دفعہ گھر میں کچھ مہمان آئے۔ آپ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰنؓ کو ہدایت کی کہ میں ذرا رسول اللہ ﷺ کے پاس جا رہا ہوں اس لیے مہمانوں کی خدمت تمہارے سپرد کئے جاتا ہوں۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو مہمانوں نے کہا کہ جب تک حضرت ابوبکرؓ نہ آئیں گے ہم اکیلے کھانا نہیں

کھانے لگے چنانچہ انتظار ہوتا رہا۔ کافی دیر بعد حضرت ابوبکرؓ واپس لوٹے اور دیکھا کہ مہمان ابھی تک بھوکے ہیں۔ آپ عبدالرحمٰن پر بہت برہم ہوئے اور اُسے ڈانٹا۔ لیکن مہمانوں نے بات واضح کر دی تب آپ خاموش ہوئے اور سب نے ملکر کھانا کھایا۔

گھریلو زندگی اہلِ گھر سے نہایت محبت اور شفقت سے پیش آتے لیکن اس کے باوجود گھر کے تمام افراد آپ سے ڈرتے کہ کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ آپ کا رعب و جلال اس قدر تھا کہ حضرت عائشہؓ نے جب یہ سُنا کہ واقعہ افک کا علم آپ کو ہو چکا ہے۔ تو مارے خوف کے گر پڑیں۔ اس کے باوجود حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ سے سب سے زیادہ پیار کرتے تھے اور انہیں دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اپنی سب سے زیادہ عزیز چیز حضرت عائشہؓ جب آپ نے آنحضرتؐ کو دے دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت عائشہؓ سے سب سے زیادہ پیار کرنے لگے۔

پوشاک حضرت ابوبکرؓ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لباس موٹے قسم کے کپڑوں کا ہوتا تھا۔ لیکن صفائی بہر حال پیش نظر رہتی۔ گھر میں رہنے سہنے کا سامان بالکل معمولی اور صرف ضرورت کی اشیاء پر مشتمل تھا۔ بلکہ بعض اوقات تو خود اپنی ضروریات کی چیزیں دوسرے محتاج اور نادار لوگوں کو دے دیتے اور اپنی خلافت میں تو اور بھی زیادہ سادہ زندگی کر دی تھی۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے معاش کا سلسلہ جاری رکھنا دشوار ہو گیا تو بیت المال سے ضرورت کے مطابق رقم لیا کرتے۔ لیکن یہ معمولی رقم بھی طبیعت پر بوجھ کا باعث تھی چنانچہ وفات کے قریب وصیت کر دی کہ میری فلاں زمین فروخت کر کے وہ تمام رقم بیت المال کو واپس کر دی

جائے جو اب تک میں نے چکا ہوں۔

شجاعت

شجاعت اور مردانگی آپ کا ایک اعلیٰ وصف تھا۔ بڑے سے بڑے خطرے کو بھی اسلام کی خاطر گوارا کیا۔ جب آنحضرت صلعم کو ہجرت مدینہ کا حکم ہوا۔ تو اس وقت صرف حضرت ابوبکرؓ ہی آپ کے ہمراہ تھے۔ حالانکہ خطرہ بہت زیادہ تھا۔ رسول اللہ صلعم کی گرفتاری کے انعام کا اعلان ہو چکا تھا۔ اور کفار مکہ آپ کی تلاش میں ہر طرف گھوم رہے تھے۔ اکثر غزوات میں آپ رسول اللہ صلعم کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ عہد خلافت میں آپ کی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے ہی فتنہ ارتداد ختم ہوا اور مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کر کے اس فتنے کا بھی سر کچل دیا باوجود اس بات کے کہ دوسرے تمام صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ کو مانعین زکوٰۃ کے خلاف لڑنے سے منع کرتے تھے۔

رعب و جلال

حضرت ابوبکرؓ گو بہت زیادہ نرم دل تھے لیکن معاملات کو درست رکھنے اور دینی کاموں کا پورا پورا اہتمام رکھنے میں آپ بڑے سخت تھے۔ اس سلسلے میں آپ کا رعب و جلال مشہور تھا۔ آپ غضبناک ہو کر غلط کاموں اور خلاف شریعت باتوں کو روکتے جب آپ کو ایسی باتوں پر غصہ آتا تو لوگ سہم جاتے۔ آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن جب یہ دیکھتے کہ حضرت ابوبکرؓ کسی وجہ سے ان پر ناراض ہیں یا ہوں گے تو وہ ان کے سامنے نہ آتے اور جب تک حضرت ابوبکرؓ کا غصہ ٹل نہ جاتا آپ غائب رہتے۔ واقعہ افک میں جب حضرت عائشہؓ کو پتہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کو بھی واقعہ کا علم ہو گیا ہے۔ تو آپ مارے ڈر کے بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔

وفات حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

حضرت ابوبکر رضؓ کا عہد خلافت سوا دو سال تھا۔ وفات سے پندرہ دن پہلے آپ کو بخار آیا اور وفات تک شدتِ مرض میں مبتلا رہے۔ آخری دنوں میں حضرت عمر رضؓ کو صحابہ رضؓ کے مشورہ سے خلیفہ دوم نامزد کیا۔ اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضؓ کو وصیت کی کہ فلاں زمین جو اسے دے دی گئی ہوئی ہے۔ ہوسکے تو بیچ کر وہ رقم واپس بیت المال میں دے دی جائے جو اپنے تک خلافت کے کام کی زیادتی کی وجہ سے مجبوراً بیت المال سے لیا کرتے تھے۔ آخر ۶۳ سال کی عمر میں ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ بروز دوشنبہ (پیر) مالک حقیقی سے جا ملے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

سوالات

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہد حکومت کے ابتدائی مراحل لکھو اور بتاؤ کہ انہوں نے ان مشکلات پر کیسے قابو پایا؟

۲۔ فتنۂ ارتداد کیسے رونما ہوا اور اس کو کیسے دور کیا گیا؟

۳۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خدمتِ دین کے لئے کیا کچھ کیا؟

۴۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عادات و خصائل بیان کرو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(عہدِ خلافت ۱۳ھ - ۲۳ھ)

نام و نسب

آپ کا نام عمر رضہ تھا اور فاروق لقب۔ کنیت ابو حفص تھی جو بہت کم مشہور تھی۔ آپ کے والد کا نام خطاب اور والدہ کا حنتمہ تھا۔ آپ خاندان قریش کے بنی عدی میں سے تھے، اور آٹھویں پشت میں سلسلۂ نسب آنحضرت صلعم سے جا ملتا تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ آپ کی پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے تیرہ سال بعد ہوئی۔

قبل از اسلام زندگی

آپ بچپن ہی سے نہایت شجاع، دلیر اور حق گو تھے۔ جوان ہوئے تو لکھنا پڑھنا سیکھا۔ سپہگری، شہسواری اور دوسرے جنگی کمالات میں نام پیدا کیا۔ آپ نے خطابت میں بھی مہارت حاصل کی۔ ذریعہ معاش تجارت تھی۔ اس لیے دور دور ممالک میں سفر کرتے۔ تجارتی اور لین دین کے معاملات میں بڑی فہم و فراست سے کام لیتے۔ چنانچہ معاملہ فہمی کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ اور جب کوئی اس سلسلے میں قبائل میں تنازعہ ہوتا تو قریش آپ کو ہی تصفیہ کے لئے بھیجتے۔

قبولِ اسلام

آپ کی عمر ستائیس برس کی تھی جب آنحضرت صلعم

نے نبوت کا اعلان کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نئی چیز پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوئے بلکہ اس کے دشمن بن گئے اور جو کوئی اہل مکہ میں سے مسلمان ہوتا اُسے سخت بُرا بھلا کہتے۔ بعض کو اتنا مارتے کہ بے ہوش کر دیتے ایک دن آپ نے ارادہ کیا کہ (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم کو ہی قتل کر دیا جائے تاکہ یہ نیا سلسلہ جو قائم ہو رہا ہے اس کا سر سے سے خاتمہ ہی ہو جائے چنانچہ آپ تلوار لے کر گھر سے نکلے۔ آنحضرت صلعم اس وقت حضرت ارقم مخزومی رضی کے مکان میں تھے۔ جہاں وہ اکثر مسلمانوں کو درس قرآن دیا کرتے تھے۔ راستے میں حضرت عمر رضی کو ایک شخص نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا: کیا بات ہے آج اتنے غصہ میں کدھر کا ارادہ ہے؟ حضرت عمر رضی نے جواب دیا: آج میں محمد کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ تاکہ اسلام کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔ نعیم بن عبداللہ کہنے لگے میاں اپنے گھر کو تو سنبھال لو، تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اور زیادہ برہم ہوئے اور بہن کے گھر جا پہنچے۔ اتفاق سے بہن تلاوت قرآن میں مصروف تھی حضرت عمر رضی نے قرآن کے الفاظ سن لئے لیکن اُن کی بہن نے انہیں دیکھ کر قرآن کے اوراق چھپا لئے۔ آپ نے بہن سے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم مرتد ہو گئی۔ (یعنی اپنے آبائی دین سے پھر گئی) پھر آپ بہن کو مارنے لگے یہاں تک کہ اُن کا جسم لہولہان ہو گیا۔ لیکن بہن ثابت قدم رہی اور بولی وہ اے عمر! میں بلاشبہ مسلمان ہو چکی ہوں اور خواہ کچھ ہو اسلام سے پھر نہیں سکتی"۔ بہن کو خون میں رنگی ہوئی دیکھ کر جوش ٹھنڈا ہوا اور بولے مجھے وہ اوراق دکھاؤ جو تم پڑھ رہی تھی۔ بہن نے اوراق دے دیئے اور وہ پڑھنے لگے۔ سورہ حدید لکھی ہوئی تھی۔ ایک ایک آیت پہ غور کرنے لگے

ہدایت الٰہی کا وقت آچکا تھا۔ ایک ایک لفظ دل پر نقش ہوتا گیا۔ جب آپ نے یہ آیت پڑھی اٰمِنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) تو بے اختیار منہ سے نکلا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور اٹھے اور حضرت ارقم مخزومی رضی کے گھر پہنچے۔ دروازہ پر دستک دی اور تلوار ابھی تک ہاتھ میں تھی۔ ایک صحابی نے دروازہ کے سوراخ میں سے دیکھا اور رسول اللہ ؐ سے عرض کیا کہ عمر رضی شمشیر بکف کھڑے ہیں۔ حضرت حمزہ رضی موجود تھے انہوں نے کہا کہ دروازہ کھول دو اور عمر رضی کو اندر آنے دو۔ اگر وہ نیک ارادہ سے آئے ہیں تو اچھا ہے ورنہ انہی کی تلوار سے ان کا سر کاٹ دوں گا۔ لیکن رسول اللہ ؐ تو منتظر تھے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ آنحضرت ؐ نے عمر رضی کا دامن پکڑ کر کہا کیوں عمر رضی کس نیت سے آئے ہو؟" حضرت عمر رضی کے جسم میں کپکپی طاری ہو گئی اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"ایمان لانے کے لئے" آنحضرت ؐ اور صحابہ رضی کو اس قدر خوشی ہوئی کہ سب نے بے اختیار اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ اسلام کا پہلا نعرہ تھا۔ اور اتنا بلند تھا کہ گرد و نواح کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ یہ ۶ سنہ یعنی ہجرت سے چھ سال پہلے کا واقعہ ہے۔

حضرت عمر رضی کے مسلمان ہو جانے پر ایک زبردست ہنگامہ برپا ہوا۔ مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی اور ادھر کفار اپنا ایک بہادر آدمی کھو کر پریشان تھے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔ لیکن یہ قلیل تعداد کفار سے ہر وقت سہمی رہتی تھی اور مسلمان چھپ چھپ کر تبلیغ اسلام کرتے اور قرآن کا درس دیتے۔ حضرت عمر رضی کے اسلام لاتے ہی

مسلمانوں کا نقشہ بدل گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: "عمرؓ جب سے مسلمان ہوئے ہم لوگ غالب آتے گئے"۔ حضرت عمرؓ سے پہلے جتنے بھی لوگ مسلمان ہوئے سب خفیہ طور پر اسلام لائے کیونکہ حالت یہ تھی کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنا بھی ایک عظیم خطرہ مول لینا تھا۔ کفار مسلمانوں کے سخت دشمن تھے لیکن حضرت عمرؓ اعلانیہ طور پر مسلمان ہوئے تھے۔ اس لئے کفار کو بہت صدمہ پہنچا۔ اُن کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کفر کی بنیادیں ہل گئیں۔ چنانچہ کفارِ مکہ جوش و خروش سے حضرت عمرؓ کے گھر پر اُمڈ آئے۔ شاید اس خیال سے کہ حضرت عمرؓ کو قتل کر دیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے رشتہ داروں اور عزیزوں نے پناہ دی اور آپ کے ماموں عاص بن وائل سہمی نے کفار کو ڈانٹ دی کہ عمرؓ کو میں پناہ دیتا ہوں تم میں سے کس کی مجال ہے کہ عمرؓ پہ ہاتھ اُٹھائے۔ چنانچہ کفار لوٹ گئے۔

حضرت عمرؓ ایک بہادر اور شجاع انسان تھے۔ وہ اسلام لا کر بھی کفار سے ڈرتے نہیں تھے۔ وہ صرف حالات کا جائزہ لے رہے تھے کہ میرے اسلام لانے سے کفار پہ کیا گزرتی ہے۔ ورنہ ڈر والی بات ہوتی تو آپ اعلانیہ مسلمان نہ ہوتے بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح چھپکے چھپکے مسلمان ہو جاتے۔ آپ اُٹھے اور کفار کے ایک بڑے اجتماع میں اعلان کر دیا کہ عمرؓ مسلمان ہو چکا ہے آج سے مسلمان اعلانیہ اپنے مذہبی فرائض سرانجام دیں گے اور خانہ کعبہ میں نماز ادا کیا کریں گے کسی کو ہمت ہو تو آ کر مسلمانوں کو روک لے۔ چنانچہ آپ مسلمانوں کی قلیل تعداد کے ساتھ خانہ کعبہ پہنچے اور نماز ادا کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حق و باطل میں اعلانیہ فرق ظاہر ہوا چنانچہ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو فاروق (حق و باطل میں امتیاز کرنے والا) کا لقب عطا فرمایا۔

ہجرتِ مدینہ

حضرت عمرؓ کو اسلام لائے چھ سات سال کا عرصہ گزر چکا تھا کہ مسلمانوں کو آنحضرتؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ کو بھی اجازت ملی کہ ہجرت کر جائیں۔ اس زمانہ میں کفارِ مکہ مسلمانوں پہ بہت زیادہ مظالم ڈھا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ چند ساتھیوں کے ساتھ اعلانیہ نکلے، خانہ کعبہ کا طواف کیا، نماز ادا کی اور کفارِ مکہ سے مخاطب ہو کر کہا "جس کسی کی ہمت ہو مجھ سے مقابلہ کرے اور اگر اسے یہ منظور ہو کہ اس کی ماں اس پہ نوحہ کرے تو وہ مکہ سے باہر اس وادی میں آئے اور مجھ کو ہجرت سے روکے۔" لیکن کسی کافر کو ہمت نہ ہوئی کہ مقابلہ کے لئے نکلتا۔ آپ بڑی شان و شوکت سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ تھوڑی مدت بعد آنحضرتؐ بھی حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ ہجرت فرما کر مدینہ پہنچ گئے۔

ہجرت سے پہلے مسلمان بغیر اذان کے نماز ادا کیا کرتے تھے۔ مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر ہوئی کچھ عرصہ تک یہاں بھی نماز کا پہلا طریقہ ہی قائم رہا۔ لوگ نماز کے وقت مسجد میں آ جاتے اور نماز ادا ہو جاتی لیکن اس طریقہ میں دقت تھی۔ آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ نماز کے لئے لوگوں کو کیسے بروقت بلایا جائے۔ سب صحابہؓ نے مختلف رائیں دیں۔ کسی نے کہا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ناقوس (سنکھ، گھنٹہ) بجایا جائے۔ بعض نے رائے دی کہ آگ جلا کر خبر کر دی جائے۔ الغرض بہت سے مشورے ملے لیکن حضرت عمرؓ کا مشورہ سب سے بہتر تھا۔ آپ نے کہا کہ ایک شخص کو مقرر کیا جائے کہ مسجد میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے لوگوں کو پکارے۔ آنحضرتؐ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اذان کے الفاظ مقرر کر کے حضرت بلالؓ کے ذمہ یہ کام کیا کہ وہ باقاعدہ ہر نماز کے وقت

اذان دیا کریں۔ چنانچہ یوں حضرت عمرؓ کے مشورے سے ایک ایسی چیز (اذان) کی ابتدا ہوئی جو قیامت تک توحید اور رسالت کو پابند رکھے گی۔

عہدِ رسالت میں تمام غزوات میں شریک تھے۔ غزوات کے علاوہ دوسری کئی جنگوں (سرایا) میں بھی آپ نے حصہ لیا اور فتح و کامرانی سے لوٹے۔ غزوات میں آپ آنحضرتؐ کو مفید مشورے دیتے عام حالات میں بھی حضرت عمرؓ کے مشورے آنحضرتؐ پسند فرماتے۔ بعض دفعہ تو حضرت عمرؓ کے مشوروں کی تائید میں آیات قرآنی نازل ہوئیں۔ ۳ھ میں غزوۂ اُحد کے بعد حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ جو بیوہ ہو چکی تھیں آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں اور اُمّ المومنین کہلانے لگیں۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں حضرت عمرؓ بطور مشیر کام کرتے تھے اس کے ساتھ ساتھ آپ قاضی کی حیثیت سے بھی کام کیا کرتے۔ قرآن مجید کو جمع کرنے کا کام بھی آپ ہی کے مشورے سے شروع ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں یہ اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ ان کے بعد صرف حضرت عمرؓ ہی خلیفہ بننے کے قابل ہیں۔ اور وہ دوسرے صحابہؓ سے افضل ہیں چنانچہ آپ نے وفات کے قریب دوسرے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کو خلیفہ دوم بننے کے لئے نامزد کر دیا۔

انتخاب

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ صدیق کا عہد خلافت کُل سوا دو سال تھا۔ وفات کے قریب آپ نے صحابہؓ سے علیحدہ علیحدہ مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ سے متعلق رائے پوچھی۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور دوسرے صحابہؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ ہی خلیفہ دوم بننے کے قابل ہیں مشورہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ سے مندرجہ ذیل عہد نامہ خلافت لکھوایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

یہ عہد نامہ ابوبکر بن ابو قحافہ کی زندگی کے آخری وقت کا ہے۔ جبکہ وہ آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہونے کے لیئے دنیا سے سفر کر رہا ہے۔ یہ ایسی گھڑی ہے کہ جس میں کافر بھی مومن اور بدکردار بھی عقیدت مند اور جھوٹا بھی سچا ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہارے لیئے عمر رضہ کو خلیفہ منتخب کیا ہے۔ ان کی بات ماننا اور ان کی اطاعت کرنا اس امر میں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت ہو۔ میں نے اپنی ذات اور تمہاری خیر خواہی کی میں نے کوشش پوری کی ہے۔ اگر عمر رض عدل کریں تو ان کی نسبت میرا یہی گمان اور یہی علم ہے۔ اور اگر اس کے خلاف چلیں تو ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ میری نیت تو خیر خواہی کی ہے۔ باقی میں غیب کا علم نہیں جانتا۔"

یہ عہد نامہ خلافت لوگوں میں پڑھ کر سنا دیا گیا۔ خود حضرت ابوبکر رضہ اپنے مکان کے بالاخانے پر چڑھے۔ لوگ مکان کے گرد جمع تھے۔ آپ نے فرمایا میں اپنے کسی عزیز کو یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کر رہا۔ بلکہ ایسے شخص کو خلیفہ بنا رہا ہوں جو تم سب میں بہتر ہے۔ لوگ خاموش رہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضہ نے حضرت عمر رضہ کو چند نصیحتیں کیں۔ اور ان کے لیئے دعا بھی کی۔ پھر آپ گھر میں آ گئے اور حضرت عائشہ رضہ کو کچھ وصیتیں کیں اور دوسرے گھر والوں سے متعلق ہدایات فرمائیں۔

فتوحات

حضرت ابوبکر رضہ کے عہد میں عراق شام میں مسلمانوں نے کچھ علاقے فتح کئے

سنہ ۱۳ھ ۔ آخری جنگ یرموک کے مقام پر ہوئی تھی جس میں حضرت خالد بن ولید رضہ کی وجہ سے مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ حضرت خالد رض کو خلیفہ اول نے عین وقت پر عراق سے فوجی دستے کے ساتھ یرموک پہنچنے کا حکم دیا تھا چنانچہ حضرت خالد رض یرموک جانے سے پہلے مثنیٰ ابن حارثہ رض کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے خود عراق سے روانہ ہوئے۔ حضرت خالد رض کی عراق سے عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایرانیوں نے پھر مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں شروع کردیں مثنیٰ ابن حارثہ رض کو معلوم ہوا تو وہ وقتی طور پر اپنا جانشین مقرر کر کے خود مدینہ پہنچے اور حضرت ابوبکر رض کو حالات سے آگاہ کیا۔ حضرت ابوبکر رض اس دن سخت بیمار تھے۔ اور وہ ان کی زندگی کا آخری دن تھا چنانچہ حضرت ابوبکر رض نے حضرت عمر رض کو کہا کہ عراق کی مہم بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے فوج مہیا کر کے روانہ کر دینا۔

فتح عراق

حضرت عمر رض نے خلیفہ اول کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے عراق کی مہم کی طرف توجہ دی۔ عرب کے تمام قبائل حضرت عمر رض کی بیعت کے لئے آرہے تھے۔ اس لیے آپ نے موقع دیکھتے ہوئے ان لوگوں میں جہاد کا جوش ابھارنے کے لئے تقریر کی۔ اہل عرب چونکہ مدت سے ایرانیوں سے خوفزدہ تھے۔ اس لئے حضرت عمر رض کی تقریر کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ آپ برابر کئی روز وعظ اور تقریریں کرتے رہے۔ مثنیٰ بن حارثہ رض بھی ایک مجمع میں اٹھے اور کہا کہ "لوگو! ایرانیوں کو حقیر سمجھو ہم ان کو آزما چکے ہیں۔ وہ بہت پست ہمت ہیں۔ ہم نے کئی بار ان کو شکست فاش دی ہے۔ ان کے زرخیز علاقے ہمارے قبضہ میں ہیں۔ اور ہم سے سہمے ہوئے ہیں" مثنیٰ کی اس تقریر سے لوگ متاثر ہوئے۔ حضرت عمر رض پھر اٹھے

اور ایسی پرجوش تقریر کی کہ لوگ جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے ابو عبید ثقفی اٹھے اور اپنے آپ کو عراق کی مہم پر جانے کیلئے پیش کیا۔ اس کے بعد دوسرے لوگ بھی اٹھنے لگے۔ حضرت عمر نے ابو عبید ثقفی کو فوج کا سپہ سالار مقرر کیا اور تقریباً پانچ ہزار فوج دے کر عراق روانہ کیا۔

ایران میں ایک خاتون پوران دخت تخت نشین تھی۔ اس نے ایران کے ایک نامور اور بہادر شخص رستم کو اپنی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے حکم دیا۔ نتیجہ یہ ہوا سب سے پہلے عراق کے علاقوں میں ایرانیوں کے [illegible] اور [illegible] جابان [illegible] کا [illegible] کی فوج [illegible] کے [illegible] میں [illegible] ایرانیوں کے دو لشکر [illegible] نرسی اور جابان دو سپہ سالاروں کے تحت تھے۔ جابان نے مقام نمارق پر [illegible] مسلمانوں سے جنگ [illegible] ہوا۔ ابو عبید [illegible] فوج کے ساتھ [illegible] حملہ کیا اور ایرانی فوج کو شکست دے دی۔ جابان گرفتار ہو کر ابو عبید کے سامنے پیش کیا گیا۔ گرفتار کرنے والا ایک معمولی عرب تھا جس نے جابان کے [illegible] امان [illegible] کا وعدہ [illegible] تھا [illegible] امان [illegible] کہ ایک مسلمان نے [illegible] امان دی ہے [illegible] رہا کر دیا۔

نمارق [illegible] کی [illegible] سپہ سالار نرسی کی [illegible] فوج کے ساتھ [illegible] کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ترمی اور جابان کی شکست پر رستم اور بھی برہم ہوا۔ اس نے چار ہزار
تازہ دم فوج مقابلہ کے لیے روانہ کی جس کا سپہ سالار مردان شاہ ذوالحاجب کے
لقب مہران یا بہمن تھا۔ یہ فوج دریائے فرات کے مشرقی ساحل پر اتری
اسلامی فوج مغربی ساحل پر فروکش تھی۔ ابو عبیدہ دریا کے پار جا کر لڑنے کے لیے
تیار ہو گئے۔ دوسرے فوجی افسروں نے اختلاف کیا کہ ہمیں ادھر ہی رہنا چاہیے
اور ایرانی فوج کو دریا عبور کر کے اس طرف بڑھنے دیا جائے لیکن ابو عبیدہ
اپنی بات پر بضد رہے اور فوج کو دریا پار کرنے کا حکم دے دیا۔
مسلمان دریا پار کر گئے۔ اور ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ایرانی فوج میں
بڑے بڑے ہاتھی موجود تھے۔ عربی گھوڑے ہاتھیوں سے ڈر گئے اور
بھاگنے لگے۔ مسلمانوں کو مجبوراً پیادہ لڑنا پڑا۔ ابو عبیدہ رض سب سے
پہلے سفید ہاتھی کی طرف بڑھے اور تلوار سے ہاتھی کی سونڈ پر وار
کیا لیکن ہاتھی نے بڑھ کر حملہ کیا جس سے ابو عبیدہ رض گر پڑے اور
ہاتھی کے پاؤں سے شہید ہو گئے۔ ایرانیوں نے ثابت قدمی سے جنگ جاری
رکھی ہزاروں مسلمان شہید ہو گئے۔ مزید غلطی یہ ہوئی کہ ایک مسلمان نے اس
خیال سے کہ اسلامی فوج بھاگ نہ جائے اور ثابت قدمی سے لڑے جا کر
کشتیوں کے پل کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ اس سے مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا
مثنیٰ بن حارثہ رض بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے گئے اور
پیچھے آنیوں کو کھینچ کر دوبارہ پل بنوایا اور اس طرح باقی فوج دریا پار کر کے
واپس پہنچی۔ اس جنگ میں تقریباً چھ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ نو ہزار میں سے صرف تین ہزار
واپس آ سکے۔

حضرت عمر رض کو اطلاع ملی تو انہوں نے مزید فوج مثنیٰ کی امداد کے لیے روانہ
کی۔ خود مثنیٰ نے بھی عراق کے علاقوں سے فوج مرتب کی۔ پھر ساری اسلامی فوجیں

دوبارہ حملہ کی تیاریاں کرنے لگیں۔ اُدھر حضرت عمرؓ قبائل عرب میں جا بجا پُرجوش
تقریریں اور خطبے دینے لگے۔ تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے علاوہ عرب کے
عیسائی قبائل بھی ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ وہ کہنے لگے کہ آج عرب اور
عجم کی جنگ ہے۔ ہم گو عیسائی ہیں لیکن عربی قوم ضرور ہیں۔ اس لئے ہم مسلمانوں
کے ہم قوم (عربی) ہونے کی وجہ سے ضرور ساتھ دیں گے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے
جریر بن عبداللہ بجلی کی سرکردگی میں عرب کا ایک مختصر لشکر بطور کمک روانہ کیا۔
اسلامی فوجوں کا یہ دوبارا اجتماع مقام بُویب کے قریب فرات کے کنارے ہوا۔ جہاں
ایرانی مزید فوج کے ساتھ مقیم ہو رہے تھے۔ ایرانی فوج کا سپہ سالار مہران [illegible]
کے [illegible] کنارے پُل [illegible] مہران [illegible] ایرانی فوج [illegible] آگے [illegible]
نے [illegible] کر دریا کا پُل روک لیا۔ چنانچہ جب ایرانی دریا کی طرف [illegible]
جاتا کہ [illegible] اس دفعہ ایرانی فوج دریا پار کر کے مسلمانوں کی طرف [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ایرانیوں کو [illegible] مسلمانوں کو [illegible]
کی [illegible] ایرانی [illegible]

[illegible] ایرانی [illegible]

[illegible]

اور اس کی [illegible] ایرانی [illegible]
[illegible]
[illegible] جنگ [illegible]
[illegible]

ہو جاتی اور خود تمام عرب سے فوج اکٹھی کرنی شروع کی۔ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کو جو ایک معزز تھے اور آنحضرتؐ کے ماموں بھی تھے۔ اس مہم کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور تقریباً بیس ہزار فوج جمع کر لی۔ اس فوج میں ستر ایسے صحابہ رضؓ تھے جنہوں نے غزوہ بدر میں حصہ لیا تھا۔ تین سو وہ اشخاص تھے جو بیعت رضوان میں شامل تھے اور سات سو کے قریب اشخاص صحابہؓ کی اولاد ہونے کا شرف رکھتے تھے۔

اسی اثنا میں مثنیٰ بن حارثہ رضؓ جو پچھلی جنگ میں سخت زخمی ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ بیمار رہ کر فوت ہو گئے۔ وفات سے پہلے کچھ وصیتیں لکھیں اور دوسری ضروری چیزیں بھی حضرت سعدؓ کو دینے کے لیے اپنے بھائی کو نصیحت کی۔ مثنیٰ رضؓ کے بھائی نے یہ تمام چیزیں حضرت سعدؓ کے آنے پر ان کو پہنچا دیں۔

حضرت عمرؓ نے لشکر کی تقسیم اور ترتیب خود کی اور آپ ہی نے حضرت زبیر رضؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کو بالترتیب فوج کے دائیں حصے (میمنہ) پر، اگلے حصے یعنی حصہ پیش (مقدمہ) اور بائیں حصے (میسرہ) پر مقرر کیا۔ حضرت سعدؓ سپہ سالار کی حیثیت سے تمام فوج لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ضروری ہدایات دیں اور کہا کہ مجھے برابر ادھر کا مفصل جائزہ بلکہ حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔ اسلامی فوج سب سے پہلے مقام شراف پر ٹھہری بعد میں فرمان ملا کہ قادسیہ پہنچ جاؤ۔ چنانچہ حضرت سعد رضؓ قادسیہ پہنچ گئے۔ قادسیہ ایران کے پایہ تخت مدائن سے تقریباً تین منزل پر تھا۔ تھوڑے دنوں بعد مدینہ سے حکم ملا کہ جنگ سے پہلے ایران میں کچھ سفیر بھیجے جائیں جو ان لوگوں کو دعوت اسلام دیں۔ حضرت سعدؓ نے چودہ اشخاص چنے اور ایرانی دربار میں بھیج دیئے۔ ایرانی اپنی دولت اور طاقت کے نشے میں تھے۔ ایک نہ سنی چنانچہ اسلامی سفارت ناکام لوٹ آئی۔

قادسیہ کے قریب دوسری طرف رستم ایک لاکھ بیس ہزار ایرانی فوج
لیے فروکش تھا۔ چھ ماہ تک دونوں طرف خاموشی رہی۔ رستم مصالحت وغیرہ
کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن ہر بار مسلمانوں کی طرف سے ایک ہی جواب ہوتا تھا
کہ اسلام قبول کرلو۔ یا جزیہ دے کر ہماری حفاظت میں رہو یا پھر جنگ سے
فیصلہ ہوگا۔ آخر محرم سنہ ۱۴ھ میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ حضرت سعدؓ
اتفاق سے سخت بیمار ہو گئے۔ اس لیے وہ ایک پرانے محل کے اوپر بیٹھ گئے
اور وہاں سے بیٹھے خالد بن عرفطہ کو حکم نامہ لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے۔ خالد
بن عرفطہ آگے فوج کو حکم سنا دیتے۔ دوپہر کے وقت لڑائی شروع ہوئی۔ ایرانی
ہاتھیوں نے طوفان برپا کر دیا۔ عربی گھوڑے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہرحال شام تک
لڑائی جاری رہی اور رات کو دونوں فوجیں اپنے اپنے مورچوں میں آ گئیں۔

اگلے روز پھر لڑائی شروع ہوئی۔ اتفاق سے مہم شام کی فوج جو حضرت
عمرؓ کے حکم سے وہاں پہنچی تھی مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی اور بڑے جوش سے
لڑتے رہے۔ تمام دن لڑائی جاری رہی۔ لیکن فتح و شکست کا فیصلہ ہوئے
بغیر جنگ رات کے سبب بند ہو گئی۔

تیسرے روز بڑے زور کا معرکہ ہوا۔ مسلمانوں نے اونٹوں پر سیاہ
جھول ڈال دیئے لیکن ہاتھیوں نے پرواہ نہ کی۔ آخر حضرت سعدؓ نے مشورہ کر کے
یہ طے کیا کہ ایرانی ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے ان کی سونڈیں اور
آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت قعقاعؓ، حضرت بلالؓ
اور حضرت عاصمؓ کو اس کام پر لگا دیا۔ ان تینوں بہادروں نے نیزوں اور
برچھیوں سے ایرانی ہاتھیوں کی آنکھیں نکال دیں۔ حضرت قعقاعؓ نے بڑھ کر
سب سے بڑے سفید ہاتھی پر وار کیا اور اس کی سونڈ الگ کر دی۔ ہاتھی

چنانچہ ہاتھی بھاگا تو دوسرے ہاتھیوں نے بھی اسی طرف رخ کر کے بھاگنا شروع کیا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ایرانیوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ رستم چوبیس گھڑی ہمت اور ثابت قدمی سے لڑ رہا تھا۔ آخر زخموں سے نڈھال ہو گیا اور میدان جنگ سے بھاگ کر ایک نہر میں کود گیا۔ ہلال نامی ایک مسلمان نے تعاقب کیا اور کھینچ کر باہر نکالا اور قتل کر دیا۔ رستم کا قتل ہونا تھا کہ ایرانی بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے ہزاروں کو ڈھیر کیا۔

ابو محجن ایک بہادر نڈر سپاہی اور صحابہ میں سے تھے۔ ان پر شراب پینے کا جرم لگایا گیا تھا۔ حضرت سعدؓ نے انہیں پکڑ کر اپنے گھر میں قید کر رکھا ہوا تھا۔ جب قادسیہ کی تیسرے دن کی لڑائی زوروں پر تھی۔ تو ابو محجن نے حضرت سعدؓ کی بیوی حضرت سلمیٰؓ سے کہا کہ آپ مجھے چھوڑ دیں تاکہ میں اس لڑائی میں داد شجاعت حاصل کروں۔ اگر مارا گیا تو سزا دہی مل جائے گی اور اگر واپس آ گیا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔ حضرت سلمیٰؓ نے انہیں رہا کر دیا۔ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور نیزہ لے کر میدان جنگ میں کود پڑے۔ اس جرأت اور بہادری سے لڑے کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ ہر شخص کہتا یہ کون آدمی ہے جو اچانک آ کر اتنی بہادری سے حملہ آور ہوا ہے۔ لڑائی ختم ہوئی تو واپس آ کر پھر بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سعدؓ آئے تو کہا کہ اتنے بہادر شخص کو جو اسلام کی خاطر جہاد کرے قید نہیں رکھا جا سکتا چنانچہ اسی وقت رہا کر دیا گیا۔ ابو محجن بولے کہ میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ کبھی شراب کے قریب نہیں پھٹکوں گا۔ آج سے میری توبہ۔

اس جنگ میں تقریباً آٹھ ہزار مسلمان شہید ہو گئے۔ ایرانیوں کے مقتولین کا تو کچھ اندازہ نہ تھا۔ بے شمار دریا میں غرق ہوئے اور بے شمار

سے زمانہ میدان میں ثابت قدم رہے۔ سلطان محمود غزنوی نے بھی ان کی [illegible]
مدد کی۔ ہر روز رات کو زخمیوں کی مرہم پٹی اور ان کی دیکھ بھال کا کام کرتیں۔
حضرت [illegible] لیے فتح کی خوشخبری [illegible] [illegible]
جیسی۔ حضرت کو خوشخبری کا انتظار رہتا تھا۔ [illegible] آپ ہر روز
فتح [illegible] باہر چلے جاتے اور دوپہر تک قاصد کا انتظار کرتے رہتے۔
ایک دن قاصد فتح کی خوشخبری لے کر آیا۔ اور اس کی سواری [illegible]
[illegible] تھی۔ قاصد حضرت [illegible] آگیا۔
حضور [illegible] گھوڑا [illegible] [illegible]
طرف [illegible] شہر کے قریب [illegible]
پکارے اور سلام کیا۔ قاصد [illegible] اور [illegible]
"یا امیر المؤمنین [illegible] آپ [illegible]
باہر ہی [illegible]" حضرت [illegible] فرمایا [illegible]
[illegible] سے آگاہ کر دیا۔
شیخ فارسی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

حضرت عمرؓ متفکر تھے کہ مسلمانوں کی پشت پر مقام اُبلا ہے جہاں سے ایرانیوں کے حملہ کا اندیشہ ہے چنانچہ انہوں نے مدینہ سے عتبہ بن غزوان کی سرکردگی میں ایک فوجی دستہ روانہ کیا۔ یہ فوجی دستہ بڑی ہمت سے بڑھا۔ اور اُبلا کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد قریب ہی علاقہ میں ٹھہر گئے۔ اور بصرہ شہر کی بنیاد رکھی تھوڑے ہی عرصہ میں بصرہ ایک شہر آباد ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد بابل کے لوگوں نے صلح کر لی۔ مسلمان بہرہ شیر کی طرف بڑھے اور دو ماہ تک محاصرہ رکھا آخر جھڑپیں ہوئیں اور آس پاس کے دیہات والوں نے بھی صلح کر لی۔

فتح مدائن

مسلمان بہرہ شیر فتح کر چکے تو اس کے بعد ایران کا پایۂ تخت مدائن قریب تھا۔ صرف دریائے دجلہ درمیان میں رکاوٹ تھا۔ ایرانیوں نے دریا کا پل توڑ دیا تاکہ مسلمان آسانی سے دریا پار نہ کر سکیں لیکن مسلمان دریا سے ڈرنے والے نہ تھے۔ حضرت سعدؓ آگے بڑھے۔ اور اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ چنانچہ ساری اسلامی فوج دریا میں اتر گئی۔ دریا میں پانی زور کا تھا۔ اور بڑی تیزی سے چل رہا تھا۔ مسلمان مجاہد نظم کے ساتھ قطاروں میں دریا میں اُترے تھے۔ اور اسی طرح نظم کے ساتھ بلا خوف و خطر دریا پار کر گئے۔ ادھر ایرانی کنارے پر یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ گھبرا کر بھاگ گئے یزدگرد بادشاہ یہ دیکھ کر اہل و عیال کے ساتھ حلوان کی طرف بھاگ گیا۔ باقی ایرانیوں نے امان مانگی۔ مسلمان شان و شوکت سے محلات کسریٰ میں داخل ہوئے۔ نمازِ شکرانہ ادا کی۔ جمعہ کا وقت آیا۔ بڑے اہتمام سے نمازِ جمعہ ادا ہوئی۔ سرزمین ایران و عراق میں یہ پہلا جمعہ تھا۔ مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ حضرت سعدؓ نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا۔

باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ مدینہ بھیجے والے سامان میں ایک بہت بڑا
اور قیمتی فرش تھا۔ حضرت عمرؓ کی رائے سے اس کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔
اور لوگوں میں تقسیم ہوا۔

فتح جلولاء و حلوان

جلولاء مدائن سے حلوان کی طرف تقریباً انیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ شکست خوردہ ایرانی
بھاگ کر جلولاء پہنچ گئے۔ یہاں کا قلعہ بڑا مضبوط تھا۔ ایرانیوں نے آپس میں
مشورہ کر کے قسمیں کھائیں کہ یہاں سے ہم لڑ کر مریں گے۔ چنانچہ انہوں
نے اردگرد حفاظت کے لیے قلعہ کے گرد خندق کھود دی اور باہر چاروں طرف
گوکھرو بکھیر دیئے تاکہ مسلمانوں کو نقل و حرکت میں تکلیف ہو۔ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ
کی ہدایت کے مطابق حضرت ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں بارہ ہزار
فوج دے کر جلولاء کی طرف روانہ کیا۔ اسلامی فوج ... جلولاء
پہنچ گئی۔ ایرانی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے۔ ... مہینے تک محاصرہ جاری رہا۔ ایرانی
باہر نکل کر حملے کرتے تھے۔ ... آخر ایک دن عام حملہ
کیا گیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ... مسلمانوں نے ایک طرف
خندق پاٹ دی اور خندق میں کود کر قلعہ کے اندر ہو گئے ... حضرت قعقاعؓ
... تھے۔ ایرانی گھبرا گئے کیونکہ مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔
بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ... ایرانی
... حضرت قعقاعؓ نے ... اور حلوان
پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان تمام علاقوں پر فوجی دستے مقرر کیے اور مال غنیمت
مدینہ روانہ کر دیا۔ مال غنیمت ... مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ ...
... اور ... سے ...

سلسلہ میں جنبلا ہو کر تباہ ہو جاتی ہے۔

جلولا اور حلوان کے علاوہ اور چھوٹے چھوٹے علاقے مسلمانوں کے زیر ہو گئے۔ تکریت، ماسبذان، ہیت اور قرقیسیا کے شہر قبضہ میں آگئے۔ اس کے علاوہ آس پاس کے لوگوں نے بھی صلح کر کے جزیہ دینا قبول کیا۔ اس طرح تقریباً سارے عراق پر مسلمان قابض ہو گئے۔

آبادی کوفہ

مدائن اور دجلہ کی آب و ہوا عرب مسلمانوں کو موافق نہ آئی ان کے جسم کمزور ہونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو لکھا کہ عراق اور عرب کی سرحد پر کوئی مقام ایسا ڈھونڈیں جس کی آب و ہوا عربوں کے لئے مناسب ہو۔ سلمان اور حذیفہ اس مقصد کے لئے بھیجے گئے۔ آخر ایک جگہ پسند کی گئی اور محرم ۱۷ھ میں حضرت سعدؓ بھی فوجیں لے کر اس مقام پر پہنچ گئے۔ یہ جگہ ریتلی تھی اور عربوں کے مزاج کے بالکل موافق تھی۔ چنانچہ یہاں کوفہ کے نام پر شہر آباد کیا گیا۔ درمیانی حصہ میں ایک جامع مسجد بنائی گئی۔ مسجد سے متصل حضرت سعدؓ کا گھر (قصر سعد) تعمیر کیا گیا۔ شہر کی سڑکیں اور گلیاں کافی فراخ بنائی گئیں۔ فوج کے لئے باقاعدہ چھاؤنی تعمیر کرائی گئی۔

شہر بصرہ کی بنیاد گو اس سے پیشتر رکھی جا چکی تھی لیکن آبادی چند کم تھی۔ مگر کوفہ کا شہر آباد ہوتے ہی بصرہ کا شہر بھی آباد ہونے لگا، اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑا شہر نظر آنے لگا۔

تسخیر جزیرہ

شام اور عراق کے درمیان جزیرہ ایک سرحدی علاقہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے تین فوجی دستے جزیرہ کے علاقہ میں بھیجے گئے۔ تینوں دستوں کے سپہ سالار حضرت عیاضؓ بن غنم

جزیرہ سے عیسائی عرب مقام حمص پہنچ رہے تھے۔ تاکہ رومی فوجوں میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں۔ جب جزیرہ کے عیسائیوں کو معلوم ہوا کہ مسلمان ان کے علاقہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ تو یہ سب لوگ واپس جزیرہ میں پہنچ گئے۔ اسلامی فوج جب جزیرہ کے قریب پہنچی تو عیسائی عرب سہم گئے اور مصالحت کی درخواست کی۔ مقام رہا کے لوگ جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ مقام نصیبین کے عیسائی بھی ذمی بن گئے۔ آس پاس کے لوگ بھی صلح پر آمادہ ہو گئے۔

جب اسلامی فوج جزیرہ پہنچی تو یہاں کے عیسائیوں نے کہا کہ ہم اسلام قبول کرنے پر تیار ہیں مگر ہم سے جزیہ نہ لیا جائے کیونکہ اس سے ہم اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ ہم جزیہ کے بجائے دگنی رقم صدقہ کے نام سے ادا کریں گے حضرت عمرؓ کے حکم سے یہ شرط منظور کر لی گئی۔

فتح خوزستان

خوزستان کا علاقہ بصرہ کے قریب شمال مشرق میں واقع تھا۔ یہاں ہرمزان فوجوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ بصرہ کے مسلمانوں کو خوزستان کی طرف سے دن رات خطرہ رہتا کیونکہ ہرمزان کی فوجیں کبھی کبھی قریبی مسلمانوں سے زیادتی کرتیں اور یہ بات عہد کے خلاف تھی۔ چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ہرمزان کو شکست دی لیکن [illegible] کر خوزستان پر قبضہ کیا گیا۔ پھر ہرمزان [illegible] شہر اہواز کے قریب معرکہ ہوا۔ اسلامی فوجیں جب سامنے آئیں تو ہرمزان بھاگ نکلا۔ اس [illegible] حضرت عمرؓ کو علم ہوا۔ تو انہوں نے [illegible] ذریعہ قسم کے آدمی [illegible] حالات دریافت کرنے کا [illegible] جب [illegible]

ذمیوں (غیر مسلم رعایا) پر ظلم اور تشدد تو نہیں کرتے جو وہ مصالحت کے بعد بھی بغاوت سے باز نہیں رہتے؟" انہوں نے کہا حضرت بالکل نہیں بلکہ ہم ان کا اتنا ہی خیال رکھتے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کے حسن سلوک سے اور لوگ بھی مسلمان ہوں۔" حضرت عمرؓ نے عتبہ کے نام ایک خط لکھ کر بھیجا کہ ذمی علاقوں میں قطعاً ظلم نہ ہو۔ اپنے عہد کا پاس رکھو۔ انصاف سے کام لو۔ ایفائے عہد کی وجہ سے ہی ہم لوگ فتح یاب ہو رہے ہیں۔ اور اگر ہم لوگ زیادتی کرنے لگے تو یقیناً اللہ ہماری مدد نہیں کرے گا۔ اور جو علاقے ہمارے قبضہ میں ہیں وہ ضرور ہم سے چھین لئے جائیں گے۔"

فتح ایران

تسخیر خوزستان کے وقت شاہ ایران یزدگرد مقام مرو مقیم تھا۔ وہ بہت سٹ پٹایا کہ مسلمان ہر طرف پیش قدمی کر رہے ہیں، اور فتح و نصرت ان کے قدم چوم رہی ہے۔ چنانچہ اس نے ایرانیوں کو پھر مذہبی اور قومی جوش دے کر مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکسانا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ کو علم ہوا۔ تو انہوں نے حضرت سعدؓ کو حکم بھیجا کہ عراق میں مقابلہ کو فوج دے کر خوزستان بھیج دو اور بصرہ سے بھی کمک وہاں پہنچائی جائے جب دونوں اسلامی دستے بصرہ اور کوفہ کے دریا تک پہنچے تو حضرت عمرؓ کے حکم سے اس ساری فوج کے سپہ سالار ابو سبرہ مقرر کر دیئے گئے۔ ایرانی فوج خوف زدہ ہو کر مقام تستر بھاگ گئی

ر قلعہ بند ہو گئے۔ ایرانیوں کا سپہ سالار ہرمزان تھا۔ کافی عرصہ محاصرہ رہا مسلمانوں نے قلعہ کا دروازہ توڑ دیا اور شہر میں داخل ہو گئے ہرمزان قید ہوا اور اُس کی خواہش کے مطابق مدینہ میں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا گیا۔ مدینہ پہنچ کر ہرمزان مسلمان ہو گیا۔

جنگ نہاوند

یزدگرد بادشاہ ایرانیوں کو آخری گنا اور اپنے زیر اثر شہروں سے مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگا۔ ایران شاہ کی سرکردگی میں یزدگرد نے ایک بھاری فوج جمع کی تھی۔ نہاوند کی طرف اُن کی حضرت عمرؓ کے حکم سے اسلامی فوج نعمان بن مقرنؓ کی سرکردگی میں مقابلہ کے لیے نکلی۔ نہاوند پر دونوں فوجوں میں تیر اندازی ہوتی رہی پھر جنگ ہوئی۔ نعمان بن مقرنؓ شہید ہو گئے۔ حذیفہ بن الیمانؓ نے قیادت سنبھال لی اور جنگ جاری رکھی۔ شام ہوتے ہوتے ایرانی بھاگ نکلے۔ تیس ہزار کے قریب ایرانی مارے گئے۔ اس جنگ کو فتح الفتوح کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

عام لشکر کشی

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ جب تک ایران کا بادشاہ یزدگرد ایران میں موجود ہے سرکشی اور بغاوت ختم نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ کیا اور لشکر کشی کا ارادہ کیا اور مختلف سپہ سالاروں کے ماتحت کئی دستے ایران کے تمام علاقوں میں بھیجنے کی غرض سے روانہ کئے۔ ہر سردار نے اپنے علاقے کو فتح کیا بغاوتوں سے اور فتح حاصل کی۔ اس طرح تھوڑے ہی عرصہ میں سارا ایران زیر نگین ہو گیا۔ یزدگرد بھاگ کر ترکستان چلا گیا۔

فتح شام

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ملک شام فتح ہونا شروع ہو چکا تھا جب
آپ نے وفات پائی اس وقت تبوک کا علاقہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی جنگی
تدابیر سے فتح ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے دمشق کا علاقہ حضرت
ابو عبیدہؓ کی سرکردگی میں لشکر کی زد میں تھا اور محاصرہ ہو چکا تھا۔

شہر دمشق

دمشق کا شہر چار دروازوں سے مضبوط فصیل سے
گھرا ہوا تھا۔ اور فصیل کے باہر ایک کافی چوڑی اور
گہری خندق تھی جو پانی سے بھری پڑی تھی۔ حضرت ابو عبیدہؓ کے حکم سے
دمشق کے چاروں طرف ہر دروازہ کے آگے اسلامی فوجیں محاصرہ کیلئے بیٹھی
تھیں۔ آخر حضرت خالدؓ کی تدابیر اور کوششیں کام آئیں۔ وہ مشرقی دروازہ
پر پانچ ہزار فوج کیساتھ متعین تھے۔ انہوں نے اپنی فوج کو حکم دیا
کہ مشکوں کے ذریعے تیر کر خندق پار کریں۔ رات کا وقت تھا۔
بہت سے مسلمان خندق پار کر گئے اور سیڑھیوں کے زینے کی مدد سے شہر
میں آ گئے۔ کہتے ہیں کہ اس رات دمشق کے شہر میں ایک بڑے پادری
کے ہاں لڑکا پیدا ہونے پر خوشیاں منائی جا رہی تھیں جس کی وجہ سے دمشق
کے لوگ خوشی و سرمستی میں سب مصروف تھے۔ حضرت خالدؓ جو جنگل میں
چھپے بیٹھے ہوئے تھے جیسے انہیں واقعہ کا علم ہوا تو موقع پا کر شہر میں
یکلخت اندر ہو گئے۔ بہرحال مسلمان شہر میں داخل ہوتے ہی پہرہ داروں پر
ٹوٹ پڑے اور آن کی آن میں سب کو ختم کر کے پلٹا دیا۔ شہر کا بڑا دروازہ
توڑ دیا گیا جس کے راستے حضرت خالدؓ کی باقی فوج بھی شہر میں داخل ہو گئی

رومیوں نے خوفزدہ ہو کر خود ہی شہر کے باقی دروازے کھول دیئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ جو شہر کے دوسری طرف تھے۔ انہیں ابھی معلوم نہیں تھا کہ حضرت خالدؓ شہر میں داخل ہو چکے ہیں۔ رومیوں نے حضرت ابوعبیدہؓ سے جا کر صلح کر لی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے مصالحت قبول کر لی اور فوج کے ساتھ شہر دمشق میں داخل ہوئے۔ شہر کے درمیان پہنچے تو حضرت خالدؓ شہر فتح کرتے ہوئے ملے۔ چونکہ حضرت ابوعبیدہؓ صلح کر چکے تھے۔ اس لئے فتح شدہ علاقہ بھی رومیوں کو واپس دے دیا اور مال غنیمت اور قیدی سب ان کے حوالے کر دیئے۔ دمشق کی فتح سنہ ۱۴ھ میں ہوئی اور تقریباً ڈھائی ماہ کے محاصرے کے بعد یہ شہر فتح ہوا۔

تسخیر فحل

فتح دمشق مسلمانوں کے لئے خوشی کا باعث ہوئی لیکن رومیوں کے لئے سخت ذلت تھی۔ چنانچہ انہوں نے دوسرے علاقوں سے فوجیں جمع کر کے شہر فحل کے قریب مقام بیسان میں صف آرائی کی۔ مسلمانوں کو علم ہوا تو انہوں نے شرحبیل بن حسنہ کی سرکردگی میں فحل میں فوجیں جمع کر لیں۔ رومیوں نے درخواست کی کہ معاذ بن جبلؓ کو مصالحت کے لئے ان کی طرف بھیجا جائے۔ معاذ گئے لیکن صلح کی کوئی صورت نہ بنی۔ آخر ذیقعدہ سنہ ۱۴ھ میں جنگ چھڑ گئی۔ بڑے زبردست معرکے ہوئے لیکن میدان آخرکار مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بے شمار رومی مارے گئے۔ کچھ بھاگ کر جان بچا گئے۔ مسلمان آس پاس کے شہروں پر بھی قابض ہو گئے۔

فتح حمص

حمص میں رومیوں کی کچھ فوجیں جمع تھیں اور شکست خوردہ علاقوں سے بھی لوگ بھاگ گئے تھے۔ وہ بھی یہاں پہنچ گئے

حضرت ابو عبیدہؓ حضرت خالدؓ کے ساتھ فوج لے کر حمص کی طرف بڑھے جاڑے کا موسم تھا۔ سردی شدید پڑ رہی تھی لیکن مجاہدین اسلام ثابت قدمی سے حمص کا محاصرہ کیے رہے۔ آخر تنگ آکر رومیوں نے مصالحت کر لی۔

دیگر شامی فتوحات

اس کے بعد حضرت خالدؓ ایک بھاری فوجی دستہ کے ساتھ قنسرین کی طرف بڑھے۔ راستہ میں مقام حاضر میں کچھ رومی فوجیں جمع تھیں۔ ان سے مقابلہ ہوا۔ خالدؓ نے ایک ہی وار میں ان کے سپہ سالار میناس کو ختم کر دیا۔ بہت سے رومی قتل ہوئے اور باقی قید کر لیے گئے۔ بعد میں قیدیوں نے امان چاہی۔ حضرت خالدؓ نے انھیں چھوڑ دیا۔ حاضر سے حضرت خالدؓ قنسرین گئے۔ اہل قنسرین ایک مضبوط قلعہ میں بند تھے۔ مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے رومیوں کے پاس ایک سفیر بھیجا اور کہلایا کہ:-

اے رومیو! تم بالآخر زیر ہو کر رہو گے۔
اگر تم آسمان پر بھی چڑھ جاؤ تو بھی
نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تم تک
پہنچا دے گا۔ یا وہ تم کو ہم تک اُتار لائے گا۔

اہل قنسرین حضرت خالدؓ کی فتوحات اور جنگی تدابیر سے خوب واقف تھے۔ لہٰذا یہ پیغام سنتے ہی سہم گئے۔ اور مصالحت کر لی۔ حضرت خالدؓ نے قنسرین فتح کرنے کے بعد شام کے باقی شہروں اور علاقوں پر بھی معمولی جھڑپوں کے ساتھ فتح حاصل کر لی۔ مدینہ میں حضرت عمرؓ نے جب خالدؓ کے جنگی کارنامے سنے تو خوشی سے پکار اٹھے:-

اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکر صدیقؓ پر

رحم فرمائے وہ مجھ سے کہیں زیادہ مردم
شناس تھے سچی بات یہ ہے کہ خالدؓ اور
مثنیٰ کو میں نے اس لئے نہیں معزول کیا
تھا کہ مجھے ان دونوں پر کوئی شبہ تھا بلکہ
صرف اس لئے معزول کیا تھا کہ مسلمان محض
انہی پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرنے لگیں"

تسخیر فلسطین

فتح شام کے وقت حضرت عمرو بن عاصؓ ایک بڑے اسلامی لشکر کے ساتھ فلسطین میں پہنچے ہوئے تھے۔ اجنادین میں رومیوں کا سردار ارطبون بڑا چالاک ہوشیار اور معاملہ فہم آدمی تھا۔ وہ بھی ایک کثیر فوج جمع کئے مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے تیار بیٹھا تھا۔

فتح اجنادین

حضرت عمرو بن عاصؓ نے حالات کا پورا پورا جائزہ لے کر حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ کیا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ "میں نے روم کے ارطبون کے مقابلہ پر عرب کا ارطبون (عمرو بن عاصؓ) بھیجا ہے۔ دشمنوں پر شیروں کی طرح حملہ کرو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے بالآخر فتح تمہاری ہوگی!"

حضرت عمرو بن العاصؓ نے اجنادین کا محاصرہ کر لیا۔ فریقین سے سفیر آتے جاتے رہے لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔ ایک دفعہ

حضرت عمرو بن العاصؓ خود بھیس بدل کر سفیر کی صورت میں ارطبون کے دربار میں پہنچ گئے ارطبون سمجھ گیا ۔ کہ یہ عمرو بن عاصؓ ہیں ۔ اس لئے رومی زبان میں ایک درباری کو کہا کہ تم دروازے پر تلوار کے ساتھ چھپے رہو جوں ہی عمروؓ بن عاص نکلیں اس کو قتل کر دینا حضرت عمروؓ بن عاص بھی بہت سمجھدار تھے ۔ معاملہ بھانپ گئے ۔ فوراً سوچ کر ارطبون سے کہا کہ میرے ساتھ نو آدمی اور آئے ہوئے ہیں ۔ جو ہمارا ایک حلقہ بناتے ہیں ۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان تمام باتوں کے متعلق جو میرے اور آپ کے درمیان ہوئی ہیں ان سے مشورہ کر لینا چاہئے لہٰذا ہم کل سپہر دس کے دس آدمی یہیں حاضر ہو جائیں گے تا کہ کوئی فیصلہ کر سکیں ۔ ارطبون نے سوچا کل ایک کی بجائے دس ہاتھ لگیں گے اس لئے اس نے حضرت عمروؓ سے کہا مجھے منظور ہے ۔ اور دوسری طرف اپنے چھپے ہوئے آدمی کو دروازہ سے ہٹا لیا ۔ اس لئے حضرت عمرو بن عاصؓ وہاں سے بچ نکلے ۔ ارطبون کو اگلے روز معلوم ہو گیا کہ اس سے بھی زیادہ معاملہ فہم لوگ دنیا میں موجود ہیں ۔ چنانچہ افسوس افسوس کہہ کر ہاتھ ملنے لگا ۔

اگلے ہی روز مسلمانوں نے رومیوں پر حملہ بول دیا ۔ رومی بھی بڑی بہادری سے لڑے بڑے زور شور سے لڑائی ہوئی ۔ آخر رومیوں کو منہ کی کھانی پڑی ارطبون بھاگ کر بیت المقدس میں پناہ گزین ہوا ۔ اور باقی فوج بھی وہیں بھاگ گئی یہ واقعہ ۱۵ھ کا ہے ۔

فتح بیت المقدس

بیت المقدس کا شہر چاروں طرف سے مضبوط فصیل سے گھرا ہوا تھا ۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے فوراً بیت المقدس میں پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا ۔ محاصرہ لمبا ہوتا گیا ۔ اسی اثنا میں حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ ملک شام فتح کر کے بیت المقدس

پہنچ گئے۔ ارطبون یہ دیکھ کر مسلمانوں کو مزید کمک پہنچ گئی ہے، بہت گھبرایا اور سفیر کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ ہم صلح چاہتے ہیں بشرطیکہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ خود آ کر معاہدہ کریں۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے فوراً قاصد مدینہ روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو صحابہؓ سے مشورہ کیا اور حضرت علیؓ کو عارضی طور پہ نائب مقرر کر کے خود بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک قاصد آگے بھیج دیا کہ امراء لشکر اسلامی مجھے راستہ میں مقام جابیہ پہ ملیں۔ حضرت عمرؓ جابیہ میں پہنچے تو امراء لشکر نے استقبال کیا۔ صلاح و مشورہ ہوا۔ پھر حضرت عمرؓ نے رومیوں کو پیغام بھیجا کہ جابیہ میں ہی آ کر معاہدہ کر لیں۔ چنانچہ ارطبون کے سفیر جابیہ میں پہنچ گئے۔ اور مندرجہ ذیل معاہدہ طے ہوا:

"بیت المقدس کے لوگوں کو اس عہد نامے کی رو سے امان دی جاتی ہے۔ ان کی جان و مال اور مذہب محفوظ رہیں گے۔ شہری معاشرتی، معاشی اور مذہبی زندگی کے پورے حقوق ہوں گے۔ یہ لوگ جزیہ ادا کریں گے۔ یہودیوں کو بیت المقدس میں رہنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ جو رومی یہاں سے نکل کر اپنے اصلی گھر دل میں جانا چاہیں وہ جا سکتے ہیں۔ یہ معاہدہ حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت عمروؓ بن عاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت معاویہ بن سفیانؓ کی موجودگی میں ہوا اور یہ لوگ اس کے گواہ ہیں۔"

سانحہ فتح بیت المقدس ۱۶ھ میں ہوا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ بیت المقدس پہنچے۔

زیارت بیت المقدس | جابیہ سے حضرت عمرؓ بیت المقدس پہنچے

مسلمان امراء نے استقبال کیا۔ حضرت عمرؓ کے جسم پر اتنا معمولی لباس تھا کہ لوگ دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے۔

سب سے پہلے آپ عیسائیوں کے گرجا کو دیکھنے گئے۔ نماز کا وقت وہیں ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا یا امیر المومنین۔ آپ یہیں نماز پڑھ لیں لیکن آپ نے باہر آ کر نماز ادا کی اور فرمایا کہ اگر میں کنیسہ (گرجا) کے اندر نماز پڑھتا تو مجھے ڈر تھا کہ کہیں مسلمان وہاں نماز پڑھنا شروع نہ کر دیں اور اس پر قبضہ نہ کر لیں۔

پھر امیر المومنین حضرت عمرؓ مقام صخرہ دیکھنے گئے جہاں حضرت یعقوبؑ سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جگہ صاف کی اور وہاں مسجد بنانے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ وہاں مسجد تعمیر کی گئی جو آج بھی مسجد عمرؓ کے نام سے مشہور ہے۔

بیت المقدس کے بعد حضرت عمرؓ نے دوسرے مفتوحہ علاقوں کا دورہ کیا۔ سرحدی انتظامات کا جائزہ لیا اور بخیر و عافیت واپس مدینہ پہنچ گئے۔

فتح مصر

رومیوں نے شام اور فلسطین میں ہر جگہ شکست کھائی۔ اب ان کے لئے صرف مصر ہی ایک ایسا مرکز تھا۔ جہاں پہلے سے رومی فوجیں جمع ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص رضؓ خوب جانتے تھے کہ جب تک مصر فتح نہیں ہوتا، رومیوں سے خطرہ ضرور باقی ہے۔ دوسرے فتح مصر کے بعد اہل عرب آسانی سے بیرونی مقامات سے تجارتی تعلقات قائم کر سکیں گے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضؓ نے حضرت عمر رضؓ سے کہا کہ انہیں مصر پہ حملہ کرنے کی اجازت دیں۔ حضرت عمرؓ کافی دیر تک ٹالتے رہے لیکن آخرکار اجازت دے دی اور ۱۸ھ میں حضرت عمرو بن عاص رضؓ کو چار ہزار مجاہدوں کا مضبوط فوجی دستہ دے کر مصر کی طرف روانہ کیا۔

تسخیر فرما و بلبیس

مصر کی سرزمین میں سب سے پہلے فرما میں رومیوں سے مقابلہ ہوا۔ رومی قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے۔ ایک ماہ تک محاصرہ رہا۔ بالآخر شہر فتح کر لیا گیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ فرما کی تسخیر میں کچھ قبطیوں نے مسلمانوں کی مدد کی تھی۔ قبطی مصر کے اصل باشندے تھے۔ اور انہیں بعض مذہبی امور میں رومیوں سے اختلاف تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے بعض قبطیوں نے قلعہ فتح کرنے میں مدد کی ہو۔ فرما کی تسخیر کے بعد اسلامی فوج مقام بلبیس پہنچی۔ رومیوں سے سخت

معرکہ ہوا۔ بیت المقدس کی شکست خوردہ فوج بھی یہاں موجود تھی۔ جو بڑے جوش و خروش سے مقابلہ کر رہی تھی۔ لیکن حضرت عمرو بن عاصؓ کی جنگی تدابیر اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد کے سامنے ان کی دال گل نہ سکی اور تھوڑی دیر میں شکست فاش کھا کر بھاگ نکلے۔

فتح بابلیون

اسلامی فوج بلبیس کو فتح کرنے کے بعد بابلیون پہنچی یہاں ایک بہت بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ لمبا ہو گیا۔ مدینہ میں حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو انہوں نے چار سپہ سالاروں کے تحت دس ہزار فوج مدد کے لئے روانہ کی۔ ان سپہ سالاروں میں حضرت زبیرؓ بھی تھے۔ کمک پہنچنے پہ مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی۔ آخر سنہ ۱۹ھ میں سات ماہ کے محاصرے کے بعد ایک دن حضرت زبیرؓ کی تدابیر کارآمد ہوئیں۔ انہوں نے زینہ کی مدد سے فصیل عبور کی اور شہر میں داخل ہو کر دروازہ کھول دیا۔ اسلامی فوج قلعہ میں داخل ہو گئی۔ لیکن رومیوں نے لڑنے کی بجائے مصالحت کر لی۔

فتح اسکندریہ

اسکندریہ کا شہر بحیرۂ روم کے ساحل پہ واقع ہونے کی وجہ سے مشہور و معروف تھا۔ یہاں بڑی تعداد میں رومی فوجیں جمع تھیں۔ رومیوں کو جب بابلیون میں شکست ہوئی تو اسکندریہ میں ہر طرف سے فوجیں جمع ہونے لگیں۔ اسکندریہ کا قلعہ مصر بھر میں مضبوط ترین قلعہ مانا جاتا تھا۔ اور اس پہ رومیوں کو بڑا ناز تھا۔ بحری اور بری دونوں راستوں سے رومیوں کو کمک اور سامان بڑی تیزی سے پہنچ رہا تھا۔

بابلیون فتح کرنے کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ فوج کے ساتھ اسکندریہ

کی طرف روانہ ہوئے۔ اسکندریہ سے باہر بیس میل کے فاصلے پر مشرق کی جانب مقام کریون پر رومیوں کی کچھ فوج نے مسلمانوں کو روکا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ رومی بھاگ گئے اور اسکندریہ جا پہنچے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے بڑھ کر اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں کے پاس نہ تو جنگی بیڑا تھا۔ کہ رومیوں کی اس کمک کو روک لیتے جو انہیں سمندر کی راہ ملتی تھی اور نہ ہی محاصرے کے پورے ہتھیار موجود تھے۔ اس لئے محاصرہ کافی لمبا ہو گیا۔ رومی بھی قلعہ میں تنگ آ گئے۔ آخر مسلمانوں نے ایک دن بڑے زور سے حملہ کر دیا۔ رومی سہم گئے۔ اور مصالحت کی درخواست کی۔ گو قلعہ بزور تلوار فتح ہو چکا تھا۔ لیکن حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصالحت کی وجہ سے اس فتح کا نام "فتح صلح" رکھ دیا۔ اہل اسکندریہ ذمی قرار دیئے گئے۔ اور صلح نامہ پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔

فتح اسکندریہ کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ نے خیال کیا کہ ایک شہر کو مسلمانوں کا پایہ تخت (صدر مقام) بنایا جائے۔ اسکندریہ چونکہ مرکز سے بہت دور تھا۔ اس لئے حضرت عمروؓ نے امیر المومنین حضرت عمرؓ سے مشورے سے دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر آ کر قیام کیا۔ اور اسی جگہ ایک نیا شہر آباد کیا جس کا نام فسطاط رکھا (فسطاط عربی زبان میں خیمہ کو کہتے ہیں جو کافی بڑا ہو) چونکہ مسلمانوں نے یہاں خیمے گاڑے تھے۔ اس لئے اسی نسبت سے اس شہر کا نام فسطاط رکھا۔

عہدِ فاروقی رضؓ کی فتوحات پہ ایک نظر

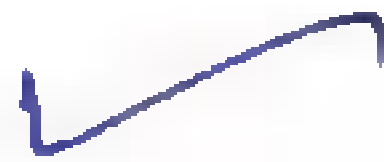
حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہدِ حکومت میں جو صرف سوا دو سال کی مدت تھی ۔ عراق اور شام کا تھوڑا سا حصہ فتح ہوا تھا ۔ اس کے بعد حضرت عمر رضؓ فاروق امیر المومنین ہوئے تو پھر فتوحات کا سلسلہ شروع ہوگیا ۔ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی اور زبردست حکومتیں دو تھیں ایران اور روم ، ان دونوں سلطنتوں کا سکہ باقی تمام ممالک پر بیٹھا ہوا تھا ۔ امارت ، جاہ و جلال ، طاقت ، فوجوں کی کثرت اور سامانِ جنگ پر دونوں حکومتوں کو ناز تھا علم و فن اور تہذیب و تمدن میں بھی یہ ملک دنیا بھر کے رہنما تھے ۔ اس کے مقابلے میں اہلِ عرب خانہ بدوش مفلس اور غیر مہذب تھے لیکن اسلام کی تعلیم نے ان بدو اور غیر مہذب اہل عرب کا ذہن بدل ڈالا ۔ ان کے اخلاق کو عمدہ سانچے میں ڈھال دیا ۔ ان میں علم و عمل ، عدل و انصاف اور جذبۂ ایثار کی وہ روح پھونک دی ۔ جس سے وہ اللہ کی راہ میں جان تک دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتے بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت انہیں اتنی ہی پسند تھی جتنی کہ غیر مسلموں کو زندگی پسند ہوتی تھی ۔ انہیں یقین کامل ہوتا تھا کہ ہر میدان کارزار میں فتح ان کی ہے اس لیے کہ اللہ کی مدد ان کے شاملِ حال ہے ۔ اللہ پہ بھروسہ اور یقین ہونے کی وجہ سے ان میں ناقابلِ تسخیر ہمت اور شجاعت پیدا ہو چکی تھی ۔ وہ صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے لڑتے تھے تاکہ دنیا میں ظالم اور سفاک حکمرانوں کو ختم کر کے ہمدرد ، عادل اور منصف حکمران قائم کیے جائیں ۔ اور رعایا

زیادہ سے زیادہ سکون اور چین سے زندگی بسر کر سکیں۔
یہ تھا وہ جذبہ، وہ ہمت اور استقلال جس نے ایران اور روم جیسی مضبوط اور زبردست سلطنتوں کو پاش پاش کر دیا۔ یہ تھا وہ ایمان جس کی وجہ سے چند سو مسلمانوں کے مقابلہ میں لاکھوں دشمن ڈھیر ہو جاتے تھے۔ یہ تھی وہ شجاعت جس کی وجہ سے بے سرو سامان بدوؤں کے سامنے بے شمار اور اعلیٰ قسم کے آلات حرب کسی کام نہ آتے۔
یہ وجوہ تھے جن کی بنا پر صرف دس سال کے عرصے میں مسلمانوں نے عراق، ایران، شام، فلسطین اور مصر کے تمام علاقے زیر کر لیے۔ مفتوحہ علاقوں میں ذمیوں کو پورے شہری، معاشرتی، معاشی اور مذہبی حقوق دیئے جاتے۔ عدل و انصاف اور رحم و عفو کی وہ مثال قائم کی جاتی اور غیر مسلم لوگ مسلمانوں کے رویہ سے اس قدر متاثر ہوتے کہ انہیں اپنا حکمران نہیں بلکہ رحمت کا سایہ سمجھتے۔ یہی وجہ تھی کہ بیشتر جنگوں میں کئی غیر ملکی اور غیر مسلموں نے مسلمانوں کی مدد کی اور قلعے فتح کروائے۔ شام کے کئی علاقوں میں قبطیوں نے مسلمانوں کی مدد کی۔ انہیں دشمن کی نقل و حرکت کی خبر دیتے۔ ندی نالوں اور دریاؤں پر پل بندھوانے میں مدد دیتے اور مضبوط قلعوں کی تسخیر میں کارآمد اور راز دارانہ باتیں بتاتے۔ یہ سب مسلمانوں کے حسن سلوک کا نتیجہ تھا۔
دنیا میں سکندر اور چنگیز خاں جیسے لوگوں نے بھی قلیل عرصے میں کئی کئی ممالک فتح کیے ہیں۔ لیکن ان سفاک اور ظالم حکمرانوں کی فتوحات کو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی فتوحات سے نسبت دینا بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسے خاک کو آسمان سے نسبت دی جائے۔

سکندر اور چنگیز خان وہ لوگ تھے جنہوں نے انسانیت کی بو نہیں سونگھی تھی۔ وہ اخلاق، ہمدردی اور عدل و انصاف کے نام تک سے واقف نہ تھے۔ سکندر شام میں آیا تو ہزاروں لوگوں کے سر کاٹ کاٹ کر شہر صور کی فصیل پر لٹکائے۔ ہزاروں معصوم اور بے گناہ انسانوں کو بیچ ڈالا۔ ایران میں پہنچا تو اصطخر کے تمام مردوں کے سر کٹوا دیئے۔ بالکل یہی حال چنگیز خان کا تھا۔ ایک سرے سے شروع ہوتے تو دوسرے سرے تک جو ملک آتا تہ و بالا کرتے جاتے۔ قتل عام ان کا تماشہ ہوتا۔ کشت و خون اور ظلم و ستم ان کا معمول تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایسے لوگوں کی حکومت چند روز سے زیادہ نہ چلی۔ دوسری طرف امیرالمومنین حضرت عمرؓ کی فتوحات پر نظر ڈالیں کہ ملک کے ملک فتح ہو رہے ہیں۔ لیکن ظلم و ستم کا نشان تک نہیں ملتا۔ بلکہ لوگ مسلمانوں کے زیر سایہ زندگی بسر کرنا پسند کرتے ہیں۔ فوجوں کو حملہ آور ہونے سے پہلے تلقین و تاکید کی جاتی ہے کہ خبردار ظلم نہیں کرنا۔ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھانا، جو پناہ مانگیں ان پر تلوار نہیں چلانی۔ انسانوں کے کشت و خون تو در کنار کھیتوں اور پھل دار درختوں تک کو نہیں کاٹنا، بلا ضرورت جانور ذبح نہیں کرنا اور مفتوحہ علاقوں میں عدل و انصاف قائم کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت سے آج تک تقریباً تمام ان علاقوں میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ گو حضرت عمرؓ خود کسی بھی جنگ میں شریک نہیں ہوتے لیکن تمام جنگیں ان ہی کی ہدایت اور حکم سے ہوئیں۔ وہ مدینہ میں بیٹھ کر تمام جنگوں کی جو بیک وقت ایران، شام اور مصر میں ہو رہی تھیں۔ نگرانی کرتے رہتے۔ غور و فکر کرتے اور ضروری احکام اور تدابیر بتاتے۔ تمام

مقامات پر بھیجتے رہتے۔ جنگ کے ہر مقام سے ہدایت کے مطابق قاصد
خبریں لے کر مدینے پہنچتے اور مدینہ سے احکامات لے کر واپس اپنے اپنے
مورچوں پر پہنچتے۔ صاف ظاہر ہے کہ تمام اسلامی فوجوں کے دراصل سپہ سالار
خود حضرت عمرؓ ہی تھے۔ جو مدینہ میں بیٹھ کر اپنی تدابیر اور ہدایات کے مطابق
فوجوں کو مختلف جگہوں پر بیک وقت لڑاتے تھے۔ چنانچہ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ
تاریخ عالم میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں حضرت عمرؓ جیسے فاتح
انسان نے اتنی قلیل مدت میں اتنے وسیع علاقے کو زیر کیا ہو اور بہترین
طریقے اور عدل و انصاف پر حکومت قائم کی ہو۔



نظامِ حکومت

حضرت عمر فاروق رض کے عہد میں باقاعدہ منظم طریق سے حکومت کے تمام ضروری شعبوں کا آغاز ہوا۔ فتوحات وسیع پیمانے پر ہو رہی تھیں۔ جنگوں میں احکامات اور ہدایات برابر مدینہ سے پہنچ رہی تھیں اس کے باوجود حضرت عمر رض نے حکومت کا نظم و نسق پوری توجہ کے ساتھ سرانجام دیا۔

جمہوری طرزِ حکومت

حضرت عمر رض جمہوریت کی اصل روح سمجھتے تھے۔ اسی لیئے انہوں نے ایک عام آدمی کو بھی حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق دے کر مساوات کا بے نظیر عملی نمونہ پیش کیا۔ آپ اکثر نصیحت فرمایا کرتے کہ مجلسوں کو مخصوص نہ کیا کرو کیونکہ اس طرح خاص آدمیوں کی اپنی رائے عام لوگوں کی رائے سے الگ ہو کر تفرقے کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ عام مجلسیں قائم کرنے سے آپس کی نفرت میں کمی ہوتی ہے کیونکہ اختلافات کم اور اعتماد زیادہ ہوتا ہے۔

مجلس شوریٰ قائم تھی جس کے اعلیٰ ارکان حضرت عثمان رض، حضرت علی رض، حضرت عبدالرحمٰن رض بن عوف، حضرت معاذ رض بن جبل، حضرت ابی رض بن کعب اور حضرت زید رض بن ثابت تھے۔ یہ مجلس تمام امور کا فیصلہ کرتی تھی اور فیصلہ بحث کے بعد اتفاق آراء یا کثرت رائے سے کیا جاتا تھا۔ اگر بہت ہی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو اسے مجلس شوریٰ کی بجائے عام مجلس میں دیکھا جاتا جس میں مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ تمام قبائل کے سردار ہوتے تھے۔

عام لوگوں کو بھی حکومت پر ہر طرح سے تنقید کرنے کا حق حاصل تھا تاکہ لوگوں کے تمام حقوق محفوظ رہیں۔ اور اگر کسی کو تکلیف ہو یا خلافِ حق کوئی چیز دیکھے تو بلا خوف و خطر حاکم کے سامنے بیان کر سکے۔ یہ جمہوریت کی اصل روح تھی جو حضرت عمرؓ کے عہد میں حکومت کے تمام کاموں میں نظر آتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ لوگوں نے عورتوں کے مہر میں کافی اضافہ کر دیا ہے اور یہ بات غریب لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہوگی تو آپ نے چاہا کہ مہر کی رقم ایک حد تک مقرر کر دی جائے تاکہ لوگ اس سے زیادہ مہر نہ دے سکیں۔ آپ نے یہ مسئلہ مسجد میں لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ اور اپنی خواہش بھی کہہ دی۔ فوراً ایک عورت کی آواز آئی کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ :۔

وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۔	اور تم نے ان بیویوں میں سے کسی کو کثیر مال دے دیا تو اس میں سے کچھ بھی واپس لو۔ (قرآن)

حضرت عمرؓ نے سنا تو فرمایا "بے شک عمرؓ نے غلطی کی اور ایک عورت نے ٹھیک سمجھا۔

ایک مرتبہ آپ تقریر فرما رہے تھے۔ کہ کسی مرد نے کہا :۔

"اے عمرؓ خدا سے ڈرو" اور اس نے یہ فقرہ کئی دفعہ دہرایا۔ حاضرین مجلس میں سے چند لوگوں نے اسے منع کیا کہ امیر المومنین کو کیا کہہ رہے ہو لیکن حضرت عمرؓ نے کہا "اسے کہنے دو میں خوش ہوں کہ میری قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو مجھے غلط رستے سے ہٹانے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔"

ملکی نظام حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مندرجہ ذیل گیارہ صوبوں کی تقسیم ہوئی :۔

۱ - مکہ - (حضرت نافع بن عبد الحارث والی مکہ)
۲ - مدینہ - (امیر المومنین حضرت عمرؓ)
۳ - شام - (والی: حضرت ابو عبیدہؓ)
۴ - جزیرہ
۵ - بصرہ (والی: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ)
۶ - کوفہ - (والی: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ)
۷ - مصر - (حاکم: عیاض بن غنم)
۸ - فلسطین -
۹ - خراسان -
۱۰ - آذر بائیجان -
۱۱ - فارس -

ان تمام صوبوں میں کئی کئی اعلیٰ عہدیدار ہوتے تھے جن کا تقرر مجلس شوریٰ کے فیصلے سے ہوتا تھا حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں ملازمین کی تنخواہیں مقرر نہ تھیں کیونکہ لوگ اپنی خدمت کا عوضانہ لینا خلاف تقویٰ سمجھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے اپنا وظیفہ مقرر کر دیا۔ پھر تمام حاکموں اور اعلیٰ عہدیداروں کی خاصی تنخواہیں مقرر کیں تاکہ وہ سہولت سے زندگی بسر کرتے رہیں اور رشوت وغیرہ کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔

کسی صوبے کے حاکم کے تقرر کے وقت اس سے عہد (حلف وفاداری) لیا جاتا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا، باریک کپڑے نہیں پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہیں کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہیں رکھے گا۔ اور ضرورت مند لوگوں کے لئے اپنا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ اس کے علاوہ

والی مقرر کر کے اس کے فرائض اچھی طرح سمجھا دیئے جاتے تھے۔ پھر تمام [illegible]
میں حاکم کے فرائض کو وضاحت سے بیان کر دیتے تاکہ تمام [illegible]
اپنے اختیارات سے بڑھ کر کام نہ کرے اور تمام لوگوں کو بھی پتہ لگ جائے
کہ حاکم اپنے اختیارات اور حدود میں رہ کر . . . .
ان کی خدمت صحیح طور پر کر رہا ہے یا نہیں۔ اگر کسی علاقہ سے کسی حاکم [illegible]
کی کھلی شکایت موصول ہوتی تو حضرت عمرؓ فوراً اسے دربار خلافت میں
بلا لیتے اور معاملے کی تحقیق کر لیتے۔

ایک مرتبہ [illegible] شکایت [illegible] کے پاس
پہنچی کہ وہ باریک لباس پہنتے ہیں اور اپنے دروازے پر دربان [illegible]
کر رکھا ہے۔ حضرت [illegible]
ہیں اور [illegible]
[illegible]
[illegible] باریک لباس پہنے ہوئے ہیں اور دروازے پر دربان [illegible]
چنانچہ انہیں گرفتار کر کے [illegible] کے پاس لے آئے۔ [illegible]
نے ان کا باریک لباس اسی وقت اتروا دیا اور [illegible]
پہنوا کر حکم دیا کہ آج سے [illegible] کرو۔

مالی نظام

[illegible] کا کوئی [illegible]
[illegible] تھا [illegible] مال [illegible] اسی وقت
خرچ کر دیا جاتا تھا۔ لیکن آپ نے [illegible]
بیت المال [illegible]
اور اس کی [illegible] بیت المال [illegible]

افسر مقرر تھے جو خزانوں کے حساب و کتاب کا جائزہ لیتے رہتے۔ اور ضروریات کے لئے خزانہ سے رقم ادا کرتے۔ صوبوں کے سالانہ خرچ کے بعد اگر کچھ رقم بچ جاتی تو وہ مرکزی خزانہ میں بھیج دی جاتی تمام مال کا حساب باقاعدہ لکھا جاتا۔

حکومت کی آمدنی مختلف ذرائع سے ہوتی تھی محصول اور ٹیکس مندرجہ ذیل بندوبست سے ہوتا تھا۔ بندوبست اراضی ا

بندوبست اراضی :۔ حضرت عمرؓ نے عراق کے تمام علاقوں میں زمین کی باقاعدہ پیمائش کروائی۔ یہ کام حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت عثمان بن حنیف نے کیا جو پیمائش اور حساب کے ماہر تھے۔ اس پیمائش شدہ زمین پر غیر مسلموں (ذمیوں) سے خاص حساب سے خراج وصول کیا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے بڑی احتیاط سے ذمیوں کی زمینوں پر خراج لگوایا تاکہ لوگوں سے ان کی استطاعت سے زیادہ خراج وصول نہ ہو۔ آپ نے ان خاص علاقوں میں لوگوں سے شہادتیں لیں۔ کہ ان پر خراج کے سلسلے میں ضرورت سے زیادہ بوجھ تو نہیں ڈال دیا گیا۔ عراق کے علاوہ ان دونوں علاقوں میں پرانے دستور کے مطابق ہی خراج وصول ہوتا تھا۔ اپنی طرف سے اس میں کمی بیشی نہیں کی گئی تھی۔

عشر تجارت :۔ یہ وہ تجارتی چنگی (محصول) تھی جو غیر ملکی مال پر لی جاتی تھی مسلمان تجارت کے لئے جب غیر ممالک میں جاتے۔ تو ان سے دس فی صدی محصول لیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی غیر ملکی لوگوں سے جب وہ تجارت کے لئے عرب ممالک میں آتے دس فی صدی (عشر) ٹیکس لینا شروع کیا۔ بعد میں عشر کو ایک عام تجارتی

ٹیکس میں بدل دیا اور مسلمانوں اور ذمیوں دونوں سے علیحدہ علیحدہ حساب سے ہر مالِ تجارت پر ٹیکس وصول ہوتا تھا۔

۳۔ زکوٰۃ :۔ صاحب حیثیت مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول ہوتی تھی یہ ایک خاص نصاب (مقدار) پر ایک خاص تناسب سے لی جاتی تھی زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو مصدق کہا جاتا تھا۔ جو پوری تحقیق اور تصدیق کے بعد زکوٰۃ وصول کرتے۔ زکوٰۃ کے نصاب اور تناسب کی تفصیل اسی کتاب کے باب دوم میں ملاحظہ کیجئے۔

۴۔ جزیہ :۔ یہ وہ ٹیکس تھا جو ذمیوں (غیر مسلم رعایا) سے ان کے جان و مال کی حفاظت کے عوض میں لیا جاتا تھا۔ اس میں بھی لوگوں کی استطاعت اور حیثیت کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ شام و مصر کے لوگ زیادہ خوش حال تھے۔ اس لئے ان سے چار دینار فی کس کے حساب سے جزیہ وصول ہوتا اور یمن کے لوگوں سے صرف ایک دینار فی کس لیا جاتا سہولت یہاں تک تھی کہ صرف کمانے والوں سے جزیہ لیا جاتا تھا کیونکہ اندھے، اپاہج وغیرہ اور عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ بلکہ بعض نادار اور مفلس ذمیوں کی مدد بھی کی جاتی اور ان کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا۔

(۵) مالِ غنیمت :۔ مالِ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو لڑائی میں کفار سے ہاتھ آئے۔ اس میں مال مویشی اور قیدی سب شامل ہیں جو علاقہ فتح ہوتا وہاں کا مالِ غنیمت مجاہدوں میں تقسیم ہوتا اور پانچواں حصہ مدینہ میں مرکزی بیت المال میں بھیج دیا جاتا۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ مندرجہ بالا تمام ٹیکسوں (محصولوں) میں

حضرت عمرؓ نے جو افسر مقرر کئے ہوئے تھے ان پر کڑی نگرانی ہوتی تھی
کسی کو کسی کام پر یا کسی مال کی وصولی پر مقرر کرتے وقت اس کی
ذمہ داریوں کی وضاحت کر دی جاتی، اس کے ذاتی مال اور جائیداد کا
اندازہ کر لیا جاتا تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس شخص نے اپنے مقررہ کام کے
سلسلے میں کسی ناجائز طریقے سے اپنے لئے کوئی مال جمع تو نہیں کر لیا
چنانچہ اس طرح رشوت وغیرہ کی گنجائش کے تمام راستے
مسدود ہو جاتے۔

فوجی نظام

آپ سے پہلے فوج کا باقاعدہ نظام نہیں تھا۔ ضرورت
کے وقت فوج ترتیب دی جاتی تھی۔ لوگ خود آتے
اور کسی خاص مہم کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیتے لیکن
حضرت عمرؓ نے ایک باقاعدہ اور منظم فوجی نظام قائم کیا کیونکہ
آپ کے عہد میں کئی محاذوں پر بیک وقت جنگ جاری تھی۔ اس لئے ضرورت
ہوتی تھی کہ مرکز میں فوج ہر وقت تیار رہے تاکہ ضرورت پڑنے پر
فوجی دستے محاذ پر بھیجے جا سکیں۔ حضرت عمرؓ نے فوجی نظام کی ضرورت
اور اہمیت کو سمجھتے ہوئے اسے بڑا منظم کر لیا۔

آپ نے اس سلسلے میں سارے ملک کی مردم شماری کروائی
تمام تفصیلات رجسٹروں میں درج کی گئیں۔ حسب مراتب تنخواہیں مقرر
کیں۔ فوجیوں کی بیویوں اور بچوں کے وظائف مقرر کئے۔ آپ کے
انصاف کی حد یہ تھی کہ تنخواہ دار لوگوں کے غلاموں کی بھی ان
کے مالکوں جتنی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ سپاہیوں کو تنخواہ کے علاوہ
راشن میں کھانا اور لباس بھی ملتا تھا۔ خدمت کے اعتبار سے فوجیوں

[illegible] تھا [illegible] رہتا تھا جنگ کے دوسرے پہلو [illegible] اور [illegible]
[illegible] کہیں [illegible] تھا [illegible] اور [illegible] اور جا [illegible] اس میں
[illegible] الحاق [illegible] تک پہنچا دی گئیں ۔

[illegible] کو فوج کی تربیت [illegible] سے [illegible]
اور [illegible] کوئی ناجائز [illegible] تھا کہ [illegible]
سپاہ [illegible] یا [illegible] دنیا کا [illegible] کریں اس لیے
آپ کا مقصد [illegible] جنگ [illegible] دنیا [illegible]
[illegible] آپ [illegible]
[illegible] اتفاق [illegible]
[illegible]
[illegible] واقعی [illegible] کیا جاتا [illegible] اور
[illegible] کے سلسلے میں [illegible] ضرورت [illegible]
کہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اہل و عیال [illegible]
[illegible]

[illegible] ۱۷۱

[illegible] اور [illegible] تھا [illegible]
[illegible] حکم [illegible]

فوج باقاعدہ نظم و نسق کے ساتھ لڑتی اور بھاگڑ وغیرہ کی نوبت نہ آتی تھی۔ ہر محاذ پر فوج میں خزانچی، مترجم، طبیب، جراح، محاسب اور جاسوس رکھے جاتے۔ جاسوسی کا کام زیادہ تر ذمیوں سے لیا جاتا تھا۔

مختلف جگہوں پر فوجی مرکز قائم تھے۔ بڑے بڑے فوجی مرکز مدینہ، کوفہ، بصرہ، فسطاط، موصل، حمص، دمشق، اردن اور فلسطین میں تھے۔ ان کے علاوہ اور کئی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم تھیں۔ ہر بڑے مرکز میں کم از کم چار ہزار گھوڑے رکھے جاتے۔ مرکزوں اور چھاؤنیوں کے قریب چراگاہیں بنائی گئیں۔ ہر فوجی گھوڑے کی ران پر "جیش فی سبیل اللہ" کا نشان داغ دیا جاتا۔

جنگ سے پہلے سورۂ انفال سنائی جاتی۔ حملہ کے وقت تین بار "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا جاتا۔ پہلے نعرے پر فوج صفیں اور ترتیب ٹھیک کر لیتی۔ دوسرے پر تیار ہو جاتی اور تیسرے پر حملہ کر دیتی۔ لڑائی میں تلوار، تیر، نیزہ، قلعہ شکن، منجنیق اور دبابہ کا استعمال ہوتا۔ جنگ میں عورتیں اور بچے پانی پلاتے پھرتے۔

عدالت محکمہ عدالت بھی حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں معرض وجود میں آیا۔ عدالت کو دار القضاء کہا جاتا تھا۔ جو ہر شہر میں قائم تھی۔ مدینہ میں عدالت مسجد نبوی میں قائم تھی۔ اور باقی شہروں کی عدالتیں بھی مسجدوں

میں بیٹھا کرتیں اور تمام احکامات اور فیصلے وہیں سنائے جاتے۔ لیکن سزا مسجد کے باہر کسی جگہ دی جاتی جہاں عام لوگ عبرت حاصل کر سکیں۔

عدالت کے سامنے امیر اور غریب سب یکساں تھے۔ قانون کی گرفت سے کوئی اپنی امارت یا رتبے کی بنا پر بچ نہیں سکتا تھا۔ حاکم مجرم ہوتا تو اسے بھی سرعام سزا دی جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ مساوات کا دائرہ سب کے لئے یکساں تھا۔ اور بڑے سے بڑا حاکم بھی عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے پوچھا کہ اگر آپ حاکم ہوں اور میں کسی شخص کو زنا یا چوری کرتے دیکھ لوں تو آپ کیا کریں گے؟ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا۔ آپ کی یہ شہادت صرف ایک مسلمان کی شہادت کے برابر سمجھی جاسکتی ہے۔ امیرالمومنین نے فرمایا آپ نے بالکل سچ کہا ہے۔

حضرت عمرؓ ہمیشہ فرمایا کرتے کہ شکایت یا الزام لگاتے وقت لوگ خوب سوچ لیا کریں کہ وہ غلط الزام تو نہیں لگا رہے۔ ورنہ الزام ثابت نہ ہو سکنے پر یا شہادت نہ دے سکنے پر الزام لگانے والے سزا کے مستحق سمجھے جائیں گے۔ ایک دفعہ تین معزز صحابہ حضرت ابوبکرہؓ، حضرت شبلؓ اور حضرت نافعؓ نے حضرت مغیرہؓ پر الزام لگایا۔ جرم ثابت نہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے تینوں صحابہ کو سزا دی اور توبہ کرائی۔

حضرت عمرؓ نے اعلانیہ بدکاری اور سنگین قسم کے جرموں میں رجم (سنگسار کرنا، پتھر مارنا) کی سزا بھی دی۔ آپ نے ایک مرتبہ اپنی تقریر میں فرمایا "رسول اللہ ﷺ نے رجم کی سزا دی تھی۔ اس لئے ان کے بعد ہم بھی یہ سزا دیتے ہیں"۔

آپ نے اس نقطہ نظر سے کہ قاضی اور جج رشوت وغیرہ کے فعل سے بچے رہیں، قاضیوں کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں۔ حضرت سلمان رضؓ، حضرت ربیعہ رضؓ اور حضرت شریح رضؓ کی تنخواہیں پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھیں اور حضرت امیر معاویہ رضؓ کی تنخواہ ایک ہزار درہم ماہوار تھی۔ عام طور پر قاضی ان لوگوں میں سے لئے جاتے جو خوش حال ہوتے تاکہ لالچ سے بچ کر مقدمات کے فیصلے کر سکیں۔

محکمہ افتاء

یہ محکمہ کسی عدالت سے متعلق ہی تھا۔ مشکل اور پیچیدہ قانونی مسائل کی تحقیق اور حل و جواب کے سلسلے میں قائم کیا گیا تھا۔ اس میں فقہاء صحابہ کی ایک خاص جماعت رکھی گئی تھی جس میں حضرت عثمان رضؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابی کعبؓ، حضرت زید بن ثابت رضؓ، حضرت ابوہریرہ رضؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ جیسے ممتاز ارکان شامل تھے۔

حضرت عمرؓ نے اس محکمہ میں بیشتر معاملات اور مسائل کا حل اس طرح کروایا کہ اختلاف بالکل نہ ہو تاکہ عملی صورت میں کسی کو دقت پیش نہ آئے۔ مسائل حل کرنے کے باقاعدہ تکیے جاتے اور تقریبی صورت

میں بھی باہر کے ملکوں ... بھیج دیئے جاتے تھے تاکہ احکام کی اشاعت
اچھی طرح ہو جائے۔

محکمہ پولیس

پولیس کا محکمہ فوج کے محکمے سے علیحدہ تھا۔ جو معاملات میں امن و امان قائم رکھنے کا ذمہ دار تھا۔
اس محکمہ کے اعلیٰ افسر کا نام صاحب احداث تھا۔ اس محکمہ کے ذمہ احتساب کا کام بھی تھا کہ وہ خیال رکھیں کہ دکاندار اور تجارت پیشہ لوگ ناپ تول میں کمی نہ کریں، جانوروں پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ لادیں، شراب اعلانیہ نہ بکے اور عام راستوں پر ... کے مکانات نہ بنائے جائیں۔ اس نوعیت کے اور بھی کام ... جو عام لوگوں کی سہولت اور مفاد کے لئے کئے جاتے تھے ... پولیس کے ذمہ ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد سے پہلے جیل کا دستور نہ تھا۔ آپ نے باقاعدہ جیل خانے بنوائے۔ سب سے پہلا جیل خانہ کوفہ میں قائم کیا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ تمام شہروں میں بنوائے گئے۔ جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ نے ہی شروع کی۔ ابو محجن ثقفی کو اسی لئے ایک جزیرہ میں جلاوطن کر کے بھیج دیا گیا کہ اس نے کئی بار ... اور ... کرنے پر بھی شراب پی تھی۔

تعزیر و حدود

حضرت عمرؓ نے تعزیر و حدود کے سلسلے میں ... اور ... قوانین بنائے ... لیکن ... درج ذیل ہیں۔
۱۔ قتل اور ... کی سزا ... اس

میں عورت اور مرد یکساں سزا کے مستحق تھے۔ قاتل کو قتل کیا جاتا زخم کے بدلے زخم لگایا جاتا۔ اور ایسی ہی دوسری تکالیف کا بدلہ لیا جاتا تھا۔

۲۔ شراب پینے پر اسی کوڑے مارنے کی سزا بنائی گئی۔

۳۔ دھوکے سے کسی کو قتل کرنے پر تمام دھوکہ دینے والے قتل کرائے جائیں۔

۴۔ بار بار سزا ملنے اور بار بار توبہ کرنے پر بھی اگر کوئی شخص سخت جرم کا مرتکب ہو تو معاشرے کی بھلائی کے لئے اس شخص کو جلاوطن کر دیا جائے۔

۵۔ تہمت لگانے والے اگر الزام ثابت نہ کر سکیں تو انہیں سزا ملے گی۔

سن ہجری کا اجراء عہد فاروقی سے پہلے تاریخ کا کوئی باقاعدہ حساب نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ کسی ایک ہی سن اور تاریخ کے حساب سے ملک کے تمام امور و نظام چلائے جائیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس تاریخ کو کون سا کام ہوا۔

چنانچہ آپ نے ہجری کے نام سے سن قائم کیا۔ جس کی نسبت ہجرت مدینہ سے ہے۔ اور ہجرت کے دن سے تاریخ کا شمار کیا جانے لگا۔

ترقی علوم و فنون حضرت عمرؓ نے اعلیٰ اور ابتدائی دونوں قسم کی تعلیم عام کر دی تاکہ سب لوگ استفادہ کر سکیں۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے لئے آپ نے مدرسے قائم کئے

جن میں آزاد اور غلام بچوں کی تفریق نہ تھی بلکہ سب اکٹھے تعلیم پاتے تھے تعلیم کے ساتھ ساتھ مروجہ فنون کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ ان مدرسوں میں پڑھانے، لکھانے اور فنون سکھانے کے علیحدہ علیحدہ معلم مقرر کئے۔ صحیح بخاری میں ذکر ہے :-

"حضرت ام سلمہؓ نے معلم کتاب (لکھائی کا استاد) کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے پاس چند ان لڑکوں کو بھیج دو جو اون صاف کرنے اور پھیلانے کا کام جانتے ہوں لیکن آزاد لڑکوں کو نہ بھیجے گا۔"

عربی زبان کی اشاعت بھی عام تھی تاکہ غیر عرب علوم اسلامیہ آسانی سے سیکھ سکیں۔ دوسرے ممالک مثلاً ایران، روم اور شام وغیرہ کے لوگ مدینہ آتے اور کافی عرصہ ٹھہر جاتے۔ ان کی زبان عربی ہو جاتی۔ تجارت وسیع پیمانے پر ہونے لگی، جس سے لوگ ایک دوسرے کے ملک میں آنے جانے لگے اور اس طرح عربی زبان غیر عرب بھی سیکھنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے عرب سے باہر ممالک میں اسلامی سفارت خانے قائم کئے۔ ان سے بھی عربی زبان کی اشاعت ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے ہر قسم کے فن جاننے والوں کے نام کا اعلان کروا دیا تاکہ عام لوگ ایسے لوگوں سے تعلیم حاصل کر سکیں۔ آپ نے ایک مجلس قراء (عمدہ طریق پر قرآن پڑھنے والی جماعت) قائم کی جس میں حضرت عمرؓ خود بھی شامل تھے۔ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ بھی۔ معلم عمر کے اعتبار سے نہیں بلکہ علم اور ذہنی دسترس کے اعتبار سے مقرر کئے جاتے تھے۔

اسی لئے حضرت ابن عباسؓ جو ابھی کم سن تھے اور صحابہؓ کے بچوں کی عمر کے برابر تھے اپنی علمی قابلیت اور فضیلت کے لحاظ سے مشہور تھے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک معمر اور جلیل القدر صحابی نے ان کی شاگردی قبول کی چنانچہ حضرت ابن عباسؓ خود فرماتے ہیں کہ میں مہاجرین کے چند آدمیوں کو جن میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے۔ پڑھایا کرتا تھا۔

علمی مجالس میں علم تفسیر اور فقہ کا خوب تذکرہ ہوتا تاکہ ان علوم کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔ ایک مرتبہ قراء کی مجلس میں حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ سورۂ نصر کی کیا تفسیر ہوگی بعض خاموش رہے اور بعض نے جو جواب دیا وہ تسلی بخش نہ تھا۔ ابن عباسؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے پوچھا۔ انہوں نے کہا اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کو آپ کی وفات کی خبر دی ہے کہ جب اس کی مدد اور فتح سے مکہ فتح ہو جائے۔ تو سمجھیے کہ آپ کا مقصد نبوت پورا ہو گیا، پھر آپ اللہ کی حمد و ثنا اور استغفار کیجیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہی تفسیر ہے میں آپ سے متفق ہوں"۔

فقہ کسی چیز کے سمجھنے اور جاننے کو کہتے ہیں۔ دینی اصطلاح میں فقہ دین کے اس علم کو کہتے ہیں جس سے دین کی صحیح صحیح واقفیت اور معلومات حاصل ہوں۔ اس علم سے مذہبی مسائل کو حل کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن سے حکم ڈھونڈا جاتا ہے۔ اور اگر وہاں سے کوئی بات یا اشارہ معلوم نہ ہو سکے، تو پھر سنت رسول اللہؐ (آپ کی عملی زندگی) سے اس مسئلے پر کوئی وضاحت معلوم کی جاتی ہے

اگر یہاں سے بھی کچھ معلوم نہ ہو سکے تو پھر قرآن اور سنت کی روشنی میں اور دوسرے علماء دین کے مشورے سے حل سوچا جائے گا۔ کہ مسئلہ حل ہو جائے۔ شوریٰ کے بنیادی تقاضوں پہ عمل ہو نہ پڑے۔ حضرت عمرؓ عام حالات کے لیے مجلس شوریٰ ترتیب دیا کرتے تھے۔ اور ایسے مسائل جن پر صحابہ کے مشورہ سے طے کرتے تاکہ اختلاف پیدا ہونے کی نوبت نہ آسکے۔

رفاہِ عامہ

حضرت عمرؓ نے رفاہِ عامہ کا خاص خیال رکھا تاکہ رعایا کے تحفظ اور امن و امان کی جو ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے وہ پوری طرح سرانجام دی جا سکے۔ مکہ اور مدینہ کے شہروں کو حضور ﷺ کی وجہ سے سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی ان دونوں شہروں کے درمیان آمد و رفت بہت زیادہ تھی۔ ایک لمبا فاصلہ تقریباً دو سو میل ہونے کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے [illegible] فرودگاہیں [illegible] اور آرام کی خاطر [illegible] تمام منزلوں پر چشمے [illegible] کیا ان [illegible] مسافروں نے اور پانی کے [illegible] ہوا۔ اس کے علاوہ [illegible] نہروں [illegible] تالابوں اور دریاؤں [illegible] ان کی حفاظت [illegible] تقریباً تمام شہروں [illegible] اور شہروں [illegible] آرام [illegible]

[illegible]

[illegible]

کرنے اور ان کی دیکھ بھال کے لئے محکمۂ زراعت قائم کیا لیکن بعض نہریں محکمۂ زراعت کے تحت نہ تھیں۔ مثلاً نہر ابی موسیٰ سب نہروں سے چھوٹی تھی۔ اور صرف بصرہ کے لوگوں کو پانی مہیا کرنے کے لئے بنوائی گئی۔ یہ نہر دریائے دجلہ سے نکالی گئی تھی اور کل نو میل لمبی تھی۔ نہر معقل بھی اسی علاقے میں زراعت کے لئے کھدوائی گئی۔ کوفہ میں سعدؓ بن ابی وقاص حاکم کوفہ نے ایک نہر بنوائی۔ نہر امیر المومنین سب سے بڑی تھی۔ یہ نہر دریائے نیل سے نکال کر بحیرہ قلزم میں ڈالی گئی۔

ذمیوں کے حقوق

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اپنی حکومت کی غیر مسلم رعایا سے اتنا عمدہ سلوک کیا اور اُن کے حقوق کی اس طرح حفاظت کی کہ آپؓ کے بعد آج تک ویسی مثال قائم نہیں ہوسکی۔ آپ ہر علاقے کے حاکم کو متنبہ کرتے کہ ذمیوں کا خاص خیال رکھنا ایسا نہ ہو کہ تم اُن پہ سختی کرو اور وہ تمہیں بد عہد اور ظالم سمجھ کر بغاوت پہ آمادہ ہو جائیں بلکہ جب کبھی کسی علاقے سے کسی قسم کے نقص امن کی خبر ملتی تو آپ وہاں کے چند معتبر مسلمانوں کو مدینے بُلا کر پوچھتے کہ کیا بات ہے، جو وہاں نقص امن واقع ہوا ہے؟ کیا تم لوگ ذمیوں پہ زیادتی کرتے ہو۔ کیا تم غیر مسلم رعایا کے حقوق ادا نہیں کرتے؟ آپ پوری تحقیق کرتے اور مناسب کاروائی کے لئے حکم دیتے۔ امیر المومنین کو ذمیوں کا اتنا خیال رہتا کہ وفات کے قریب آئندہ ہونے والے خلیفہ کے نام مندرجہ ذیل وصیت فرمادی :-

"میں اس کو (خلیفہ وقت کو) ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے۔ کہ ان سے کیا ہوا عہد پورا کیا جائے اور ان کی (ہر بندی کی) خاطر لڑا جائے اور ان کو ان کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے"

ذمیوں پر جزیہ کی رقم ان کی معاشی حالت کے مطابق مقرر کی جاتی شام اور مصر کے ذمی زیادہ خوش حال تھے۔ اس لئے اُن سے چار چار دینار فی کس کے حساب سے جزیہ لیا جاتا۔ اس کے مقابلے میں یمن کے غیر مسلم متوسط درجہ کے تھے۔ اس لئے ان سے ایک ایک دینار فی کس لیا جاتا یہی نہیں بلکہ صرف اُن ہی ذمیوں سے جزیہ وصول ہوتا جو کمانے کے قابل تھے۔ بیکار، اندھے، اپاہج وغیرہ، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ حد یہ تھی کہ ان نادار اور مفلس ذمیوں کی سرکاری خزانہ سے مدد کی جاتی تھی۔ جن کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا ایسے لوگوں کو گھر بیٹھے وظیفہ ملتا تھا۔

ذمیوں کو مذہبی معاملات میں پوری آزادی تھی کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق رسومات پوری کریں لیکن ذمیوں کی ایسی رسوم جن سے اسلام کی اعلانیہ توہین ہوتی ہو، ممنوع قرار دی گئیں مثلاً مجوسی (آتش پرست) ماں بہن وغیرہ سے نکاح کر لیتے تھے۔ امیر المومنین نے اعلانیہ ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

معاشرتی زندگی میں بھی ذمیوں کی مساوی لحاظ رکھا جاتا تاکہ وہ اسلامی معاشرے میں اپنے آپ کو بے عزت نہ محسوس کرنے پائیں

کی جا سکتی اور حلال چیزیں آپس میں لے لیتے صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی عورت کے گھر سے پانی منگوا کر وضو کیا یا ان لوگوں کے برتن میں جو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے استعمال شدہ چیز سے بچا ہوا پاک سمجھتے تھے۔ عام زندگی میں مسلمان ذمیوں کی عبادت گاہوں میں چلے جاتے تھے لیکن وہاں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ کیونکہ ان میں تصویریں لگی ہوئی تھیں۔

ذمیوں سے بہرحال مسلمانوں کا عہد ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی حفاظت میں رہیں گے۔ دوسرے لوگوں سے بھی جو عہد طے پاتا مسلمان احترام کرتے تھے حتیٰ کہ لڑائی کے دنوں میں اگر کوئی دشمن سے دشمن شخص کو بھی ایک معمولی مسلمان سپاہی امان دے دیتا تو عام مسلمان اس عہد کو برقرار رکھتے۔ عراق کی مہم میں جب ابو عبید ثقفیؓ اسلامی فوج کے ساتھ مقام نمارق میں مقابلے کے لئے پہنچے۔ اور انہیں شکست دی تو ایرانیوں کی اس فوج کا سپہ سالار جاپان ایک معمولی مسلمان سپاہی کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ لیکن جاپان نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے مسلمان سپاہی کو اپنے بڑھاپے کا عذر دے کر اور دو نوجوان غلام عوضانہ دے کر اس سے امان لے لی جب جاپان ابو عبیدؓ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے کہا کہ چونکہ ایک مسلمان تمہیں امان دے چکا ہے اس لئے اب تمہارے اوپر سختی نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ جاپان کو حفاظت سے واپس بھیج دیا۔

افسدادِ غلامی کی سعی | آں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے وقت تمام دنیا میں غلامی کا رواج تھا۔

مرض اس قدر وسیع پیمانے پہ پھیل چکا تھا کہ یک دم ختم کر دینا ایک غیر فطری اور غیر قدرتی بات تھی۔ اسلام نے آکر تمام انسانوں کو انسانیت کی حقیقت واضح کر دی۔ کہ تمام انسان مساوی حقوق رکھتے ہیں ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرے بشرطیکہ وہ امن و امان کی زندگی بسر کر رہا ہو۔ اور دوسرے بھی اس سے امن میں رہیں۔ کسی شخص کو دوسرے پہ ظلم کرنے اور اس کے ذاتی حقوق چھیننے کا حق حاصل نہیں۔ اگر کوئی شخص یا قوم دوسرے لوگوں پہ ظلم کرے تو اللہ کے بندوں کو حق ہے کہ اس شخص یا قوم کو سختی سے ظلم سے روک دے۔ اور مظلوم لوگوں کو اپنی حفاظت میں لے لیں۔ مختصر یہ کہ اللہ کی زمین پہ صرف اللہ کے نیک بندوں کو حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ تاکہ وہ دنیا میں امن قائم کر سکیں۔ لیکن اللہ یہ نہیں کرتا کہ بلا کوشش اور محنت کے کسی کے ہاتھ پکڑا دے بلکہ وہ اس پہ بھروسہ کرنے والوں اور محنت کرنے والوں کی مدد ضرور کرتا ہے۔ یہ ہے اسلام کا نظریہ حکومت و رعایا کے سلسلے میں۔

آنحضرت ﷺ نے غلاموں کے ساتھ وہ نادرہ سلوک کیا کہ جس کی مثال شاید دوبارہ قائم نہیں کی جا سکتی۔ آپ اکثر غلام خرید کر آزاد کر دیتے۔ دوسرے مسلمانوں کو بھی ہدایت کر دی کہ غلام کو آزاد کر دیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں "مکاتبت" آزادی کا ایک طریقہ قائم ہوا۔ یہ طریقہ قرآن نے لوگوں کو سکھایا تھا کہ غلام سے ایک معاہدہ لکھوا لیا جائے کہ وہ مقررہ مدت میں ایک طے شدہ رقم ادا کر دے اور اس کے بعد وہ آزاد ہوگا۔ بہر کیف آنحضرت ﷺ اور

دوسرے کئی صحابہؓ نے بلا معاوضہ غلام خرید خرید کر آزاد کئے۔ حضرت زید بن حارثہؓ غلام کی حیثیت سے حضرت خدیجہؓ کے پاس تھے۔ نکاح کے بعد آنحضرت ؐ نے حضرت خدیجہؓ سے لے کر ان کو آزاد کر دیا۔ اور اپنا متبنّٰی (منہ بولا بیٹا/ لے پالک) بنا لیا تھا۔ آنحضرت ؐ نے زیدؓ سے اس قدر عمدہ سلوک کیا کہ جب آپؐ نے انہیں اپنے اصل والدین کے پاس چلے جانے کی اجازت دے دی تو زیدؓ نے جانے سے انکار کر دیا اور آنحضرت ؐ کے گھر میں ہی رہنا پسند کیا۔ آنحضرت ؐ نے سنہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ دیا۔ اس میں بھی غلاموں سے عمدہ سلوک کرنے کی تلقین کی۔ آپؐ نے فرمایا۔

"غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔
جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلانا، جو خود
پہنو وہی ان کو پہنانا، ان سے کوئی
غلطی ہو جائے تو درگزر کرنا یا ان
کو جدا کر دینا، وہ بھی اللہ کے
بندے ہیں۔ ان کے اوپر سختی روا
نہ رکھنا، نہ عربی کو عجمی (غیر عربی) پر
فضیلت ہے۔ نہ عجمی کو عربی پر۔ سب
مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے
کسی بھائی کی کوئی چیز تمہارے لئے
اس وقت تک حلال نہیں ہے جب
تک وہ رضامندی سے نہ بخش دے"

دیکھو! نا انصافی نہ کرنا ہے

آنحضرت کے یہ الفاظ تمام انسانوں پہ ایک عظیم احسان ہے۔ بشرطیکہ کوئی سمجھنے کی کوشش کرے۔ صحابہ کرامؓ آپ کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ غلامی کو بالکل ختم نہ کر سکے لیکن آپ کی یہ سعی بہر حالی اتنی کامیاب ضرور ہوئی کہ غلامی کو حالات کے لحاظ سے کم سے کم کر دیا۔ آپ کے عہد میں بعض لوگ مکاتبت کے قرآنی حکم کو وجوبی (لازمی ضروری) نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن آپ نے سختی کے ساتھ حکم دیا کہ غلاموں کے ساتھ مکاتبت کی جائے۔ چنانچہ امیر المومنین نے حضرت انسؓ ایک جلیل القدر صحابی کو دُرّے لگائے کیونکہ انھوں نے اپنے غلام سے مکاتبت کرنے سے انکار کیا تھا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے کئی غلاموں کو اعلیٰ عہدوں اور بلند مرتبوں پہ فائز کیا تاکہ ان میں احساس کمتری ختم ہو جائے اور وہ اپنے آپ کو دوسروں کے برابر سمجھیں۔ اسی نقطہ نظر سے حضرت عمرؓ نے آزاد اور غلام لڑکوں کو اکٹھی تعلیم دینے کا بندوبست کیا۔

آپ نے لاوارث (اولاد لقطہ) بچوں کے لئے قانون بنا دیا کہ وہ آزاد ہیں۔ اور ان کا غلام بنانا جرم ہوگا۔ پھر ایسے بچوں کی تربیت کا خاطر خواہ انتظام بھی کر دیا۔ یہ قانون بنا کر آپ نے ایسے مظلوم بچوں پر بہت بڑا احسان کر دیا ورنہ لاوارث بچوں کو غلام بنانا بڑا آسان کام تھا۔

نو آبادیات

حضرت عمرؓ کے عہد میں کئی نئی آبادیاں قائم ہوئیں جہاں اہل عرب جا کر آباد ہوئے۔ چونکہ حضرت عمرؓ اسلامی فوج کی صحت اور تندرستی کا خیال رکھتے تھے۔ اس لئے آپ

حکم دیتے کہ نئی آبادی یا شہر قائم کرنے سے پہلے اُس جگہ کی آب و ہوا کا جائزہ لیا جائے اور جو جگہ عربوں کے مزاج کے موافق ہو اور مرکز (مدینہ) سے وہاں تک پہنچنے میں راستہ دشوار گذار نہ ہو، وہاں شہر قائم کرکے سکونت کی جائے۔ بہت سی نئی آبادیوں میں سے مندرجہ ذیل بہت مشہور ہوئیں۔

بصرہ:- یہ شہر قادسیہ کی مشہور جنگ کے بعد سنہ ۱۴ھ میں عراق اور عرب کی سرحد پر عتبہ بن غزوان نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حکم سے آباد کیا۔ شروع میں تھوڑے سے مسلمانوں نے سکونت اختیار کی لیکن سنہ ۱۷ھ میں جب عراق میں ہی دوسرا شہر کوفہ آباد ہوا تو اس کے ساتھ ہی بصرہ کی آبادی بھی جلدی سے بڑھنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑا فوجی اور تجارتی مرکز بن گیا۔

کوفہ:- عراق کے اکثر علاقے اہل عرب کو راس نہ آئے۔ اس لیے ان کی صحت گرنے لگی سنہ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے سلمانؓ اور حذیفہؓ مدائن (ایران کا قدیم پایہ تخت) سے روانہ ہوئے۔ اور عراق میں دریائے فرات کے مغربی کنارے کی طرف ایک ایسی جگہ تلاش کی جس کی آب و ہوا عربوں کے لیے مناسب تھی۔ اس جگہ کوفہ شہر آباد کیا گیا۔ اس کے درمیان میں ایک جامع مسجد بنائی گئی جس میں چالیس ہزار آدمی نماز پڑھ سکیں۔ تمام مکانات اینٹ اور گارے سے تعمیر ہوئے۔ کشادہ سڑکیں بنوائیں۔ جامع مسجد کے قریب ہی بیت المال بنا اور ساتھ ہی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حاکم کوفہ کا مکان "قصر سعدؓ" کے نام سے تعمیر ہوا۔ مسجد کے ساتھ ہی ایک بڑا سائبان بنوایا جس میں ایران کے

شاہی محلات میں سے لائے ہوئے مرمریں پتھر کے ستون لگوائے گئے۔ اس شہر کی تعمیر میں حضرت عمرؓ نے خاص دلچسپی ظاہر کی چنانچہ آپ کے عہد میں ہی یہ ایک عالی شان اور مشہور و معروف شہر کی حیثیت اختیار کر گیا۔

فسطاط یا فسطاط:۔ ملک مصر میں بابلیون کا مشہور قلعہ تھا۔ جس وقت اسلامی فوج دریائے نیل کے مشرقی کنارے کی طرف بڑھی تو بابلیون میں خیمہ زن تھی۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے بابلیون فتح کرنے کے بعد اسکندریہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا جہاں بہت زیادہ مصری فوجیں اکٹھی ہو چکی تھیں۔ اسلامی فوج کوچ کو تیار ہی تھی کہ حضرت عمرو بن عاص نے دیکھا کہ ان کے خیمے پر ایک کبوتر نے گھونسلہ بنا رکھا ہے۔ آپ نے کہا میرے خیمے کو مت اکھاڑو۔ اسے یونہی چھوڑ جاؤ کیونکہ اس میں ہمارا ایک مہمان ہے۔ چنانچہ کبوتر کی خاطر اس خیمہ کو وہیں کھڑا چھوڑ دیا گیا۔ اسکندریہ فتح کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کے کہنے سے حضرت عمرو بن عاصؓ نے اسی میدان میں جہاں یہ خیمہ چھوڑا تھا ایک شہر آباد کیا جس کا نام فسطاط رکھا۔ عربی زبان میں فسطاط ایک بڑے خیمے کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ شہر اس خیمہ والی جگہ پر بنایا گیا تھا۔ [illegible] اسلامی فوجوں کا ایک اہم مرکز [illegible] اس لئے اس شہر نے بہت جلد ہی ترقی کر لی اور [illegible] مصر کا بڑا [illegible] بن گیا۔ [illegible] علم [illegible] علوم و فنون اور تجارت [illegible] سے بڑا مرکز بن گیا۔

کوفہ:۔ [illegible] عراق میں آباد کیا گیا۔ [illegible] معنی میں [illegible] چونکہ یہ شہر مشرقی [illegible] اور [illegible] ملا ہوا تھا۔ اس لئے یہ نام رکھا گیا۔ حضرت [illegible]

تعمیر کروایا۔ یہاں پہلے ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم بھیجا کہ اس گاؤں کو ایک بڑے شہر میں بدل دیا جائے۔ شہر میں ایک بڑی جامع مسجد بنوائی گئی۔

جیزہ:۔ یہ شہر بھی فتح اسکندریہ کے بعد ساحلی علاقہ پر تعمیر کروایا گیا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے حفاظت کی خاطر یہاں کچھ فوج چھوڑ دی تاکہ سمندر کی طرف سے رومی حملہ آور نہ ہو سکیں۔ ۲۱ھ میں امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حکم سے یہاں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کروایا گیا۔ یہ جگہ ساحل کی وجہ سے دل کش منظر پیش کرتی تھی اس لئے اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی۔

خدمتِ دین

امیر المومنین حضرت عمرؓ کے عہد میں صرف ملکی فتوحات ہی نہیں ہوئیں بلکہ مذہبی خدمات بھی نہایت وسیع پیمانے پر سرانجام دی گئیں۔ اشاعتِ اسلام، درسِ قرآن، حفاظتِ حدیث، فقہی مسائل کا حل اور اسلامی تعزیر کا کام نہایت سرگرمی اور انہماک سے کیا گیا۔ ان کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:۔

اشاعتِ اسلام حضرت عمرؓ نے جس جوش و خروش، دلچسپی اور شوق سے اشاعتِ اسلام میں حصہ لیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے عہدِ خلافت میں بہت زیادہ لوگ مسلمان ہوئے۔ اشاعتِ اسلام صرف اسلامی اخلاق کے عملی مظاہرہ

پر مبنی تھا اور اس سلسلے میں غیر مسلموں پہ ذرا بھر سختی نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ غیر مسلموں کو پوری آزادی دے کر ان کی تمام مذہبی رسومات اور عبادات کی حفاظت کی جاتی۔ وہ لوگ مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق و عادات دیکھ دیکھ کر گرویدہ ہو جاتے اور اسلام لے آتے۔ مسلمان جس نئے ملک یا علاقے میں جاتے، وہاں کے غیر مسلم لوگ ان سے اس قدر متاثر ہوتے کہ سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے مسلمان ہو جاتے۔ جنگ قادسیہ کے بعد چار ہزار غیر مسلم فوج نے اسلام قبول کیا۔ فتح جلولاء کے بعد بہت سے امرا اور دوسرے لوگ حلقہ اسلام میں آ گئے۔ مصر میں دو ہزار مصری یک وقت اپنے بچوں کے ساتھ اسلام لائے۔ الغرض حضرت عمرؓ کی آن تھک محنت اور تربیت سے مسلمان عمدہ اوصاف کا وہ درخشاں نمونہ بن گئے۔ جس کی شعاعیں بڑی تیزی سے پھیل کر دور دراز ملکوں تک پھیل گئیں۔ اور کفر و جاہلیت کی ظلمتیں آپ سے آپ مٹ گئیں۔

درس قرآن

حضرت عمرؓ کو قرآن مجید سے کس قدر محبت اور شغف تھا یہ اس بات سے ظاہر ہے کہ آپ ہی کے اصرار سے عہد صدیقی میں قرآن مجید کتاب کی شکل میں یکجا کیا گیا تھا۔ قرآن کی تعلیم حاصل کرنا چونکہ ہر مسلمان کا فرض اولین ہے، اس لئے حضرت عمرؓ نے بڑے اہتمام سے درس قرآن کا انتظام کیا۔ تمام معلمین اور حفاظ قرآن کی معقول تنخواہیں مقرر کیں۔ عرب سے باہر اسلامی ممالک میں بھی قرآن کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کیا۔ اس سلسلے میں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبادہ بن الصامت اور

حضرت ابوالدرداؓ کو جو تینوں صحابہ اور حفاظِ قرآن تھے، شام میں بھیجا چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن مجید کی تعلیم اس قدر وسیع اور عام ہو گئی کہ بہت سے لوگ حفاظ ہو گئے۔

حفاظتِ حدیث امیر المومنین حضرت عمرؓ نے حفاظتِ حدیث کے سلسلے میں بھی خاطر خواہ انتظام کر دیا۔ آپ نے درس حدیث کے لئے بہت سے معلمین باہر ممالک میں بھیجے، لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا کہ لوگ حدیث روایت کرنے میں ذرا بھر غلطی نہ کریں۔ چنانچہ آپ ہر راوی سے اس کا ثبوت مانگتے اور فرماتے کہ اگر تم نے فلاں روایت کا ثبوت نہ دیا تو تمہیں سزا ملے گی۔ ثبوت ملنے پر آپ فرما دیتے کہ مجھے بدگمانی نہ تھی بلکہ صرف اپنی تسلی کے لئے تصدیق مانگی تھی۔ بہر حال آپ کثرت روایت کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ تاکہ لوگ احتیاط سے کام لیں۔ آپ کے عہد میں جب کوئی معلم دوسرے ممالک میں جانے کے لئے روانہ ہوتا تو آپ اُسے نصیحت کرتے کہ خبردار کہیں تم وہاں قرآن کی جگہ درس حدیث کو ترجیح دینے لگو۔ حضرت ابوہریرہؓ جو ایک صحابی تھے۔ اور روایت حدیث میں سب صحابہ سے پیش پیش تھے، ہمیشہ حضرت عمرؓ سے خوف کھاتے اور کثرتِ روایت سے اجتناب کرتے۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ عہد فاروقی میں بھی اس طرح کثرت سے روایت کرتے تھے۔ اُنہوں نے جواب دیا "اگر میں اس وقت بھی ایسا کرتا تو یقیناً دُرّے کھاتا"۔

فقہی مسائل

تمام حل طلب اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے حضرت عمرؓ مجلسیں مقرر کرتے جن میں مشوروں کے ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں مسائل حل کئے جاتے۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ اس بات کا اہتمام کرتے کہ فقہی مسائل میں اختلاف پیدا نہ ہو تاکہ اس پر عمل کرنے میں کسی کو تامل نہ ہو پیچیدہ مسائل کے حل لکھوا کر باہر ممالک میں بھیج دیئے جاتے۔ فقہا کی بڑی تنخواہیں مقرر کر دیں لیکن عہد فاروقی سے پہلے یہ رواج نہ تھا۔ تمام اسلامی ممالک میں بڑے بڑے فقہا مقرر کر دیئے تاکہ عام لوگوں کو مذہبی مسائل حل کرنے میں دقت نہ ہو۔

عملی انتظامات

حضرت عمرؓ نے خدمت دین کے سلسلے میں عملی انتظامات بھی پوری سرگرمی سے کئے حرم کعبہ کے گرد پہلے کوئی دیوار یا حد نہ تھی۔ آپ نے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی دیوار تعمیر کروائی تاکہ حرم کعبہ کی حد معلوم ہو سکے۔ مسجد نبوی جو پہلے کچی اینٹوں اور لکڑی سے بنی ہوئی تھی۔ دوبارہ لکڑی اور اینٹوں سے مضبوط طریقہ سے بنوائی اور اس کے صحن کو پہلے سے بہت زیادہ وسیع کروا دیا۔ تمام شہروں میں مسجدیں بنوائیں اور ان میں روشنی کا انتظام کروا دیا۔ حجاج کے لئے خاطر خواہ انتظام کروایا تاکہ دور دراز کے ملکوں سے آنے والے حاجیوں کو تکلیف نہ ہو۔

وفات حضرت عمر فاروقؓ

مغیرہ بن شعبہ ایک پارسی تھا جس کے غلام ابو لولو فیروز نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی کہ اس کا آقا اس سے زیادہ محصول لیتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا، کتنا محصول لیتا ہے فیروز نے کہا دو درہم روزانہ۔ آپ نے فرمایا تمہارا کام کیا ہے اس نے کہا نقاشی اور آہنگری۔ آپ نے فرمایا تب تو یہ محصول کچھ زیادہ نہیں۔ ابو لولو فیروز ناراض ہو کر واپس لوٹ آیا اور دوسرے روز فجر کی نماز کے وقت مسجد میں گیا۔ اور حضرت عمرؓ پر نماز کی حالت میں دو دھارے خنجر سے کئی وار کئے۔ لوگ کچھ سمجھے تو کئی ایک کو زخمی کیا۔ بالآخر پکڑا گیا۔ آپ نے پوچھا کس نے مجھے قتل کیا۔ معلوم ہوا تو فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے کسی مسلمان نے قتل نہیں کیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے نماز پڑھائی اور حضرت عمرؓ کو اٹھا کر گھر لے آئے۔ دوا دی گئی لیکن وہ پیٹ کے زخم میں سے باہر نکل گئی۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ آپ بچ نہیں سکتے۔ سب نے درخواست کی کہ امیر المومنینؓ کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ آپ نے تامل کیا۔ لوگوں کے زیادہ اصرار سے آپ نے چھ اشخاص حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے نام بتا دیئے کہ ان میں سے جسے چاہیں منتخب کر لیں۔

اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو بھیج کر حضرت

عائشہ رضہ سے اجازت لی کہ آپ کو وفات کے بعد آنحضرت رسول اللہ ؐ اور حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے پاس دفن کیا جائے حضرت عائشہ رضہ نے یہ جگہ اپنے لئے مخصوص کر رکھی تھی لیکن حضرت عمر رضہ کو اپنے پر ترجیح دی اور اجازت دے دی۔ تیسرے دن یعنی ہفتہ بتاریخ یکم محرم سنہ ۲۴ھ کو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

حضرت عمر فاروق رضہ کی شہادت کے وقت عمر ۶۳ سال تھی۔ اور مدت خلافت دس سال چھ ماہ چار دن تھی۔

فضائل حضرت عمر فاروق رضہ

حضرت عمر رضہ کی علم و فضل کے اعتبار سے بڑی شان و منزلت تھی۔ اسلام لانے سے پہلے بھی آپ اتنے مشہور تھے کہ جب آپ مسلمان ہوئے تو مکہ کے تمام لوگ نیلا پیلا رنگ اوڑھ آئے کہ ایسا شخص اسلام لے آیا۔ گویا کفار کی بنیادیں ہل گئیں اور قبول اسلام کے بعد مسلمانوں کی طاقت روز بروز ترقی کرتی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ فرماتے ہیں۔ کہ "جب سے حضرت عمر رضہ مسلمان ہوئے ہم لوگوں کو برابر غلبہ حاصل ہوا"۔

حضرت عمرو بن عاص رضہ نے ایک مرتبہ آنحضرت ؐ سے پوچھا کہ

آپ کو سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "عائشہؓ، ابوبکرؓ اور عمرؓ" حضرت عمرؓ کی عظمت کا صحیح اندازہ آنحضرتؐ رسول اللہ صلعم کے مندرجہ ذیل اقوال سے ہوتا ہے جو آپ نے ان کے بارے میں مختلف موقعوں پر فرمائے :-

۱ - عمرؓ کی وجہ سے خدا نے اسلام کی مدد کی۔
۲ - اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ نبی ہوتے۔
۳ - عمرؓ سے شیطان بھاگتا ہے۔
۴ - حق بات عمرؓ کی زبان و دل کے ساتھ ہے۔
۵ - عمرؓ جب تک زندہ رہیں گے فتنہ کے دروازے بند رہیں گے۔
۶ - جس نے عمرؓ سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا۔
۷ - ہر نبی کے وزیر ہوتے ہیں۔ میرے وزیر ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں۔
۸ - عمرؓ اپنی خصلت میں موسیٰؑ جیسے ہیں۔
۹ - عمرؓ اہلِ جنت کا چراغ ہے

تقریر
رسول اللہ صلعم کی آمد کے وقت عرب میں پڑھے لکھے لوگ بہت کم تھے۔ سارے قریش میں صرف سترہ آدمی خواندہ تھے۔ حضرت عمرؓ اسی زمانہ میں پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ آپ کو حصولِ علم کا بہت شوق تھا چنانچہ فصاحت و بلاغت میں کمال حاصل تھا۔ بہترین تقریر کرتے اور تقریر سے پہلے اکثر غور و خوض کرتے اور سوچ لیتے کہ کیا کچھ کہنا ہے اسی لئے آپ کی تقاریر نہایت پُراثر ہوتیں۔ اور بہت پسند کی جاتیں آپ کی تقریر یا خطبہ سننے کے لئے لوگ اکثر وقت سے پہلے آکر بیٹھ جاتے تاکہ آپ کے قریب ہو کر الفاظ سنیں فصاحت کی حد یہ تھی کہ

بعض اوقات حضرت عمرؓ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بعینہٖ قرآنی آیات میں نازل ہو جاتے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہؐ سے کہا: لو اتخذنا من مقام ابراھیم مصلّٰی رکاش ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنائیں تو اس کے بعد یہ آیت قرآنی نازل ہوئی: واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی (اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو۔ سورہ البقرہ ۲، رکوع ۱۴، آیت ۱۲۵) حصول علم ہی کا شوق تھا کہ آپ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔

حضرت عمرؓ کو رسول اللہؐ سے قرب حاصل ہونے کی وجہ سے قرآن فہمی کا بہت موقع ملا۔ جو بات سمجھ میں نہ آتی یا کچھ شبہ ہوتا تو آنحضرتؐ سے پوچھ لیتے بلکہ بعض مسائل کو بار بار پوچھ لیتے تاکہ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اپنے عہد میں قرآن کی تفسیر کے لئے خاص مجالس منعقد کرواتے اور پہلے آیات کی تفسیر حاضرین سے پوچھتے، پھر خود وضاحت کرتے۔ آیات کی تفسیر کرتے وقت سند کے طور پر حوالہ قرآن کی دوسری آیات سے دیتے یعنی اصول تفسیر بر آیات قرآن تھا۔ اور اسی کو پسند کرتے تھے۔ ویسے آپ آنحضرتؐ کی تمام زندگی سے واقف تھے۔ اس لئے جہاں ضرورت ہوتی رسول اللہؐ کے قول و فعل سے وضاحت کر دیتے۔

حدیث کی بھی جو خدمت آپ نے کی وہ بھی قابل ستائش ہے آپ نے لوگوں کو ہمیشہ کثرت روایت سے روکا تاکہ وہ آنحضرتؐ سے غلط حدیث منسوب نہ کر دیں۔ بلکہ جب تک ایک ایک لفظ کی تصدیق نہ کر لیتے اس حدیث کو آنحضرتؐ سے منسوب کرنے کی اجازت نہ

کہنے سے اجتناب کرتے۔ جب کوئی شخص حدیث پیش کرتا تو آپ فرماتے کہ ثبوت پیش کرو ورنہ سزا دی جائے گی، چنانچہ لوگ نہایت احتیاط سے احادیث بیان کرتے۔ اس طرح آپ نے علمِ حدیث کے نہایت قوی اصول بنائے مثلاً :-

۱۔ روایت میں سخت احتیاط۔
۲۔ روایت بالالفاظ کا اصول و طریقہ۔
۳۔ روایت پر شہادت لازمی ورنہ سزا۔
۴۔ جرح و تعدیل کا اصول۔

علمِ فقہ میں بھی حضرت عمرؓ کی دسترس اتنی تھی کہ آپ سب سے بڑے فقیہہ اور مجتہد مانے جاتے تھے۔ اپنے عہد میں آپ نے بے شمار فقہی مسائل کو حل کیا۔ آپ سے پہلے اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق رضہ فقہی مسائل حل کرتے تھے لیکن علمی اعتبار سے اصولِ فقہ (استنباطِ مسائل) اور استدلال کے طریقے آپ ہی کی ایجاد ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اخلاق و عادات

حضرت عمرؓ کے عادات و خصائل میں جو خوبیاں اور محاسن پائی جاتی تھیں سب اس تقربِ خاص کا نتیجہ تھیں۔ جو آپ کو بارگاہِ رسالت میں حاصل تھا رسول اللہؐ خود مجسمہ خُلقِ عظیم تھے۔ اور اُن کی بعثت کا دراصل مقصد بھی انسانوں کو عمدہ اخلاق کے ایسے سانچے میں ڈھالنا تھا۔ کہ جس کے

بعد وہ دنیا میں نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے زندگی بسر کی۔ بہرکیف حضرت عمرؓ کے اخلاقِ عظیمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد تمام صحابہ کرامؓ سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ خود رسول اللہ صلعم نے آپ کی بہت زیادہ تعریف کی بلکہ یہاں تک فرما دیا کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے"۔ حضرت عمرؓ کے بعض نمایاں خصائل کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت ذرا تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

(۱) حُبِّ رسولؐ

حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلعم سے کس قدر والہانہ محبت تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

جب آنحضرت صلعم کی وفات ہوئی حضرت عمرؓ کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ رسول اللہ صلعم بھی فوت ہو سکتے ہیں۔ آپ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلعم فوت ہو چکے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ نے آیات قرآنی پڑھ کر سمجھایا کہ رسول اللہ فوت ہو چکے ہیں۔ تو شدتِ غم سے سنبھل نہ سکے اور دھم سے زمین پر گر پڑے۔

حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلعم سے دنیا کی تمام چیزوں بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت تھی اسی لئے وہ ہر وقت آپ کی حفاظت کے لئے ساتھ رہتے اور جب کبھی کوئی شخص آنحضرت صلعم سے گستاخانہ لہجہ میں یا بے ادبی سے بات کہتا یا تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا تو آپ تلوار نکال کر رسول اللہ صلعم سے کہتے کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کا سر الگ کر دوں۔

آنحضرت صلعم سے بے پناہ محبت ہونے کی وجہ سے حضرت عمرؓ رسول اللہ صلعم کے عزیز و اقارب سے بھی محبت کیا کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ جب کبھی دعا مانگتے تو فرماتے کہ اے اللہ! پہلے ہم رسول اللہؐ کو وسیلہ بناتے تھے اب ہم آپ کے چچا عباسؓ کو وسیلہ بناتے ہیں ۔ تو ہماری دعا قبول فرما۔ اپنے عہد میں زید بن حارثہؓ کی تنخواہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی اور فرمایا کہ یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ رسول اللہؐ زیدؓ کو زیادہ عزیز رکھتے تھے ۔ رسول اللہؐ کی ازواج مطہرات کے بڑے بڑے وظیفے مقرر کئے اور ان کے آرام و آسائش کا خاطر خواہ انتظام کر دیا۔

خوف خدا حضرت عمرؓ کے دل پہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف چھایا رہتا ۔ اور قیامت کے دن کی باز پرس سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے کہ " اگر آسمان سے آواز بھی آئے کہ دنیا پہ ایک شخص کے سوا باقی سب جنتی ہیں ۔ تب بھی قیامت کی باز پرس کا خوف مجھ سے نہیں جائے گا ۔ کیونکہ وہ ایک شخص شاید میں ہی ہوں " اس بیان سے حضرت عمرؓ کے دل پہ اللہ کے خوف کا صحیح صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ بیان کی نوعیت ہی ایسی ہے دوسرے یہ الفاظ خود ان کے اپنے ہیں۔

آپ اپنی نمازوں میں اکثر قرآن کی وہ آیات تلاوت فرماتے جن میں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور قیامت کی باز پرس کا ذکر ہے ۔ اور دوران عبادت مسلسل روتے رہتے ۔ یہاں تک کہ پچھلی صفوں میں کھڑے مقتدی بھی آپ کے رونے کی آواز سن سکتے۔

زہد و تقویٰ

حضرت عمرؓ زہد و تقویٰ میں نہایت بلند مرتبہ انسان تھے۔ پرہیزگاری اور قناعت کی اعلیٰ انتہائی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ "عمرؓ سے شیطان بھی ڈرتا ہے"۔ آپ کے عہد میں دور دراز تک ممالک فتح ہوئے قیصر و کسریٰ کی دولتیں ہاتھ لگیں لیکن سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ حاکم وقت ہونے ہوئے بھی آپ نے فقر و فاقہ میں زندگی بسر کی۔ موٹے کپڑے کا لباس پہنتے اور اس میں بھی کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے۔ آپ ایسے پھٹے پرانے لباس کو ہی اپنی بلند شان سمجھتے تھے۔ کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ نرم اور ملائم لباس عیش و عشرت میں مبتلا کر کے انسان کو انسانیت سے گرا دیتا ہے۔ اسی لئے جب آپ کسی نئے ملک کے لئے حاکم مقرر فرما دیتے تو اسے تاکید کر دیتے کہ تم لوگوں کے خدمت گار ہو عیش و عشرت میں مت پڑنا اور نہ ہی ریشمی اور باریک کپڑا پہننا چنانچہ عیاض بن غنم کو ریشمی کپڑا پہننے کے جرم میں ہی مصر کی حاکمیت سے معزول کر کے بالوں کا کھردرا لباس پہنوا کر بکریاں چرانے کے کام پہ لگا دیا۔

آپ بلا تکلف پیوند لگے ہوئے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہن کر مہمانوں سے ملتے اور غیر ممالک کے بادشاہوں کے سفیروں سے ملاقات کرتے۔ عام طور پہ ایک ہی جوڑا کپڑوں کا ہوتا جب میلا ہو جاتا وہی دھو کر پہن لیتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ سے ملنے آئے اور کافی دیر گھر سے باہر انتظار کرتے رہے۔ جب حضرت عمرؓ باہر نکلے تو پتہ چلا کہ کپڑے دھو کر دھوپ میں ڈالے ہوئے تھے۔ دوسرے کپڑے نہ تھے۔ جو پہن کر باہر آ جاتے۔ غذا بھی نہایت سادہ کھایا کرتے

مہمان آجاتے، تو وہی معمولی غذا ان کے سامنے پیش کرتے۔

بیت المال سے معمولی سی رقم لیتے تھے۔ جو مشکل سے گھر کے اخراجات پورا کرسکتی۔ لوگ کہتے کہ امیر المومنین آپ اتنی وسیع سلطنت کے مالک ہیں۔ کچھ تو حالت ٹھیک رکھیئے۔ لیکن آپ فرماتے کہ "میں قوم کا امین بنایا گیا ہوں۔ امانت میں خیانت کیسے کردوں۔؟"

صرف دو درہم روزانہ بیت المال سے لیتے تھے۔ رقم کافی نہ ہوتی تو قرض لے لیتے چنانچہ وفات کے قریب معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم قرض واجب الادا ہے۔

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بیمار ہوئے تو طبیبوں نے آپ کے لئے شہد تجویز کیا۔ معلوم ہوا کہ بیت المال میں شہد موجود ہے۔ چنانچہ آپ بیماری کی حالت میں ہی مسجد میں تشریف لے گئے، اور لوگوں سے پوچھا کہ مجھے بیماری کے سلسلے میں شہد کی ضرورت ہے اگر آپ اجازت دیں تو بیت المال میں سے تھوڑا سا شہد لے لیا جائے۔ لوگوں نے اجازت دی تب شہد منگوایا اور استعمال کیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ بحرین کے علاقے سے مال غنیمت آیا جس میں عطریات مشک و عنبر جیسی تھیں۔ مال کی تقسیم کے وقت حضرت عمرؓ نے عطریات کے ناپ تول کے لئے کسی شخص کی ضرورت محسوس کی جو صحیح تقسیم کرسکے۔ آپ کی زوجہ عاتکہؓ بنت زید نے کہلا بھیجا کہ میں اس کام کو بخوبی سر انجام دے سکوں گی لیکن حضرت عمرؓ نے نامنظور کیا اور فرمایا کہ جو عطر تمہاری انگلیوں پر لگ جائے گا۔ وہ تمہارے استعمال میں آجائے گا۔ اور یوں میرے حصے میں عام لوگوں سے زیادہ حصہ پہنچے گا۔

لطافتِ جسم حضرت عمرؓ کے پاس اگرچہ عمدہ عمدہ کپڑوں کی بہتات نہیں تھی۔ تاہم پاکیزگی اور صفائی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپ قطعاً پسند نہ کرتے کہ کوئی شخص بلا غسل جمعہ کے دن مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آجائے۔ اگر معلوم ہو جاتا تو اسے ڈانٹتے اور فرماتے کہ کیا تمہیں یاد نہیں کہ رسول اللہؐ غسل کا حکم دیا کرتے تھے؟ آپ کا لباس ہمیشہ باوجود پیوند لگے ہوئے اور چھیتڑا ہونے کے صاف ستھرا ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ نے آنحضرت صؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ مجھے رات کو غسل کی ضرورت ہو جایا کرتی ہے۔ آپؐ فرمائیں کہ اس وقت کیا کیا جائے؟ آنحضور صؐ نے فرمایا "وضو کر کے سو جایا کریں"

ایثار ایثار ایک ایسا جذبہ اور ایسا وصف ہے کہ جس میں انسان دنیا میں دوسروں کے ساتھ رہنے کا صحیح ڈھنگ سیکھتا ہے۔ اس سے باہمی ہمدردی، محبت اور سلوک پیدا ہوتے ہیں اور انسان اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ میں یہ وصف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو لوگوں پر کبھی ترجیح نہیں دی تھی۔ اور ساری عمر فقر و فاقہ میں بسر کر دی۔

آپ کو بہت دولت میسر نہیں تھی۔ لیکن جو کچھ پاس تھا اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ جنگ تبوک کی تیاری کے لئے جب مسلمانوں نے مال لا لا کر پیش کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے اپنے سارے مال میں سے آدھا دے دیا۔ ہم سادات کی طرف حضرت عمرؓ کا ایک

قطعہ زمین کا ملا۔ آپ نے آنحضورؐ سے مشورہ کر کے رفاہِ عام کے لئے وقف کر دیا۔

رعب و جلال

حضرت عمرؓ رعب و جلال کے مجسمہ تھے۔ دراصل آپ راست گوئی، جرأت اور عدل و انصاف کے لئے تو یہی پیکر تھے جس کی وجہ سے لوگوں پر آپکی ہیبت چھائی رہتی۔ حق بات کہنے کی زبردست جرأت رکھتے تھے۔ اور اس معاملے میں بڑے سے بڑے شخص سے بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے چنانچہ جب غلط بات دیکھتے تو نہایت سختی سے روکتے۔ عہدِ رسالت میں بھی لوگ آنحضورؐ کی نسبت آپ سے زیادہ ڈرتے تھے۔ آنحضورؐ مجسمۂ رحمت تھے۔ اس لئے لوگوں کی سختیوں اور ایذا رسانیوں کو درگذر کر کے ان کے لئے دعائے خیر فرماتے لیکن حضرت عمرؓ ہر اس شخص کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے جو آنحضورؐ سے زیادتی کرتا یا دین کے معاملات میں احتیاط نہ برتتا۔

عہدِ رسالت میں ایک مرتبہ آنحضرتؐ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے کہ قریش کی چند عورتیں آپ کے پاس آکر بیٹھ گئیں اور بلند آواز سے گفتگو کرنے لگیں۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ بھی آگئے۔ اور باہر سے اندر آنے کی اجازت چاہی آنحضورؐ نے اجازت دی تو وہ عورتیں جلدی سے اٹھیں اور پردہ میں چھپ گئیں۔ حضرت عمرؓ اندر آئے تو آنحضورؐ کے چہرۂ مبارک پر تبسم تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے کیا معاملہ

ہے۔! رسول اللہ ؐ نے فرمایا "ان عورتوں پر مجھے تعجب ہوا جو ابھی یہ یہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ تمہاری آواز سنتے ہی جلدی سے اٹھیں اور پردہ میں ہو گئیں۔" حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میری نسبت آپ سے ان کو زیادہ ڈرنا چاہئے تھا۔" پھر حضرت عمرؓ نے عورتوں سے کہا "اے اپنی جان کی دشمنو! تم مجھ سے خوف کھاتی ہو اور رسول اللہ ؐ سے نہیں ڈرتیں۔؟" عورتوں نے کہا "بے شک! آپ رسول اللہ ؐ سے زیادہ سخت طبیعت رکھتے ہیں۔" آنحضور ؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا "اے ابنِ خطاب! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ جس رستہ پر تم چلتے ہو، شیطان اس راہ پر قطعاً نہیں چل سکتا۔ وہ تم کو دیکھ کر دوسری راہ اختیار کر لیتا ہے۔"

ابنِ عباسؓ آنحضور ؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے بیٹے تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ لیکن اس تقرب کے باوجود وہ حضرت عمرؓ سے ڈرتے رہتے تھے۔ اور گفتگو کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ انہیں کسی آیت کی تفسیر درکار تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ سے پوچھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ چنانچہ ابنِ عباسؓ خود کہتے ہیں کہ میں ایک سال بھر اس انتظار میں رہا ہوں کہ موقع ملے تو حضرت عمرؓ ابن خطاب سے ایک آیت سے متعلق دریافت کروں لیکن رعب کی وجہ سے پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔"

اس ہیبت اور رعب و جلال کی وجہ بہر حال یہ نہیں تھی۔ کہ آپ طبعاً تند و تیز تھے، اور ہر وقت طبیعت میں سختی رہتی تھی۔ بلکہ حضرت عمر رضؓ حق پرست اور حق گو انسان تھے۔ اس لئے اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی کے لئے سختی برتتے تھے۔ حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں۔ "اللہ کی قسم! میرا دل خدا کے بارے میں جب نرم ہوتا ہے۔ تو جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور جب سخت ہوتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔"

رحم و عفو

حضرت عمرؓ اگر اپنے فرائض کی ادائیگی میں سختی سے کام لیتے تھے تو صرف اللہ کی خوشنودی اور حق و باطل کے درمیان حدِ فاصل مضبوطی سے قائم کرنے کے لئے ورنہ آپ شفقت، رحم و کرم اور عفو میں بھی کمال درجہ کے انسان تھے آپ نے ہر ایسے موقع پر جہاں ہمدردی اور رحم کا تقاضا تھا۔ عملی طور پر ایسا نمونہ پیش کیا جس کی مثال ان کے بعد آج تک نہیں ملتی۔

اس زمانے میں غلامی کا رواج بہت زیادہ تھا۔ اسے فوراً بند کر دینا ایک غیر فطری اور ناممکن بات تھی۔ حضرت عمر رضؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں سب سے پہلے یہ کام کیا کہ غلاموں کا مرتبہ ان کے آقاؤں کے برابر کر دیا۔ اعلان کر دیا کہ کوئی عربی غلام نہیں ہو سکتا۔ باقی ممالک میں بھی یہ حکم دینا چونکہ مشکل تھا اس لئے غلاموں کی بہتری کے لئے ہر دوسری تدبیر استعمال کی عام اعلان کر دیا کہ مکاتبت کے ذریعے غلاموں کو آزاد ہونے کا

پورا حق ہے۔ غلاموں کی تنخواہیں ان کے مالکوں کے ہاں باقاعدہ مقرر کیں۔ آزاد غلام بچوں کی تعلیم و تربیت کا اچھا انتظام کرا دیا۔ تاکہ شروع سے ہی آزادانہ خیالات میں پرورش پائیں اور ان میں احساس کہتری پیدا نہ ہو۔ آپ اکثر غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے اور لوگوں کو بھی یہی ترغیب دیتے اور فرمایا کرتے کہ جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے میں عار سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت بھیجتا ہے۔"

ذمی رعایا کے ساتھ نہایت ہمدردی سلوک رکھتے۔ ان کے شہری اور مذہبی حقوق بالکل ویسے ہی تھے جیسے مسلمان رعایا کے۔ حکام کو سختی کے ساتھ متنبہ کرتے کہ خبردار ذمیوں پر ظلم نہ ہو۔ اگر کسی علاقہ سے بدنظمی یا بغاوت کی خبر ملتی تو وہاں کے معتبر مسلمانوں کو بلا کر دریافت کرتے کہ کیا تم نے ذمیوں سے ظلم کیا ہے جو وہاں بغاوت ہو گئی ہے؟ ذمیوں کا یہاں تک خیال تھا کہ حکام سے فرماتے کہ اگر تم نے ان لوگوں پر ظلم و تشدد کیا تو اللہ ہم سے سلطنت چھین لے گا۔ وفات کے قریب آئندہ ہونے والے خلیفہ کے لیے وصیت کر دی کہ ذمیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کیا جائے۔ اور ان کے حقوق کی نگہداشت کی جائے۔

عام رحم و کرم کا ہی جذبہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غریب لوگوں کے لیے مسافر خانے، کنوئیں اور حوض، رستوں میں حفاظتی چوکیاں قائم کیں۔ یتیم خانے بنوائے اور نادار، غریب اور بے بس رعایا کے لیے وظائف مقرر کئے۔

رحم وکرم کے ساتھ ساتھ درگزر اور عفو سے بھی کام لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص عیینہ بن حصن نے آپ سے کہا کہ آپ بہت سخت ہیں۔ انصاف سے حکومت نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ اس گستاخانہ انداز اور بے بنیاد بات سے بہت برہم ہوئے ایک دوسرے شخص نے کہا امیر المومنین، قرآن تو جاہلوں کو چھوڑ دینے اور معاف کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ یہ شخص بھی جاہل ہے۔ اس کا خیال نہ کیجئے۔ تب حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے اور اس شخص کو معاف کر دیا۔

تواضع حضرت عمرؓ میں رعب وجلال کے باوجود انکساری اور عاجزی برابر تھی۔ جس چیز کا موقع ہوتا کام لے لیتے۔ تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کسی بھی کام کو خود کر لینا حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے لئے ہی نہیں بلکہ دوسرے کے لئے اور معمولی سے معمولی شخص کا کام کرنا اور ہاتھ بٹانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اسی لئے ایک مرتبہ جب آپ اپنے اونٹوں پر تیل مل رہے تھے اور ایک شخص نے کہا یا امیر المومنین کسی غلام سے خدمت لی ہوتی تو آپ نے فرمایا! مجھ سے زیادہ کون غلام ہو سکتا ہے۔ جو شخص مسلمانوں کا والی بنایا جائے وہ ان کا غلام بھی ہوتا ہے"۔

دوران جنگ جب سپاہیوں کے خطوط مدینہ پہنچتے تو حضرت عمرؓ خود لوگوں کے گھر پہنچا آتے بلکہ جنہیں ضرورت ہوتی ان کے دروازے پر بیٹھ کر ان کے خط وغیرہ لکھ دیا کرتے۔ بیوہ عورتوں کا خاص خیال رکھتے۔ ان کے لئے پانی بھر لاتے۔ لوگوں کو بازار سے

سودا لا دیتے۔ رات کو اکثر گلیوں اور بازاروں میں گھومتے تاکہ معلوم ہو کہ رعایا کس حال میں ہے۔ اور کوئی ایسا مصیبت زدہ نہ ہو جو دربار خلافت تک نہ پہنچ سکتا ہو۔ ایک مرتبہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ دیکھا کہ چند بچے رو رہے ہیں۔ اور ایک عورت قریب بیٹھی کچھ پکا رہی ہے۔ قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہانڈی خالی چولہے پر رکھی ہے۔ بچے کھانے کے انتظار میں بھوک سے رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ فوراً چلے گئے اور بیت المال سے آٹا، گوشت اور کھجوریں لیکر خود اٹھائیں اور جلدی جلدی اس مکان کی طرف چلنے لگے۔ آپ کا خادم اسلم بھی ساتھ تھا اسلم نے عرض کیا امیر المومنین! یہ سامان مجھے دے دیں آپ کیوں اٹھائے جا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "اسلم! قیامت کے دن بھی میرا بوجھ تم اٹھاؤ گے؟" چنانچہ خود ہی سامان لیے وہاں پہنچے، اپنے سامنے کھانا تیار کروایا اور جب بچے کھا چکے تو واپس لوٹے۔

ایک مرتبہ رات کو گھوم رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمہ سے کسی عورت کے رونے کی آواز آئی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عورت کو بچہ ہونے والا ہے اور درد زہ سے رو رہی ہے۔ آپ جلدی سے گھر آئے اور اپنی بیوی ام کلثومؓ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ بچہ پیدا ہوا تو ام کلثومؓ نے خیمہ کے اندر سے پکارا "امیر المومنین اپنے دوست (بدو) کو مبارک باد دیجئے!" وہ بدو امیر المومنین کا لفظ سنتے ہی گھبرا اٹھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "کیوں گھبراتے ہو، صبح میرے پاس آنا میں تمہارے بچے کے لئے وظیفہ مقرر کر دوں گا۔"

حد یہ تھی کہ بعض ایسے نادار، ضعیف اور نابینا لوگوں کے گھر پہنچ کر روزانہ کام کر آتے کہ انہیں معلوم تک بھی نہ ہوتا کہ کون آتا ہے اور ان کی مدد کر کے چلا جاتا ہے۔

شجاعت حضرت عمرؓ شجاعت اور بہادری میں بھی بے مثال نظر آتے ہیں۔ اسلام سے پہلے بھی آپ قریش مکہ میں شجاعت کے اعتبار سے مشہور تھے۔ اور اسلام لانے کے بعد تو حقیقتاً اسلام کو آپ کی وجہ سے تقویت ملی۔ خود رسول اللہ فرماتے ہیں کہ "عمرؓ کی وجہ سے اسلام کو مدد ملی"۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "عمرؓ جب سے مسلمان ہوئے ہم لوگوں کو برابر غلبہ حاصل ہوا۔"

حضرت عمرؓ کی ساری زندگی شجاعت اور مردانگی سے بھری پڑی ہے۔ غزوۂ اُحد اور غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں کو شکست ہوتی نظر آنے لگی اور بہت سے مسلمان بھاگ گئے۔ اُس وقت حضرت عمرؓ ان ایک دو ثابت قدم صحابۂ کرامؓ میں سے تھے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کے لیئے اکیلے میدان جنگ میں رہ گئے تھے۔

خانگی زندگی گھریلو زندگی نہایت سادہ تھی۔ غذا معمولی ہوتی اور بلا تکلف وہی مہمان کو پیش کی جاتی۔ لباس بھی نہایت معمولی قسم کا ہوتا تھا۔ اولاد سے بہت محبت تھی۔ لیکن یہ محبت خلافت کے معاملات میں کبھی حائل نہیں ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ کے حقیقی بھائی زید جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے۔ آپ کو ان سے بہت محبت تھی ان کی شہادت کے بعد

ان کی تنیم بچی اسماء سے بہت پیار کیا کرتے تھے۔

ذریعہ معاش شروع سے تجارت تھا اور عہد خلافت کے شروع ہو جانے پر بھی کچھ عرصہ تجارت ہی کرتے رہے لیکن پھر کام کی زیادتی سے تجارت چھوڑنی پڑی اور بیت المال سے ایک معمولی رقم بطور تنخواہ لیا کرتے تھے جس سے بمشکل گذارہ ہوتا تھا۔ کچھ دیر بعد سب لوگوں کے وظائف مقرر کیے گئے تو حضرت عمرؓ کا وظیفہ بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہوا۔

آپ کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ اکثر آپ کو کہتی رہتیں کہ امیرالمومنین! اب آپ ایک وسیع سلطنت کے حاکم ہیں، باہر سے بادشاہوں کے سفیر آپ سے ملنے آتے رہتے ہیں۔ اس لئے آپ کچھ اچھا لباس پہنا کیجئے۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ یہ جواب دیتے کہ اے حفصہؓ تمہیں رسول اللہ ؐ کی زندگی یاد نہیں رہی۔ مجھے ایسا کام کرنے کے لئے کیوں کہتی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کیا کرتے تھے۔ مجھے تو آخرت کا فکر ہے اور خوف خدا سے ہمیشہ دبا رہنا اصل ہے۔

سوالات

۱۔ جنگ قادسیہ کے حالات و واقعات بیان کرو۔

۲۔ حضرت خالدؓ بن ولید کے نوجی کارنامے یوں بیان کرو کہ جس سے ان کی مذہبی اور ملکی خدمت نمایاں نظر آئے۔

۳ - حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت میں فوجی اور مالی نظام کیسا تھا؟

۴ - حضرت عمرؓ کا غیر مسلموں سے کیسا سلوک تھا؟ واقعات سے ثابت کیجئے۔

۵ - حضرت عمرؓ کے اخلاق و عادات بیان کرو۔

حضرت عثمان غنیؓ

حضرت علی المرتضیٰؓ

قبل از اسلام زندگی

حضرت عثمان غنی رض

عہد خلافت ۲۴-۳۵ھ

نام و نسب

آپ کا نام عثمان تھا۔ کنیت ابو عبد اللہ اور ابو عمرو تھی آپ کا لقب ذوالنورین تھا لیکن عثمان غنی کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔ مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے غنی کہلاتے تھے۔ آپ کے والد کا نام عفان اور والدہ کا اروی تھا۔ باپ کی طرف سے نسب یہ ہے: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اور والدہ کی طرف سے اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف یعنی آپ کا نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلعم کے نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ کی نانی بیضاء ام الحکیم آنحضرت صلعم کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ آپ رسول اللہ صلعم کے داماد بھی تھے اور یکے بعد دیگرے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں (حضرت رقیہ رض اور حضرت ام کلثوم رض) سے شادی ہوئی۔

قبل از اسلام زندگی

حضرت عثمان رض کی پیدائش واقعہ فیل کے چھٹے سال اور آنحضرت صلعم کی ولادت کے پانچ سال بعد ہوئی۔ آپ نے بچپن ہی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ جوان ہوئے تو تجارت شروع کی اور اپنی دیانت، راستی اور معاملہ فہمی کی بنا پر جلد شہرت حاصل کر لی اور مال و دولت کی اتنی فراوانی

ہو گئی کہ غنی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آپ کا خاندان (امیہ بن عبد شمس کے نام سے منسوب) اموی کہلاتا تھا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اسی خاندان میں سے تھے۔ اور یہ خاندان سوائے بنو ہاشم (آنحضرتؐ کا خاندان) کے باقی تمام عربوں سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نہایت شرافت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

قبولِ اسلام

حضرت عثمان رضؓ کے حضرت ابو بکر رضؓ صدیق سے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ جب حضرت ابو بکر رضؓ اسلام لائے تو انہوں نے اپنے دوست اور احباب میں اسلام کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ جن نیک دل مخلص اور پارسا لوگوں نے اسلام قبول کیا ان میں حضرت عثمان رضؓ بھی تھے۔ آپ نے آنحضورؐ کے ہاتھ پہ بیعت اسلام کی۔ یہ حضرت عثمان رضؓ کی دیانتداری اور نیک نیتی کا بین ثبوت ہے۔ کہ انہوں نے اپنے خاندانی اثرات کے قطع نظر اسلام کی حقانیت قبول کر لی۔ ورنہ آپ کے خاندان (اموی) کے تمام بڑے بڑے سردار عقبہ بن معیط اور ابو سفیان وغیرہ آنحضرتؐ کی مخالفت صرف اس لئے کر رہے تھے کہ کہیں سارا اقتدار ان کے خاندان سے چھن کر آنحضرتؐ کے خاندان بنو ہاشم کے ہاتھوں میں نہ چلا جائے۔

آنحضرتؐ حضرت عثمان رضؓ کے عادات و خصائل کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اور ان کے ساتھ پہلی رشتہ داری کے علاوہ ایک عزیز ترین رشتہ قائم کر لیا۔ آنحضورؐ نے اپنی بیٹی حضرت رقیہ رضؓ کا نکاح آپ سے کر دیا۔ حضرت رقیہ رضؓ کا نکاح اسلام سے پہلے

عتبہ بن ابو لہب سے ہوا تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی نبوت کے اعلان کے بعد ابو لہب آنحضور ﷺ کا سخت دشمن بن گیا جس کی وجہ سے اس کے بیٹے عتبہ نے حضرت رقیہ رضؓ کو طلاق دے دی۔ چنانچہ حضرت رقیہ رضؓ کا دوسرا نکاح حضرت عثمان غنی رضؓ سے ہوا تھا۔

مکہ میں کفار کی سختیاں جب بڑھ گئیں تو آنحضور ﷺ نے کچھ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کے لئے فرمایا تھا۔ چنانچہ اس پہلے قافلہ میں حضرت عثمان رضؓ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی اجازت سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ آپ مسلمانوں میں سب سے پہلے مہاجر تھے جنہوں نے ہجرت کے لئے تیاری کی۔ کچھ عرصہ حبشہ رہنے کے بعد واپس مکہ لوٹ آئے تھے۔ اور پھر ہجرت مدینہ کے وقت مدینہ چلے گئے۔ مدینہ میں حضرت اوس بن ثابت رضؓ سے برادری (مواخات) قائم ہوئی۔ اور ان سے بہت گہرے تعلقات پیدا کر لیے۔

مدینہ میں حضرت عثمان رضؓ اپنا پرانا کاروبار تجارت کرنے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں پھر مالا مال ہو گئے۔ آپ بڑے فیاض تھے۔ غریب اور نادار مسلمانوں کی مدد کرتے رہتے۔ مدینہ میں ایک کنواں بیئر رومہ کے نام سے مشہور تھا۔ صرف اس کنوئیں کا پانی ہی تمام شہر بھر میں پینے کے قابل تھا۔ لیکن یہ ایک یہودی کی ملکیت تھی۔ جو پانی بیچتا تھا۔ غریب لوگوں کو پانی نہ ملنے یا کم ملنے کی بہت تکلیف تھی۔ حضرت عثمان رضؓ نے آنحضرت ﷺ کا اشارہ پا کر کنواں ایک بھاری رقم سے خرید لیا اور اسے عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔



مسلمانوں میں یہ پہلا صدقہ جاریہ تھا جو حضرت عثمانؓ نے جاری کیا۔

ہجرت مدینہ کے بعد حضرت عثمانؓ سوائے غزوۂ بدر کے تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک جنگ رہے۔ غزوۂ بدر کے وقت حضرت رقیہؓ سخت بیمار تھیں چنانچہ آں حضرتؐ نے آپ کو جنگ میں شریک ہونے کی بجائے حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں رہنے دیا لیکن جس وقت فتح بدر کی خبر مدینہ پہنچی، حضرت رقیہؓ اپنے مالک حقیقی کے پاس جا پہنچیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا اور فرمایا کہ "تم کو اللہ کے ہاں شرکت جنگ کا اجر ملے گا"

حضرت عثمانؓ کو حضرت رقیہؓ کی وفات کا بہت غم ہوا اور افسوس کرتے کہ میرا رشتہ آنحضورؐ سے ٹوٹ گیا ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد آنحضرتؐ نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثومؓ حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دے دی۔ حضرت عثمانؓ خاندان نبوت سے دوبارہ رشتہ بندھ جانے پر بہت خوش ہوئے۔

۶ھ میں جب آنحضرتؐ زیارت کعبہ کے لئے چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اور مکہ کے قریب تقریباً ایک منزل کے فاصلہ پہ مقام حدیبیہ میں ٹھہرے۔ تو حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا کہ کفار کو سمجھا دیں کہ مسلمان لڑنے نہیں آئے صرف زیارت کعبہ کے لئے آئے ہیں لیکن کفار مکہ نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا اور یہ مشہور کر دیا کہ وہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے تمام مسلمانوں سے بیعت لی جو بیعت رضوان

کے نام سے مشہور ہے۔ بعد میں حضرت عثمان رضہ واپس آگئے اور جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ واقعۂ حدیبیہ کے مفصل حالات اسی کتاب کے گزشتہ صفحات میں درج ہیں۔

آپ ہمیشہ اسلام کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے جنگ تبوک میں جب آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا تو اس وقت مدینہ میں قحط کا زمانہ تھا۔ حضرت عثمانؓ نے تمام فوج کے ایک تہائی حصہ کا خرچ خود برداشت کیا۔ اس جنگ کے لیے تیس ہزار کا لشکر تیار ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضہ نے دس ہزار سے کچھ زائد افواج کا سارا خرچ اپنے ذمہ لیا تھا۔ آپ کی اس فیاضی پر آنحضور صلعم بہت زیادہ خوش ہوئے۔

سنہ ۱ھ میں آنحضرت صلعم کے ساتھ حج ادا کیا۔ زمانۂ رسالت میں کاتبان وحی میں سے تھے۔ اور قرآن مجید حفظ کر رکھا تھا۔ آنحضور صلعم کے تمام بڑے بڑے مشوروں میں جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضہ اور حضرت عمر فاروق رضہ شریک مجلس ہوتے تھے۔ حضرت عثمان رضہ بھی ساتھ ہوتے۔

حضرت ابوبکر رضہ کے عہد خلافت میں آپ مجلس شوریٰ کے اعلیٰ ارکان میں سے تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ بیمار ہوئے اور وفات قریب معلوم ہوئی تو حضرت عثمانؓ سے ایک وصیت نامہ لکھوایا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب وصیت نامہ لکھا جا رہا تھا اور ابھی کسی آئندہ ہونے والے خلیفہ کا نام نہیں لکھا گیا تھا کہ حضرت ابوبکر رضہ غشی کی حالت میں بے ہوش ہوگئے۔ حضرت عثمان رضہ نے اپنی فہم و فراست سے خود ہی حضرت عمر رضہ کا نام لکھ دیا۔

جب ہوش آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہ حصہ کیا لکھا گیا ہے آپ نے پڑھا اور جب حضرت عمرؓ کا نام آیا تو خوشی سے پکار اٹھے "اللہ اکبر" پھر حضرت عثمانؓ کی اس معاملہ فہمی اور دور اندیشی کی بہت تعریف کی۔

انتخاب حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی آپ مجلسِ شوریٰ کے ممتاز رکن تھے۔ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ اب آپ صحت یاب نہیں ہو سکیں گے تو انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ہونے والے خلیفہ کو منتخب کر دیں۔ زیادہ اصرار پر حضرت عمرؓ نے چھ اشخاص حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے نام تجویز کئے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھ اشخاص کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کو امیر بنا لو لیکن فیصلہ تین دن تک ضرور کر لینا۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان چھ صحابہؓ کو بلا کر نصیحت کی کہ راہ راست پر چلنا۔ اور باہم مخالفت نہ کرنا بلکہ اتفاق اور سلوک سے رہنا۔ ضرورت ہو تو انتخاب میں رائے کے لئے عبداللہ بن عمر کو بلا لینا۔

حضرت عمرؓ کی وفات کے دو روز بعد تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تیسرے روز حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے رائے دی کہ ہم چھ میں سے جو کوئی دوسرے کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو سکے۔ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا نام پیش کیا۔ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کا نام لیا۔ اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کے حق میں اپنا نام واپس لے لیا۔ ان تینوں میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا میں بھی اپنا حق چھوڑتا ہوں اور باقی دو حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ

میں سے جو کوئی قرآن، سنت اور دونوں خلفاء سابقہ کے نقش قدم پر چلے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے گی۔ پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دونوں بزرگوں سے کہا کہ آپ دونوں اپنا فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دیں۔ میں اللہ اور رسول کی خاطر جو صحیح فیصلہ ہوگا، وہی دوں گا۔ دونوں نے اجازت دے دی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مسجد نبوی میں ایک تقریر کے بعد فیصلہ دیا کہ لوگوں سے مشورہ کے بعد یہ طے پایا ہے کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ بنائے جائیں۔ لہٰذا میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں یہ دیکھ کر سب لوگوں نے بڑھ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ ۳ محرم ۲۴ھ کو دوشنبہ (پیر) کا دن تھا۔

خلیفہ منتخب ہو جانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے خطبہ خلافت دیا اور فرمایا کہ مسلمانوں کو چند روزہ زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں بسر کرنی چاہیے اور دنیاوی مال و دولت کے لالچ میں اپنی آخرت خراب نہیں کرنی چاہیے۔ پھر آپؓ نے حکام کے نام ایک نصیحت نامہ جاری کیا کہ وہ عدل و انصاف سے کام کریں۔

فتوحات

عہدِ عثمانی سے پہلے کافی فتوحات ہو چکی تھیں اور تمام مفتوحہ علاقوں میں حضرت عمرؓ نے ایک مستحکم نظامِ سلطنت قائم کر کے مستقل طور پہ آئندہ خلیفہ کے لئے سہولت چھوڑ دی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے فتوحات کا سلسلہ برابر جاری کیا اور تقریباً ایک سال تک ملکی نظم و نسق میں کوئی رد و بدل نہ کیا سوائے اس بات کے کہ حضرت عثمانؓ نے خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق کوفہ میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو وہاں کے حاکم مغیرہ بن شعبہ کی جگہ مقرر کر دیا۔

باشیانِ آذربائیجان و آرمینیا کی سرکوبی

ایران کے علاقے آذربائیجان اور آرمینیا حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہو چکے تھے اور باجگذار علاقوں کی حیثیت سے امیر المومنین کے تحت تھے۔ عہدِ عثمانی کے پہلے سال ہی ان دونوں علاقوں کے باشندوں نے بغاوت کر دی اور خراج دینے سے انکار کر دیا ولید بن عقبہ اس وقت کوفہ کے حاکم تھے اور کوفہ میں چالیس ہزار اسلامی فوج رہتی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے حکم سے ولید بن عقبہ نے آذربائیجان پہ حملہ کیا اور اسے زیر کر لیا۔ ولید بن عقبہ نے سلمان بن ربیعہ کو فوجی دستہ دے کر آرمینیا کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ چنانچہ یہ علاقہ بھی دوبارہ فتح کر لیا گیا۔

باغیانِ مصر و روم کی سرکوبی

مصر کے حاکم حضرت عمروؓ بن عاص

تھے۔ صرف چھوٹے سے علاقے صعید میں عبداللہ بن ابی سرح حاکم تھے۔ عہد فاروقی سے یہ شکایت چلی آرہی تھی کہ مصر کے خراج کی رقم کم ہے لیکن ہر مطالبے پر حضرت عمروؓ بن عاص کہتے کہ "اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی" یعنی جو رقم وہاں سے وصول ہوتی ہے اس سے زیادہ وصول نہیں ہو سکتی۔

۲۵ھ میں حضرت عثمانؓ نے حضرت عمروؓ بن عاص کو معزول کر کے مصر کی حاکمیت عبداللہ بن ابی سرح کو دے دی۔ حضرت عمروؓ بن عاصؓ نے یہ تمام علاقے فتح کئے تھے اس لیے اُن سے وہاں کے لوگ سہمے رہتے تھے جونہی وہ معزول کئے گئے وہاں کے باشندوں نے شرارتیں شروع کر دیں اور موقع دیکھ کر سکندریہ کے رومیوں نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ مصریوں کو خدشہ ہوا کہ کہیں رومی پھر سے ان پر قابض نہ ہو جائیں چنانچہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو مشورہ دیا کہ حضرت عمروؓ بن عاصؓ کو دوبارہ فوجی کمان دے دی جائے۔ حضرت عثمانؓ معاملہ سمجھ گئے۔ اور حضرت عمروؓ بن عاص کو حکم بھیجا کہ وہ فوج کو سنبھال کر باغیوں کی سرکوبی کریں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے دوبارہ اسکندریہ فتح کیا۔ اور باغیوں کا سر کچل دیا۔ پھر شہر کی فصیل کو توڑ ڈالا تاکہ باغی دوبارہ قلعہ بند ہو کر بغاوت نہ کر سکیں۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ حضرت عمرو بن عاصؓ کو فوجی انتظامات دے دیئے جائیں اور باقی نظام حکومت عبداللہ بن ابی سرح کے پاس رہے لیکن حضرت عمروؓ بن عاصؓ نے منظور نہ کیا اور ۲۷ھ میں مصر کا تمام نظام سلطنت عبداللہ بن ابی سرح کو دے دیا گیا اور حضرت عمرو بن عاصؓ واپس مدینہ آ گئے۔ بعد میں مصر کا خراج زیادہ آنے لگا۔

تو حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ سے فرمایا "اے عمروؓ! دیکھو اونٹنی اب زیادہ دودھ دے رہی ہے۔" حضرت عمروؓ بن عاص بولے۔ "ہاں امیرالمومنین! لیکن بچے تو بھوکے رہ گئے ہیں"

فتح طرابلس

طرابلس (Tripoli) شمالی افریقہ کا ایک علاقہ تھا جو حضرت عمرو بن عاصؓ ۲۲ھ میں فتح کر چکے تھے لیکن اس پر قبضہ نہیں رہا تھا۔ ۲۷ھ میں مصر کے حاکم عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے طرابلس پر حملہ کرنے کی تیاری کر لی۔ مدینہ سے ایک تازہ دم فوج مدد کے لئے روانہ کی گئی جس میں بہت سے جلیل القدر صحابہ بھی تھے۔ اور اس کی سرکردگی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ میں تھی۔ اسلامی فوج جب طرابلس پہنچی تو اہل طرابلس بڑی ثابت قدمی سے لڑے اور جنگ کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ آخر تمام فوج کی کمان حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے سنبھال لی۔ اور دوسرے دن آدھی فوج دوپہر تک لڑی اور باقی آدھی دوپہر کے بعد۔ اس طریقہ سے اہل طرابلس شکست کھا گئے اور صلح کی درخواست کی۔ عبداللہ بن ابی سرح نے پچیس لاکھ دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ وعدہ کے مطابق حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن سعد کو اس فتح کے بعد انعام دیا۔ لیکن مسلمانوں نے اعتراض کیا۔ اسلئے حضرت عثمانؓ نے واپس لے لیا۔

فتح الجزائر و مراکش

یہ علاقے بھی طرابلس کے ساتھ ساتھ تھے اور تسخیر طرابلس کے ساتھ یہ بھی فتح ہو گئے۔ ان علاقوں کی مہم بھی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ہی سر کی۔ مسلمانوں کو ان چھوٹے علاقوں میں بھی مزاحمت پیش آئی۔ لیکن فتح و نصرت نے انہی کے

قدم چومے۔ بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

فتح قبرص

قبرص اس جزیرہ کا پرانا نام ہے جو شام سے قریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر بحیرہ روم میں اب سائپرس (Cyprus) کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے عہد فاروقی میں ہی محسوس کیا تھا۔ کہ مصر اور شام اس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتے۔ جب تک قبرص پر قبضہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے عہد فاروقی میں جب وہ شام کے حاکم تھے۔ حضرت عمرؓ سے قبرص فتح کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے کسی مصلحت کی بنا پر اسکی اجازت نہیں دی تھی۔ چنانچہ ۲۸ھ میں دوبارہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے قبرص پر حملہ آور ہونے کی اجازت مانگی حضرت عثمانؓ نے اجازت دیدی لیکن اس شرط پر کہ صرف انہی مسلمانوں کو اس حملہ میں شریک کیا جائے۔ جو اپنی مرضی سے شریک ہونا چاہیں۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے جنگی کشتیاں بنوائیں اور عبداللہ بن قیس حارثی کی سرکردگی میں قبرص پر حملہ کے لیے اسلامی دستہ روانہ کیا۔ اس دستے میں مدینہ سے صحابہؓ کی ایک جماعت بھی آکر شریک ہوگئی تھی۔ اہل قبرص مسلمانوں کی آمد سے سہم گئے۔ اور مندرجہ ذیل شرائط پر صلح ہوگئی۔

۱۔ اہل قبرص سات ہزار دینار سالانہ خراج دیا کریں گے۔

۲۔ مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

۳۔ اگر کوئی دشمن مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو اہل قبرص مسلمانوں کو پہلے ہی اطلاع دیں گے اور دشمن کی نقل و حرکت سے خبر کریں گے۔

۴۔ اسلامی فوج جب چاہے قبرص میں سے گزر سکتی ہے۔

۳۳ھ تک اہل قبرص اس صلح نامے پر قائم رہے۔ لیکن اس کے بعد

اس کی خلاف ورزی کر کے رومیوں کو مسلمانوں کے خلاف مدد پہنچائی۔ امیر معاویہؓ نے دوبارہ حملہ کر کے قبرص فتح کیا۔ اور سارا جزیرہ اپنے تحت کر لیا۔

تسخیر طبرستان و خراسان

۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ حاکم بصرہ کو معزول کر کے عبداللہ بن عامرؓ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ ۳۰ھ میں عبداللہ بن عامرؓ نے خراسان کے باغیوں پر فوج کشی کی۔ اسی اثناء میں سعید بن عاصؓ ایک فوجی دستے کے ساتھ جس میں امام حسنؓ، امام حسینؓ اور عبادلہ اربعہ یعنی عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ شریک تھے۔ طبرستان کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ عبداللہ بن عامرؓ کے خراسان پہنچنے سے پہلے ہی سعید بن عاص نے طبرستان، خراسان اور جرجان کے علاقے فتح کر لئے عبداللہ بن عامرؓ آگے بڑھ گئے اور تسخیرات۔ کابل۔ سجستان۔ نیشاپور۔ اور کئی چھوٹے چھوٹے علاقے فتح کر لئے۔

اسی دوران میں حاکم کوفہ ولید بن عقبہ پر ایک سازش کے تحت شراب پینے کا الزام لگا۔ حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ کو معزول کر کے سعید بن عاصؓ کو والئے کوفہ مقرر کیا۔

عظیم الشان بحری فتح

قیصر روم برابر مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاری کرتا رہا۔ اس نے ایک بہت بڑا جنگی بحری بیڑا مسلمانوں کے مقابلے کے لئے اسکندریہ کی طرف روانہ کیا۔ والئے مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ نے اسلامی بیڑے کی کمان ہاتھ

ہیں لی اور تمام جنگی جہازوں کو آپس میں باندھ کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ بڑی خوں ریز جنگ ہوئی۔ بے شمار رومی تباہ ہوئے مسلمان بھی کافی شہید ہو گئے۔ لیکن فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی۔ اس بحری جنگ سے مسلمانوں کی دھاک رومیوں پر بیٹھ گئی۔

متفرق جنگیں اور فتوحات

اس کے بعد بہت سی چھوٹی چھوٹی جنگیں پیش آئیں لیکن سب میں مسلمان ہی غالب رہے۔ ۳۲ھ میں فاریاب، طالقان اور جوزجان کے بہت سے علاقے فتح ہوئے۔ ان فتوحات کا سہرا عبداللہ بن عامرؓ کے سر ہے۔ ۳۳ھ میں امیر معاویہؓ نے حصن المرآۃ کا رومی علاقہ فتح کیا۔ اسی سال میں اہل اطرابلس نے عہد کی خلاف ورزی کی۔ عبداللہؓ بن ... کی وجہ سے حملہ کر کے دوبارہ قبضہ کر لیا۔

ما تشریح ہو جاتا ہے۔ اپنے حضرت عثمانؓ ... [illegible]

عہد عثمانی میں نظام حکومت

حضرت عثمانؓ نے بھی حضرت عمرؓ کی طرح اسلامی سلطنت کو مختلف صوبوں اور اضلاع میں تقسیم کر رکھا۔ عہد فاروقی میں ملک شام تین صوبوں دمشق، اُردن اور فلسطین میں منقسم تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے ان تینوں کو ملا کر ایک ہی صوبہ بنا دیا۔

ایک امام جو نئے علاقے فتح ہوئے ان کے بھی علیحدہ علیحدہ
عبد اللہ صوبے مقرر کر دیئے۔ ہر صوبے میں ایک حاکم مقرر
بن زبیرؓ شریک مختلف صوبوں کی فہرست ہے اور ساتھ ہی ان
عبداللہ بن عامر حاکموں کے نام بھی ہیں:-

خراسان اور ۱- مکہ :- (عبداللہ بن حضرمی)
گئیے ا ۲- طائف :- (قاسم بن ربیعہ ثقفی)
۳- جُند :- (عبداللہ بن ربیعہ)
۴- صنعاء :- (یعلیٰ بن منیہ)
۵- بصرہ :- (عبداللہ بن عامر)
۶- کوفہ :- (ابو موسیٰ اشعری)
۷- مصر :- (عبداللہ بن سعد بن ابی سرح)
۸- شام :- (امیر معاویہ)
۹- قنسرین :- (حبیب بن مسلمہ فہری)

حضرت عثمانؓ حکام کی سختی سے نگرانی کرتے۔ حاکم کے

خلاف شکایت کی تصدیق ہو جاتی تو حاکم سے باز پرس کرتے اور اگر شکایت جائز ہوتی تو معزول کر دیتے جیسا کہ فتوحات میں گزر چکا ہے۔ حکام کی نگرانی اور حالات کی تفتیش کے لئے مدینہ سے آدمی وفود (وفد کی جمع) کی شکل میں بھیجے جاتے۔ ان وفود میں حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جمعہ کے خطبہ سے پہلے لوگوں سے حالات دریافت کرتے۔ اور اسی طرح حج کے موقعہ پر اعلان کروایا جاتا کہ اگر کسی کو کسی حاکم سے کوئی شکایت ہو تو بیان کرے۔

مالی نظام

عہد عثمانی میں مزید ممالک کے فتح ہونے سے مالی آمدنی میں اضافہ ہو گیا لیکن وسعت سلطنت کی وجہ سے اخراجات بھی بڑھ گئے اس لئے مالی اضافہ سا تھ ساتھ خرچ ہو جاتا۔ حضرت عثمانؓ نے مالی نظام بالکل انہی طریقوں پر قائم رکھا جن پر حضرت عمرؓ نے چھوڑا تھا۔ صرف وظیفوں میں کچھ اضافہ کر دیا۔ یہ حضرت عثمانؓ کی فیاضی کی نشانی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے بہت سے غریبوں کا گزارا کا کھانا بھی بیت المال سے مقرر کر دیا۔

فوجی نظام

حضرت عثمانؓ نے سابقہ فوجی نظام جو حضرت عمرؓ کے عہد میں قائم تھا، بدستور رکھا۔ اس کے علاوہ اس میں یہ اضافہ کیا کہ بحری جنگوں کا آغاز کیا اور اس کے لئے بحری جنگی بیڑے تیار کروائے چنانچہ بحری جنگ میں قبرص فتح کیا اور رومیوں کے بہت بڑے جنگی بیڑے کو شکست دے کر شام و مصر کو ان کی نئی سازشوں اور فسادوں سے محفوظ کر دیا۔ حضرت عثمانؓ

نے فوجی نظام میں ایک یہ بھی اضافہ کیا کہ حاکم فوج کا ایک نیا عہدہ ایجاد کیا چنانچہ صوبہ صنعاء کے والی یعلی بن منیہؓ تھے اور حاکم فوج عبداللہ بن ربیعہ مقرر تھے۔ اسی طرح عمرو بن عاصؓ والی مصر تھے اور حاکم فوج عبداللہ بن ابی سرح تھے۔

ملکی نظم و نسق ملکی، فوجی اور مالی نظام کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے باقی تمام محکمے اور شعبے بالکل اسی طرح قائم رکھے جس طرح عہد فاروقی میں تھے۔ البتہ عہد عثمانی کے آخر میں بنوامیہ قدرے غالب آ گئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کی سادگی اور نرم دلی سے پورا فائدہ اٹھا کر ذاتی مفاد کے لئے ملکی نظم و نسق درہم برہم کر دیا اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

تعمیرات سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ جس قدر ضرورت بڑھتی تعمیرات کا کام زیادہ ہو جاتا۔ رفاہِ عام کے لئے نئی سڑکیں، پل، مہمان خانے، مسجدیں اور حفاظتی چوکیاں بنوائیں۔ کوفہ میں عہد عثمانی سے پہلے مسافر خانہ نہیں تھا۔ حضرت عثمانؓ نے کچھ مکانات خرید کر ایک کشادہ مسافر خانہ بنوا دیا۔ اسی طرح دوسرے نئے مفتوحہ شہروں میں مسافر خانے بنوائے۔ دوسرے ممالک سے جو رستے مدینہ کو آتے تھے۔ ان پر زیادہ توجہ کے ساتھ حفاظتی چوکیاں، سرائیں اور چشمے تعمیر کروائے تاکہ صدر مقام (مدینہ) پہنچنے کے لئے باہر کے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

خیبر مدینہ سے شمال کی جانب واقع ہے۔ اس طرف سے کبھی کبھی ایک سیلاب آجایا کرتا تھا جو مدینہ کی آبادی کے لئے نہایت

تکلیف دہ ثابت ہوتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے مدینہ کو اس سیلاب سے محفوظ کرنے اور مسجد نبوی کو اس کی زد سے بچانے کے لیے شمالی جانب کچھ فاصلے پر ایک مضبوط بند بنوایا اور بند سے ایک نہر کھدوائی جس کا رُخ مدینہ سے دور کر دیا۔ اس بند کو بند مہرور کہتے ہیں۔ یہ کام واقعی حضرت عثمانؓ کا ایک قابل تعریف کارنامہ تھا۔

حضرت عثمانؓ نے ایک اور اہم کام یہ کیا کہ مسجد نبوی کے گرد کے مکانات ان کے مالکوں سے بڑی ہمت اور مسلسل محنت سے خرید لیے۔ پانچ سال تک آپ لوگوں کو اس طرف توجہ دلاتے رہے۔ لیکن وہ نہیں مانتے تھے۔ آخر حضرت عثمانؓ نے ان کو راضی کر لیا۔ اور وہ زمین مسجد نبوی میں شامل کر کے اسے نہایت وسیع کر دیا۔ عمارت چونا اور پتھر سے مضبوط طریقے پر بنوائی گئی۔

خدمتِ دین

حفاظتِ قرآن

اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ نے سب سے بڑی خدمت قرآن کی حفاظت میں کی۔ تمام غیر عرب ممالک کی زبان عربی نہ تھی۔ اس لیے وہاں کے نومسلم لوگ اہل عرب کی نسبت مختلف قراءت سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ ابن یمانؓ مہمات کے سلسلے میں بیرون عرب ممالک میں پھر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ شام اور عراق کے لوگ مختلف قراءت سے قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ اسی طرح بصرہ اور کوفہ میں قراءتِ قرآن مختلف

تھی۔ حضرت حذیفہ بن یمان نے واپس مدینہ پہنچ کر امیرالمومنین حضرت عثمان رضؓ سے ذکر کیا اور کہا کہ "اگر اس غلطی کی جلد اصلاح نہ کی گئی تو ممکن ہے مسلمان بھی عیسائیوں اور دوسرے اہل کتاب کی طرح اللہ کی کتاب (قرآن) میں اختلاف پیدا کرلیں۔" حضرت عثمانؓ نے بات کی اہمیت فوراً پالی اور حضرت حفصہؓ کو کہلا بھیجا کہ یہ معاملہ ہے۔ اس لیے اپنا صحیفہ (صحیفی قرآن کا نسخہ) عاریتاً دے دیں تاکہ اس سے نقلیں کروا کر باہر ممالک میں بھیج دی جائیں۔ چنانچہ حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ تینوں کو اس کام پر مقرر کیا گیا۔ اصل نسخہ کی کئی نقلیں تیار ہوئیں اور وہ تمام بیرونی ممالک میں بھیج دی گئیں۔ اس کے علاوہ جو قرآنی نسخے بیرونی ممالک میں مختلف املاؤں سے لکھے گئے تھے۔ ختم کردیے گئے۔ حضرت عثمانؓ کے اس عظیم الشان کارنامہ سے تمام اسلامی ممالک میں قرآن مجید ایک ہی قرأت (بہ صحت زبان اہل قریش) کے ساتھ پڑھا جانے لگا۔

اشاعت و تبلیغ

حضرت عثمانؓ تبلیغ دین کا خاص خیال رکھتے اور حکام کو بھی نصیحت کرتے کہ غیر مسلم رعایا میں اسلام کا عملی نمونہ پیش کریں تاکہ وہ خود اس کی طرف مائل ہوں۔ جب کبھی کسی جنگ سے قیدی آتے۔ آپ خود ان کے پاس جاکر تبلیغ اسلام کرتے۔ نیک دل قیدی اسلام کی حقانیت سمجھ جاتے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوجاتے۔ ایک مرتبہ لونڈی عورتیں قید ہوکر آئیں حضرت عثمانؓ خود ان کے پاس گئے اور سمجھایا کہ اسلام میں داخل ہوجاؤ یہ تمہارے حق میں ہر طرح سے عمدہ رہے گا۔ اسی وقت دو عورتوں نے اسلام

تبدیل کیا۔

مذہبی انتظامات آپ نے تمام ممالک میں بہت سی مسجدیں تعمیر کروائیں۔ وضو اور غسل کے لئے پانی کا خاطر خواہ انتظام کیا۔ مسجد نبوی کے صحن کو کافی وسیع کروادیا اور عمارت چونے، اینٹوں اور پتھروں سے مضبوط طریقے پر بنوائی۔ مسجد نبوی میں ایک اذان پر جمعہ کے دن سب لوگ اکٹھے نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے دوسری اذان کا انتظام کروادیا جو مقام زوراء پر سے دی جاتی تھی۔ یہ ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ مدینہ کی آبادی پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ نماز میں صفوں کو سیدھا کرنے کا انتظام بھی کیا اور اس کے لئے چند لوگ مقرر تھے۔

فتنہ اور فساد

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں پہلے چھ سال نہایت پرسکون گزرے اور حکومت کا پہیہ حسب دستور مستحکم طریقے پر چلتا رہا۔ بلکہ اکثر محکموں میں کچھ ترقی ہوئی۔ لیکن یہ سارا نظام اور انتظام حضرت عمرؓ فاروق کا مرہون منت تھا۔ جنہوں نے اپنی سیاست، دوراندیشی اور قوت عمل سے ایک ایسا نظام حکومت قائم کیا جو بعد کے خلیفہ حضرت عثمانؓ جیسے ملائم مزاجی سے بہ سہولت چلتا رہا گیا۔ اور ان کے لئے تو نظام بھی سہولت سے چل رہا تھا

تھا، اگرچہ بالکل اسی طرز عمل کو مضبوطی کے ساتھ اپنا لیتے جو فاروق اعظمؓ نے اختیار کیا تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں چھ سال بعد فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس قدر مشتعل ہوئی کہ آخر اس گھر کو جلا کر راکھ کر دیا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی خدمت کے لئے وقف تھا۔ اس فتنہ و فساد کی وجوہ واقعات اور نتائج کو ہم مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت قلمبند کرتے ہیں۔

سیاستِ عثمانی

حضرت عثمانؓ بڑے نرم دل انسان تھے۔ حضرت عمرؓ کی طرح لوگوں کی غلطیوں اور جرموں پر سختی سے مواخذہ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کی خطائی اور جرموں سے درگزر کر کے معاملہ ٹال دیا کرتے تھے۔ گو آپ سنگین جرموں کو معاف نہیں کرتے تھے۔ اور احکام کی نگرانی اور حالات کی تفتیش کے لئے تحقیقاتی وفود باہر ممالک میں بھیجتے لیکن آپ کی فطری نرم مزاجی سے ہر اس شخص نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جو جاہ و جلال کا بھوکا تھا اور حاکمیت کی خواہش رکھتا تھا بلکہ اسے اپنا حق سمجھتا تھا۔

حضرت عثمانؓ غیر معمولی متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور خود بھی تجارت کے ذریعے بہت زیادہ مال و دولت حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے فطرتاً تن آسانی کی طرف مائل تھے اور اسی لئے فیاضی کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے اعزہ و اقارب کو کافی مال و دولت دی اور اکثر عہدے رشتہ داروں کو دیے۔ یہ سمجھتے کہ حضرت

عثمان رض شاید بیت المال سے اپنے رشتہ داروں کے گھر بھرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے کئی رشتہ داروں کو اعلیٰ عہدے دے رکھے تھے۔ آپ کے چچا حکم بن العاص کو ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے سنگین جرم کی بنا پر طائف کی طرف جلاوطن کر دیا تھا لیکن حضرت عثمان رض نے اپنے عہد میں اسے واپس مدینے بلا لیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رض نے حکم بن العاص کی خطا رسول اللہ صلعم سے معاف کروا لی تھی۔ آپ نے ایک لاکھ درہم کی رقم اپنی جیب سے دی اور اس کے بیٹے مروان بن الحکم کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور جہیز میں اسے ایک لاکھ درہم دیئے۔ اسی مروان بن الحکم کو آپ نے اپنا منشی مقرر کیا جس نے بہت جلد حکومت میں اتنا دخل پیدا کر لیا کہ جو چاہتا کر سکتا تھا۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح آپ کا رضاعی بھائی تھا جسے آپ نے مصر کا حاکم بنا دیا۔ امیر معاویہ آپ کے بہت قریبی رشتہ دار تھے اور شام کے والی تھے۔ سعد بن ابی وقاص والیٔ کوفہ تھے جب [illegible] برطرف کیے گئے تو حضرت عثمان رض نے اپنے رشتہ دار بھائی ولید بن عقبہ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا چونکہ وہ ایک ناتجربہ کار اور مشتبہ [illegible] کا آدمی تھا اس لئے لوگوں کو اس پر اعتماد نہیں تھا چنانچہ [illegible] ولید بن عقبہ پر شراب نوشی کا الزام لگا اور حضرت عثمان رض کو اسے معزول کرنا پڑا۔ بصرہ میں اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو حاکم مقرر کیا اور پہلے حاکم ابو موسیٰ اشعری کو معزول کر دیا۔ عام لوگ ان تمام تبدیلیوں کو [illegible] کا الزام [illegible]

حضرت عثمان رض نے [illegible]

سرداران قریش کو مدینہ میں ہی رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔ اور کبھی بہت ہی اہم کام کی وجہ سے کسی کو مدینہ سے باہر جانا ہوتا تو اسے معین وقت کی اجازت ملتی اس کے بعد اسے لازماً واپس مدینہ آنا ہوتا تھا حضرت عمرؓ کی یہ نگرانی اور سختی کو امرار قریش کے لئے سخت ناگوار تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اس خدشے کی بنا پر کہ یہ لوگ جہاں باہر نکلیں گے مسلمانوں میں تفرقہ ڈال کر فتنہ کا بیج بو دیں گے ہمیشہ انہیں دبائے رکھا۔ حضرت عثمانؓ چونکہ نرم دل انسان تھے۔ اس لئے یہ کڑی نگرانی قائم نہ رکھ سکے۔ اس لئے امرار قریش مدینہ سے نکل کر تمام علاقوں میں پھیل گئے اور جہاں بھی گئے اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے جائداد بنا لی کر لی۔ بہت سی جائدادوں کے مالک بن گئے۔ مزید یہ کہ ہر رئیس اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھنے لگا۔ کیونکہ قریش کی بہت زیادہ قدر تھی اور انہی میں سے راہنما بنا کرتے تھے۔ اس طرح ہر رئیس نے اپنے حلقے قائم کر لیے اور ان کی پشت پناہی پہ جتنے لوگ تھے۔ وہ اپنے رئیسوں سے بہت کچھ توقع کرنے لگے۔ یہ توقعات آہستہ آہستہ شکایات کی شکل میں نمودار ہونے لگیں اور بالآخر حضرت عثمانؓ کے خلاف سازشوں پر اتر آئیں۔

فتنہ کی اصل وجوہ

فتنہ و انقلاب کی وجوہ بہت سی تھیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امیہ خاندان (حضرت عثمانؓ کا خاندان) کے بہت سے لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو گئے۔ حالانکہ اسی خاندان سے اسلام کو شروع شروع میں سخت نقصان پہنچا تھا۔ خود حضرت عثمانؓ نے اپنے چچا حکم بن العاص سے بہت سی تکلیفیں اٹھائی تھیں اور اسی

بنا پر حبشہ کو ہجرت کرنی پڑی۔ دوسری طرف خاندان ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اپنے آپ کو امامت کے لیے ترجیح دیتا تھا۔

۲۔ قریش کے علاوہ عام عرب لوگ بھی اپنے آپ کو قریش سے حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ اور مساوات اس طرح چاہتے تھے کہ انہیں بھی خلافت اور امامت کا پورا حق ہے۔

۳۔ یہودی اور عیسائی (آتش پرست) بھی سازشیں کریں گے تاکہ کوئی ایسا شخص برسر اقتدار ہو جائے جو انہیں اعلیٰ عہدے دلوا سکے اور ان کے حقوق پہلے سے زیادہ کر دے۔

(۴)۔ یہودی یہ بھی چاہتے تھے کہ جس طرح ان کا اقتدار (مدینہ میں) ختم کر دیا گیا تھا اسی طرح مسلمانوں کی طاقت بھی کمزور کر دی جائے۔

۵۔ مسلمانوں میں صحابہ کرام کا وہ طبقہ بہت کم تھا جنہوں نے براہ راست آنحضرت ؐ سے فیض حاصل کیا تھا اور صحبت سے فیض یافتہ ہونے کی وجہ سے زیادہ تر مشاغل دین میں حصہ لیتے تھے۔ ان کی جگہ آہستہ آہستہ نوجوان طبقہ آ رہا تھا جن میں دیانت و امانت کا معیار بہر حال کم تھا جس کی وجہ سے نظم قائم نہ رکھ سکتا تھا۔

۶۔ حضرت عثمان غنیؓ بہت قربانی دینے والے نرم مزاج اور سادہ لوح انسان تھے۔ اس لئے لوگوں کی شکایتوں اور مجبوریوں کو اکثر اوقات وغیرہ کو ٹال دیا کرتے تھے۔ چنانچہ کئی فساد اور شرارتیں ان کی خلافت کے دوران پیدا ہو گئے۔

۷۔ حضرت عثمانؓ اپنے ذاتی مال و دولت سے اپنے رشتہ داروں کو اکثر رقمیں دیتے رہتے تھے۔ لیکن عام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال سے کنبہ پروری کرتے ہیں۔ اس لئے عام لوگ آپ کے خلاف سوچنے لگے۔

۸۔ حضرت عثمانؓ نے اعتماد کی خاطر اپنے رشتہ داروں میں سے بہت سے لوگوں کو اعلیٰ عہدے دے رکھے تھے۔ لوگوں کو اس پر سخت اعتراض تھا۔

۹۔ مفتوحہ علاقوں کی رعایا اس لئے بھی فتنہ پردازوں کا ساتھ دینے کو تیار تھی کہ انقلاب آنے سے شاید ان کی حالت پہلے سے بہتر ہو جائے۔

۱۰۔ مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں غیر قومی عورتوں سے جو بچے پیدا ہوئے وہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں نوجوان طبقہ میں سے تھے۔ قدرتی طور پر ان میں اسلام اس قدر راسخ نہیں تھا کہ حق و انصاف سے کام لیتے بلکہ الٹا فتنہ پرداز حضرات کے حامی و مددگار بن گئے۔

سازش کے مقامات

فتنہ پردازیوں تو ملک کے ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن بعض مقامات سازشوں کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان مقامات کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔

کوفہ۔ سعد بن ابی وقاص حاکم کوفہ تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو وہاں کے منتظم بیت المال تھے۔ ایک

رقم قرض لی۔ کچھ عرصہ بعد جب رقم مانگی گئی تو سعد بن ابی وقاص ادا نہ کر سکے۔ دونوں میں سخت گفتگو کے بعد رنجش پیدا ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ کو علم ہوا تو انہوں نے سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو حاکم مقرر کر دیا۔ ولید بن عقبہ نے ایک مرتبہ کسی قتل کے سلسلہ میں چند شریروں کو پکڑ کر قصاص میں قتل کروا دیا۔ ان مقتولین کے رشتہ داروں نے سازش بنا کر ولید بن عقبہ پر شراب پینے کا الزام لگا دیا اور تردید میں شہادت دو اشخاص کی پیش کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ پر حد جاری کی (سزا دی) اور انہیں معزول کر کے سعید بن عاص والی کوفہ بنا دیئے۔ شرارت پسند حضرات ہر کام میں والی پر تنقید کرتے چنانچہ ان کے خلاف بھی تدابیر سوچنے لگے۔ ہر وقت کہتے کہ اشراف قریش کے ساتھ تخصیص کیوں ہے۔ ہم بھی خلافت کا حق رکھتے ہیں۔ سعید بن عاص نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ یہاں ان لوگوں سے سخت تکلیف ہے۔ حضرت عثمانؓ نے تحقیق کر کے دس آدمیوں کو دمشق شام کی طرف جلاوطن کر دیئے۔

شام میں یہ لوگ حضرت امیر معاویہؓ کو تنگ کرنے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو حمص بھیج دیا۔ حمص میں ان شریر لوگوں کو وہاں کے حاکم عبدالرحمن بن خالدؓ نے خوب سیدھا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے وقتی طور پر توبہ کی اور امیر المومنین سے درخواست کی کہ ہمیں واپس کوفہ جانے دیں۔ اجازت مل گئی اور یہ لوگ کوفہ پہنچ گئے۔ لیکن یہاں آکر انہوں نے پھر شرارتیں شروع کر دیں۔ حضرت سعید بن عاص خود مدینہ پہنچے اور سارا قصہ امیر المومنین سے کہہ سنایا ادھر کوفہ والوں نے شور مچایا کہ ہم سعید بن عاص کو اب نہیں رکھیں

کرنے دیں گے۔ چنانچہ مصلحت وقت سوچ کر حضرت عثمانؓ نے سعید بن عاص کی بجائے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو حاکم مقرر کر کے کوفہ بھیج دیا۔ لیکن پھر بھی فتنہ اسی طرح قائم رہا۔

بصرہ :-

بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر کے پاس مدینہ سے امیر المومنین کی طرف سے حکم پہنچا کہ بصرہ کے لوگوں کی اطلاع کے مطابق ایک شخص حکیم بن جبلہ چوریاں کرتا ہے اور لوگ اس سے سخت تنگ ہیں۔ اس لئے آپ اسے اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر دو۔ اور شہر میں نظر بند کر دو۔ عبداللہ بن عامر نے حکم کی تعمیل کی لیکن حکیم بن جبلہ کے جو ساتھی گرفتار نہ ہو سکے۔ انہوں نے طرح طرح کی سازشیں شروع کر دیں۔

عبداللہ بن سبا :-

یمن کے ایک مشہور شہر صنعاء کے ایک یہودی النسل نو مسلم عبداللہ بن سبا نے بگڑتے ہوئے حالات سے فائدہ اٹھا کر ایک منظم سازش کے تحت تمام مفسدین اور فتنہ پردازوں کو متحد کرنے کی کوشش شروع کی۔ گو سب مفسدین نیا خلیفہ بنانے کے لئے کسی ایک شخص پر متفق نہ تھے لیکن اس بات پر سب متفق تھے کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کو خلافت سے الگ کر کے بنو امیہ کے تمام عہدیداروں کو معزول کر دیا جائے۔ عبداللہ بن سبا نے اس ایک بات کو پکڑ لیا جس پر سب فتنہ پرداز متفق تھے۔ انہیں نے اپنے خاص خاص کارندے سارے ملکوں میں پھیلا دیئے

اور انہیں ہدایت کردی کہ بظاہر اپنے آپ کو اعلےٰ درجے کا مسلمان بناؤ، تقویٰ اور پرہیزگاری کی نصیحت کرو اور لوگوں کا اعتماد حاصل کرلو۔ پھر حکام اور عمال کو تنگ کرنا شروع کرو۔ ان پر الزامات لگاؤ۔ بدنام کرو اور عام لوگوں کے دلوں میں یہ بات راسخ کر دو کہ امیرالمومنین حضرت عثمانؓ ایک غیر منصف اور کنبہ پرور انسان ہیں اس لئے وہ مسلمانوں کے امیر بننے کا حق نہیں رکھتے۔ عبداللہ بن سبا خود بصرہ میں پہنچا اور حکیم بن جبلہ سے مل کر اپنی سازش شروع کی۔ حاکم بصرہ عبداللہ بن عامر کو جب معلوم ہوا تو اس نے عبداللہ بن سبا کو بلا کر ڈانٹا اور وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن سبا وہاں سے کوفہ پہنچا اور اپنی کوششوں کو بدستور قائم رکھا۔ آخر وہاں سے بھی نکالا گیا اور پھر شام گیا۔ ... مصر چلا گیا۔

مصر:۔

مصر میں مسلمانوں کے سب سے زیادہ دشمن یہودی موجود تھے لیکن عبداللہ بن سبا کا وہاں پہنچنا تھا کہ شورش کی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ اس نے یہاں ایک اور چال چلی۔ مسلمانوں کو حضرت علیؓ کی محبت اور حمایت میں اکسانا شروع کیا اور حضرت عثمانؓ کے خلاف زہر اگلنے لگا۔ اس کے ساتھ مصر سے گمنام خطوط دوسرے ملکوں میں بھیجنے شروع کئے کہ مصر والوں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔

عبداللہ بن سبا کو ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی حذیفہ اور عمار بن یاسرؓ جو حضرت عثمانؓ کے مخالف تھے اور مصر میں موجود تھے۔ اس کے ساتھ مل گئے۔ یہ تینوں حضرات

اس لیے مخالف تھے کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں من مانی کرنے سے منع فرمایا تھا یا سزا دی تھی۔

شام :

شام کے علاقے میں حضرت امیر معاویہؓ حاکم تھے۔ آپ سمجھدار اور ہوشیار انسان تھے۔ اس لیے شورش کو اپنے علاقہ میں پھیلنے نہ دیا۔ لیکن عبداللہ بن سبا نے یہاں بھی پہنچ کر آگ لگا دی۔ شام میں ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوذرؓ مقیم تھے۔ عبداللہ بن سبا نے ان سے کہا کہ یہ جو امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ بیت المال مسلمانوں کا مال نہیں بلکہ اللہ کا مال ہے۔ صرف اس لیے کہتے ہیں کہ بیت المال اپنے پاس سنبھال رکھیں اور اس میں سے مسلمانوں کو کچھ نہ ملے۔ حضرت ابوذرؓ امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور انہیں نصیحت کی کہ آئندہ ایسا نہ کہنا۔ پھر حضرت ابوذرؓ نے اس خیال سے کہ صرف امیر ہی تمام دولت نہ سنبھالیں۔ غریب لوگوں کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ امیر معاویہؓ نے سارا معاملہ حضرت عثمانؓ کو لکھ دیا کہ حضرت ابوذرؓ کی وجہ سے تمام لوگ میرے خلاف ہو رہے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذرؓ کو مدینہ بلایا اور حالات دریافت کئے اور کہا کہ آپ میرے پاس رہیں میں آپ کا کفیل ہوں گا۔ لیکن حضرت ابوذرؓ تارک الدنیا ہو کر مقام ربذہ چلے گئے۔ بہرحال شام میں بھی کسی نہ کسی حد تک شرارت شروع ہو گئی۔

انسدادِ فتنہ کی آخری کوشش

حضرت عثمانؓ نے جب ہر طرف سے فتنہ کی خبر سنی تو حکام کو مدینہ میں طلب کیا۔ جب اکٹھے ہو گئے تو آپ نے مجلس

شوریٰ منعقد کروائی اور سب سے پوچھا کہ یہ شورش اور فتنہ کیوں ہے؟ آپ سب کیا مشورہ دیتے ہیں؟ سب حکام نے مختلف مشورے دیئے حضرت عبداللہ بن عامر نے کہا کہ کسی ملک میں جہاد کیا جائے تاکہ سب لوگ ادھر مشغول ہو جائیں حضرت امیر معاویہؓ کہنے لگے ہر ایک اپنے علاقے میں امن رکھنے کی ذمہ داری لے۔ حضرت سعید بن عاص کہا ساری شورش ایک خاص گروہ کے بل بوتے پر کھڑی ہے۔ اگر اس گروہ کے رہنما قتل کر دیئے جائیں تو امن ہو جائیگا۔ حضرت عبداللہ ابن سعدؓ نے کہا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اگر انہیں بہت سا مال و دولت دے دیا جائے، تو فتنہ رک سکتا ہے۔ لیکن اصلاح کی کوئی جامع صورت نظر نہ آئی اس لیئے حضرت عثمانؓ نے حکام کو واپس بھیج دیا اور خود معاملے پر غور کرنے لگے۔

اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے اہل کوفہ کی خواہش کے مطابق حضرت سعید بن عاصؓ کو معزول کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ اس طرح اہل کوفہ کی تمنا پوری کر دی گئی۔ پھر آپ نے حضرت طلحہؓ کے مشورہ کے مطابق تمام ملکوں میں تحقیقاتی وفود بھیجے جو فتنہ کی تحقیقات کریں۔ اصلاح کی کوشش کریں اور اعلان کر دیں کہ جن لوگوں کو کسی حاکم کے خلاف شکایت ہو۔ حج کے دنوں میں آکر امیر المومنین سے بیان کریں۔

[illegible] فلسفہ ابن سبا کا خاتمہ

(عبداللہ بن سبا کی جماعت نے حضرت عثمانؓ کے قتل کی سازش تیار کی اور مختلف مقامات سے لوگوں کے گروہ مدینہ کی)

طرف روانہ کیئے اور ظاہر یہ کیا کہ ہم امیر المومنین سے کچھ معاملات طے کرنے جا رہے ہیں تاکہ ملک کا نظم و نسق قائم رہے۔ یہ سب لوگ مدینہ کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ حضرت عثمانؓ کو علم ہوا تو انہوں نے آدمیوں کو معلوم کرنے کیلئے بھیجا۔ اطلاع ملی کہ وہ امیر المومنین سے سخت نالاں ہیں۔ اس لیئے مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ یا وہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ یا پھر وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے ایک کو مدینہ بلایا اور مشورہ کیا۔ بعض نے مشورہ دیا کہ انہیں قتل کروا دیا جائے تاکہ فتنہ ختم ہو جائے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا یہ بات غلط ہے۔ اس لیئے نہیں مانی جا سکتی۔ چنانچہ انہوں نے مفسدین کی تمام شکایات سنیں اور ایک ایک کو کے سب کا تسلی بخش جواب دیا۔ اس کے بعد سب کو رخصت کر دیا۔

مفسدین جب واپس لوٹے تو باقی لوگوں سے مشورہ اور خط و کتابت کر کے یہ طے کیا کہ کوفہ، بصرہ اور مصر سے ایک ایک ہزار آدمیوں کا دستہ نکلے اور یہ ظاہر کرے کہ ہم عمرہ (یعنی حج) کے لیئے مکہ جا رہے ہیں۔ چنانچہ تینوں مقامات سے یہ لوگ تھوڑے تھوڑے ہو کر نکلے اور باہر آ کر ایک جگہ پر سب مل گئے۔ عبداللہ بن سبا بھی ان کے ساتھ تھا۔ یہ لوگ نئے خلیفے کے انتخاب میں تو اختلاف رکھتے تھے کہ کس کو نیا امیر بنایا جائے۔ لیکن اس بات پہ سب

متفق تھے کہ حضرت عثمان رضہ کو قتل کر دیا جائے۔ زیادہ لوگ حضرت علی رضہ کی خلافت کے حق میں تھے۔ تین ہزار آدمیوں کا یہ دستہ مدینہ کے قریب آ کر رکا اور آگے صرف دو آدمیوں کو روانہ کیا تاکہ مدینہ کے حالات سے آگاہ کریں۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ مدینہ میں امن ہے اور خلیفہ کی حفاظت کے لئے کوئی بیرونی فوج نہیں منگوائی گئی تو ان لوگوں کے کچھ آدمی پھر مدینہ گئے اور حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضہ سے ملاقات کی۔ اور ہر ایک سے خلیفہ بننے کی درخواست کی۔ تینوں نے انکار کیا تو یہ چند آدمی واپس اپنے گروہ میں پہنچ گئے پھر مفسدین نے نیچا سر کئے یک دم نعرے لگاتے آ گئے مدینہ پہ قبضہ کر دیا اور جلدی سے امیر المومنین حضرت عثمان رضہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔

تمام مدینہ میں شور برپا ہو گیا۔ صحابہ کرام رضہ گھبرائے۔ مشکل شکل سے امیر المومنین رضہ کے گھر کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت علی رضہ نے آ کر مفسدین سے پوچھا کہ تم لوگ واپس جا کر پھر کیوں لوٹ آئے۔ انہوں نے جواب دیا ہمیں راستہ میں ایک قاصد ملا تھا جو حضرت عثمان رضہ کی طرف سے مصر کے حاکم کے پاس جا رہا تھا کہ جب یہ لوگ مصر پہنچیں تو ان سب کو قتل کر دو۔ چنانچہ ہم انتقام لینے کے لئے آئے ہیں۔ اب ہمیں کوئی روک نہیں سکتا۔ حضرت علی رضہ نے

حضرت علیؓ سے یہ بھی کہا کہ آپ نے بھی ہمیں خطوط لکھے تھے اس لئے اب آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں ۔ حضرت علیؓ نے کہا یہ کیا غلط بات میری طرف منسوب کر رہے ہو؟ میں نے تو کبھی ایسا خط تمہیں نہیں لکھا تھا ۔ معلوم ہوتا ہے تم لوگوں نے سازش کو مضبوط کرنے کے لئے اس قسم کے غلط خط ایک دوسرے کو لکھے ہوں گے ۔ پھر حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا " خدا گواہ ہے میں نے ایسا کوئی قاصد مصر کی طرف نہیں بھیجا تھا اور نہ ہی میرے علم میں کوئی ایسی بات ہے " ۔ مفسدین نے امیر المؤمنین سے مطالبہ کیا آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں ۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا " اللہ تعالیٰ نے جو عزت مجھے بخشی ہے میں اپنے ہاتھ سے اسے ختم نہیں کر سکتا " ۔

جب حضرت عثمانؓ نے خلافت سے دستبردار ہونے سے انکار کیا تو مفسدین نے محاصرے کو بہت سخت کر دیا ۔ یہاں تک کہ کھانے پینے کا سامان بھی پہنچانا مشکل ہو گیا ۔ بڑے بڑے صحابہؓ کو بھی حضرت عثمانؓ سے ملنے کی اجازت نہ تھی ۔ صرف ہمسایوں کی مدد سے کچھ کھانے پینے کا سامان بڑی مشکل سے پہنچ رہا تھا ۔ اسی محاصرے کے دوران حج کا وقت آ گیا ۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو حاجیوں کا امیر مقرر کر دیا ۔ حضرت عثمانؓ ہر چند باغیوں کو نصیحتیں کرتے لیکن ان بے رحم لوگوں پر بالکل کچھ اثر نہ ہوتا ۔

شہادتِ عثمانؓ

مفسدین نے سوچا کہ حج کے ختم ہوتے ہی لوگ مدینہ کا رخ کریں گے اور ہو سکتا ہے کہ امیر المومنین کی حفاظت کے لئے باہر سے کوئی فوج بھی پہنچ جائے اس لئے انہوں نے زیادہ دیر کو مناسب نہ سمجھا اور جلدی سے فیصلہ کر کے حضرت عثمانؓ کے گھر کے دروازہ کو آگ لگا دی اور اسے توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ کے بیٹے اور چند پڑوسی حضرت عثمانؓ کی مدد کو پہنچے لیکن باغیوں کے سامنے پیش نہ گئی۔ جب معاملہ نازک ہو گیا تو حضرت عثمانؓ نے اپنے مددگاروں کو چلے جانے کا حکم دیا اور خود اللہ کے بھروسے پر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

باغیوں میں سب سے آگے محمد بن ابی بکر تھا۔ اس نے حضرت عثمانؓ سے سخت کلامی کی اور آپ کی ریش مبارک کو پکڑا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا "بھتیجے! اگر تمہارے والد زندہ ہوتے تو تمہیں [illegible]"۔ یہ سن کر محمد بن ابی بکر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر کنانہ بن بشر نے لوہے کی لاٹھ آپ کی پیشانی پر ماری۔ آپ گر پڑے تو [illegible] کے باغیوں سے [illegible] وار (نائلہ) [illegible] سے حملہ کیا۔ پھر سودان بن حمران نے تلوار سے وار کیا۔ حضرت عثمانؓ کے خون کے قطرے قرآن پاک پر گرے۔ آپ کی بیوی [illegible] آگے بڑھیں اور [illegible] کو روکنا چاہا لیکن ایک شخص نے تلوار [illegible] ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ ایک دوسرے شخص نے بڑھ کر تلوار ماری اور امیر المومنین کا

سر جدا کر دیا۔ اس کے بعد تمام شہر میں حضرت عثمانؓ کے قتل کا اعلان کر دیا اور حضرت عثمان رضؓ کا سارا مال لوٹ لیا۔ یہ واقعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا۔ مدینہ کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ حضرت علیؓ نے سنا تو فوراً ہاتھ اٹھائے اور کہا "اے اللہ میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں" حضرت ابن عباسؓ نے کہا "اگر تمام لوگ عثمانؓ کے قتل میں شریک ہوتے تو آج قوم لوط کی طرح آسمان سے پتھر برستے" حضرت عائشہؓ نے کہا "عثمان رضؓ مظلوم قتل ہوئے" حضرت ابوہریرہؓ اونچی آواز سے روتے پھرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے فضائل و خصائل

حضرت عثمان رضؓ قبولِ اسلام سے پہلے ہی پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ عہد رسالتؐ میں آپ کاتبانِ وحی میں سے تھے۔ آپ کو تقریر میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن تحریر کا اسلوب نہایت عمدہ تھا۔ جو کچھ لکھتے یا بولتے نہایت جامع اور موثر ہوتا۔

آپ کو قرآن مجید سے بہت شغف تھا۔ چنانچہ آپ حافظ قرآن تھے۔ رسول اللہ صؐ کی صحبت سے براہ راست علمِ قرآن سیکھا تھا۔ اس لئے آیات ربانی کا صحیح صحیح مفہوم سمجھنے اور اس سے استنباط و استخراج کے فن میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ فہم و فراست

میں بھی مانے ہوئے انسان تھے اس لئے عہدِ رسالت سے لے کر اپنے عہد تک ہر زمانے میں ان سے تمام معاملات میں مشورہ لیا جاتا اور ان کی رائے کی قدر کی جاتی۔ قرآن سے محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے قرآن کی صحیح نقلیں کروا کر ہر دینی ممالک میں بھیجیں اور اس طرح قرآن کو تحریفات سے محفوظ کر دیا۔ شہادت کے وقت بھی آپ مشغول تلاوتِ قرآن تھے۔

حدیث کی روایت میں آپ بہت زیادہ محتاط رہتے تھے۔ اس کے باوجود کہ آپ کسی بھی بات کو وضاحت کے ساتھ صحیح صحیح بیان کرنے کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ کثرتِ روایت سے سخت اجتناب کرتے تھے۔ فقہی مسائل کو نہایت عمدگی سے حل کرتے۔ حج کے مسائل میں تو آپ خاص شہرت رکھتے تھے۔ ان مسائل میں تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی آپ سے فیصلہ کرواتے اور فتویٰ لیتے۔ فنِ اجتہاد میں حضرت عثمانؓ نے کئی مسائل کا فیصلہ کر کے عام لوگوں کے لئے مستقل طور پر سہولت پیدا کر دی۔ بعض مسائل میں آپ اپنے اجتہاد پر اتنے مطمئن ہوتے کہ دوسرے صحابہؓ کے اختلاف کے باوجود دلیل پیش کرتے اور اپنے فیصلے سے رجوع نہ کرتے۔

علم تقسیم ترکہ (فرائض) میں حضرت عثمانؓ بہت مہارت رکھتے تھے۔ آپ کے علاوہ صرف زید بن ثابتؓ ایک ایسے صحابی تھے جو اس علم کے ماہر تھے۔ یہ دونوں بزرگ اس علم کے امام سمجھے جاتے تھے۔ اور دونوں ہی وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ کیا کرتے۔ بعض دوسرے صحابہؓ کو تو اندیشہ تھا کہ ان کی وفات کے بعد کہیں یہ

علم ختم ہی نہ ہو جائے۔

حضرت عثمانؓ طبعاً نیک اور پارسا انسان تھے۔ قبول اسلام سے پہلے بھی آپ نہایت نیک اور راستباز انسان سمجھے جاتے تھے یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کے کہنے پر ہی آپ اسلام کی حقانیت سے واقف ہو گئے۔ اور اسلام لے آئے۔ آپ کو خوف خدا اس قدر رہتا تھا کہ آپ اکثر روتے رہتے۔ جنازہ اور قبروں کو دیکھ کر بھی آپ آبدیدہ ہو جاتے۔ یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ خوف خدا کی یہ حالت رسول اللہ ؐ سے محبت اور فیض یابی کا اثر تھا۔ آپ کو آنحضرت ؐ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اکثر آپ تحائف وغیرہ پیش کرتے رہتے۔ جب جنگ تبوک کی تیاری کے لیے آنحضرت ؐ نے امداد کے لیے فرمایا تو حضرت عثمانؓ نے ایک تہائی فوج کے تمام اخراجات کا ذمہ اپنے اوپر لے لیا۔ اہل بیت سے بھی آپ کو بے حد الفت تھی۔ اپنے عہد میں ازواج مطہرات کے وظائف بڑھا دیئے اور ان کا خاص خیال رکھتے۔ رسول اللہ ؐ سے محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ سنت رسول پر پورا چلنا بہت پسند کرتے تھے۔ یہاں تک کہ معمولی سے معمولی بات میں بھی اتباع سنت کو ترجیح دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ وضو کرنے کے بعد مسکرائے لوگوں نے پوچھا تو فرمایا میں نے رسول اللہ ؐ کو اسی طرح وضو کرنے کے بعد مسکراتے دیکھا تھا۔

حضرت عثمانؓ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ناز و نعمت میں پلے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اچھی غذا

کھانے اور نرم لباس پہننے کے عادی تھے لیکن اس کے باوجود زہد و تقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے۔ حیا کا یہ عالم تھا کہ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے معترف تھے اور ایک مرتبہ فرمایا کہ عثمان رضؓ کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔ آپ مکان کے اندر اور تنہائی میں بھی برہنہ نہیں ہوتے تھے۔ یہ آپ کی انتہائی شرم و حیا کا اثر تھا۔

باوجود اس بات کے کہ گھر میں کئی غلام اور خادم موجود ہوتے حضرت عثمان رضؓ اپنا کام خود کرنے سے کبھی گریز نہیں کرتے تھے۔ دوسروں کو تکلیف دینے سے ہمیشہ پرہیز کرتے۔ اگر کوئی سخت کلامی سے بھی پیش آتا تو آپ غصہ میں نہیں آتے تھے اور نہایت حلم، بردباری اور حوصلے سے جواب دیتے یا خاموش ہو جاتے۔

فیاضی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس لئے ایثار کا جذبہ بھی بہت زیادہ تھا۔ آپ سب سے زیادہ دولت مند تھے اس لئے دل کھول کر غرباء کی مدد کرتے۔ مدینہ کا ایک کنواں بیر رومہ خرید کر آپ نے عام لوگوں کے لئے وقف کر دیا۔ اس سے پہلے لوگوں کو سخت تکلیف تھی۔ غزوہ تبوک میں آپ نے ایک تہائی (تقریباً دس ہزار) فوج کے تمام اخراجات خود برداشت کئے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قدر فیاضی پر بہت خوش ہوئے۔ اور حضرت عثمان رضؓ کے دینار خوشی سے ہاتھوں پر اچھالتے تھے۔ حضرت عثمان رضؓ ہر جمعہ کے دن ایک غلام خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔

عام لوگوں کے علاوہ اپنے اعزہ و اقارب سے بھی خاص سلوک

کرتے ۔ انہیں گراں قدر رقمیں دیتے اور اپنے عہد خلافت میں انہیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا ۔ آپ کے چچا حکم بن العاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا ۔ لیکن آپ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس کا گناہ معاف کروا دیا اور اپنے عہد میں اسے واپس مدینے بلا کر نوازا اور اس کے بیٹے سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور ایک کثیر رقم بھی ساتھ دی ۔ عام لوگوں کو بھی زمینیں دے کر پھر واپس نہیں لیتے تھے ۔

سوالات

۱ ۔ حضرت عثمان رض کے عہد کے ابتدائی چھ سال کے واقعات بیان کرو ۔

۲ ۔ فتنۂ انقلاب کے اسباب ، واقعات اور نتائج بیان کرو ۔

۳ ۔ حضرت عثمانؓ کی سیرت پر ایک مضمون قلم بند کرو ۔

حضرت علی المرتضیٰ

حضرت علی مرتضیٰ

(عہد خلافت ۳۵ھ - ۴۰ھ)

نام و نسب

آپ کا نام علی رضؓ تھا۔ کنیت ابو تراب اور ابو الحسن تھی حیدر کرار (حملہ کرنے والا شیر) آپ کا لقب تھا والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ آپ آنحضرتؐ کے چچا زاد بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے۔ علی بن ابی طالب ابن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب۔ آپ باپ اور ماں دونوں طرف سے ہاشمی تھے۔

قبل از اسلام زندگی

حضرت علیؓ کی پیدائش رسول اللہؐ کی بعثت سے دس برس پہلے ہوئی آپ کے والد ابو طالب کثیر العیال تھے اور معاشی حالت معمولی درجہ کی تھی حضرت علیؓ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ قحط سالی کی وجہ سے ابو طالب کی معاشی حالت اور کمزور ہو گئی اور حالات پریشان کن ہو گئے۔ آنحضرت رسول اللہؐ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تو آپ کے چچا ابو طالب

نے ہی آپؐ کی پرورش کی تھی۔ آنحضرتؐ ہمیشہ اپنے چچا ابوطالب اور اپنی چچی فاطمہ بنت اسد کی تعریف کیا کرتے تھے کہ انہوں نے نہایت مہربانی اور شفقت سے مجھے پالا تھا۔ فاطمہ بنت اسد مسلمان ہو گئی تھیں۔ اور ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو آنحضرتؐ نے اپنی قمیض مبارک کفن کے لیے دی۔ اور ان کی قبر میں پہلے خود لیٹے پھر اپنی چچی کو دفن کیا۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ میں ان کا بہت ممنون ہوں کیونکہ انہوں نے مجھے بالکل ماں جیسی محبت اور شفقت سے پالا تھا۔

آنحضرتؐ نے جب دیکھا کہ ان کے چچا ابوطالب کی معاشی حالت کمزور ہے تو اپنے دوسرے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیئے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے حضرت علی رضؓ کی پرورش اپنے ذمہ لی اور انہیں اپنے گھر لے آئے اور حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے بھائی جعفرؓ کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔

قبولِ اسلام جب آنحضرتؐ کو بارگاہِ الٰہی سے بعثت سے نوازا گیا تو اس وقت حضرت علیؓ دس برس کے بچے تھے۔ ایک دن حضرت علی رضؓ نے آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہ رضؓ کو مشغولِ عبادت دیکھا تو آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ آپ دونوں یہ کیا کر رہے تھے؟ آپؐ نے انہیں اپنی نبوت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ میری نبوت کا یہ مقصد ہے کہ میں کفر اور شرک کو مٹا کر توحید کو بلند کردوں۔ حضرت علی رضؓ گو فطرتاً نیک دل تھے۔ لیکن اس نئی اور نا آشنا چیز کو سن کر پہلے اپنے والد ابوطالب سے

سے پوچھوں گا۔" آنحضرت ؐ نے فرمایا" ابھی مجھے اعلانیہ تبلیغ کرنے کا حکم نہیں ملا۔ اس لیے خاموش رہو۔ خود سوچو اور دوسروں سے اس کا ذکر مت کرو"۔ حضرت علیؓ نے حکم کی تعمیل نہایت فرمانبرداری سے کی اور سارا دن اس معاملے کو سوچتے رہے۔ دوسرے دن ہی آنحضرت ؐ سے کہا کہ مجھے آپؐ کی نبوت سے پورا اتفاق ہے۔ لہذا میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ کم سن بچوں میں حضرت علیؓ پہلے بچے تھے، جنہوں نے اسلام قبول کیا۔

ابتدائے اسلام میں جب آنحضرت ؐ کو بارگاہ الٰہی سے اعلانیہ تبلیغ دین کا حکم ملا۔ تو آپ نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے لوگوں کو ایک دعوت پر بلایا۔ کم و بیش چالیس حضرات شریک ہوئے۔ طعام کے بعد آنحضور ؐ نے فرمایا کہ" اے بنی مطلب! اللہ کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی سب سے بہتر نعمت پیش کرتا ہوں۔ تم میں سے کون ہے جو قبول کرے اور اسلام میں میرا مددگار بنتا ہے؟ تمام سب خاموش رہے لیکن حضرت علیؓ جن کی عمر ابھی کوئی دس برس کی تھی، بولے۔ گو میں سب سے چھوٹا ہوں۔ اور مجھے آشوب چشم کی بیماری ہے اور میری ٹانگیں بھی دبلی ہیں۔ لیکن میں ہر حالت میں آپؐ کا مددگار ہوں۔"

آنحضرت ؐ نے تین بار لوگوں سے پوچھا لیکن ہر بار حضرت علیؓ ہی اٹھے اور یہی الفاظ کہے۔ پھر آنحضور ؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔" بیٹھ جاؤ۔ تم تو میرے بھائی اور وارث ہو۔"

ہجرت مدینہ کے وقت جب آنحضور ؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا اور جس رات کفار مکہ نے آنحضور ؐ کے گھر کا محاصرہ کرنا تھا۔ آپ ؐ نے وحی الٰہی سے خبر پاکر حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سُلا دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ اسی رات مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ لیکن اگلی صبح کو جب اُن کے ارادے ناکام ہو گئے اور ان کی توقع کے خلاف آنحضور ؐ کے بجائے حضرت علیؓ اس کاشانۂ مبارک سے باہر نکلے تو کفار اپنی عقل اور تدبیروں پر افسوس کرنے لگے اور حضرت علیؓ سے انہوں نے بالکل کچھ نہ کہا کیونکہ ان سے اُن کا کوئی جھگڑا نہ تھا بہرحال زبردست خطرہ کی حالت میں حضرت علیؓ کا اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کرنا اور پورے اطمینان سے رات گزارنا ایک عظیم کارنامہ اور رسول اللہ ؐ سے انتہائی محبت کا ثبوت تھا۔

اور آنحضرت ؐ کے مکہ سے چلے جانے کے دو تین دن بعد حضرت علیؓ بھی مدینہ پہنچ گئے اور مواخات کے سلسلے میں آپ آنحضرت ؐ کے بھائی بنے۔ تمام غزوات میں آپ شریک ہوئے۔ اور داد شجاعت حاصل کی۔ غزوہ بدر میں سب سے پہلے جو تین حضرات مسلمانوں کی طرف سے میدان میں اُترے ان میں حضرت علیؓ بھی تھے اور اپنے حریف ولید کو پہلے ہی وار میں ٹکڑے کر دیا۔ پھر بڑھ کر حضرت عبیدہؓ کے حریف شیبہ پر حملہ کیا۔ اور اُسے بھی قتل کر دیا۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے شادی

سنہ ۲ھ میں آنحضرت صلعم سے حضرت علیؓ نے خواہش ظاہر کی کہ ان کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کا نکاح کر دیں۔

اس سے پہلے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی اسی سلسلے میں اپنی خواہشات ظاہر کر چکے تھے۔ لیکن ان کے معاملے میں آنحضرتؐ خاموش رہے تھے۔ جب حضرت علیؓ نے عرض کیا تو آنحضورؐ نے پہلے اندر جا کر حضرت فاطمہؓ سے ذکر کیا اور اُن کی رضا مانگی۔ آپ خاموش رہیں۔ آنحضورؐ نے دوبارہ پوچھا اور دوبارہ سکوت کو رضا سمجھ کر باہر تشریف لائے اور حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کیا ہے؟ حضرت علیؓ بولے میرے پاس سوائے ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے کچھ نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا زرہ کو بیچ دو۔ حضرت علیؓ نے زرہ حضرت عثمانؓ کے پاس فروخت کر دی۔ اور قیمت لا کر پیش کی۔ بازار سے خوشبو منگوائی گئی اور پھر آنحضورؐ نے خود نکاح پڑھا اور میاں بیوی کے لیے دعائے خیر کی۔ نکاح کے تقریباً ایک سال بعد حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کی رخصتی ہوئی۔ اس سے پہلے حضرت علیؓ وہیں آنحضورؐ کے پاس رہا کرتے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کا جہیز ان چیزوں پر مشتمل تھا۔ ایک چارپائی۔ ایک بستر۔ ایک چادر، دو چکیاں اور ایک چھوٹی مشکیزہ۔ حضرت علیؓ نے رخصتی کے بعد اس رقم سے جو مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی۔ دعوتِ ولیمہ کی۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ اس زمانہ میں یہ سب سے بہتر ولیمہ تھا۔

فتح خیبر

خیبر وہ مقام تھا جس میں مدینہ کے یہودی جلاوطن ہو کر جا بسے تھے۔ یہ مقام مدینہ سے تقریباً دو سو میل شمال کی طرف واقع تھا۔ یہودیوں نے وہاں بڑے مضبوط قلعے تعمیر کر رکھے تھے اور مسلمانوں کے خلاف آئے دن سازشیں تیار کرتے رہتے تھے۔

میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کی سرکردگی میں اسلامی دستہ اس کی تسخیر کے لیے گیا لیکن ناکام واپس آیا۔ پھر حضرت عمرؓ گئے لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کو بھیجا گیا اور آنحضورؐ نے روانہ کرنے سے پہلے بشارت دی کہ فتح اُن کے ہاتھ پر ہوگی۔ حضرت علیؓ گئے اور اپنی خاص حسن تدبیر سے یہ قلعہ مسخر کیا۔

خلافت تک کے دیگر حالات

حضرت علیؓ تمام غزوات اور دوسرے اہم واقعات میں شریک رہے۔ لیکن غزوۂ تبوک میں آپ شامل نہ ہو سکے۔ آپ کو اہل بیت کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسی سال ۹ھ میں جب حضرت ابوبکرؓ امیر حج بنا کر مکہ بھیجے گئے تو حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے۔ آنحضورؐ کے حکم کے مطابق حضرت علیؓ نے سورۂ برأت مکہ میں لوگوں کو پڑھ کر سنائی اور خانہ کعبہ کا احترام اور آداب انہیں سمجھائے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہوئی تو حضرت علیؓ چھ ماہ تک بیعت نہ کر سکے وجہ یہ تھی۔ کہ رسول اللہؐ کی وفات سے حضرت فاطمہؓ کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ اور دن رات اسی غم میں روتی رہتی۔ حضرت علیؓ بھی بہت پریشان تھے اور ہر وقت انہی کی خدمت میں حاضر رہتے اور دلجوئی کرتے رہتے۔ جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں حضرت علیؓ مجلس شوریٰ کے اعلیٰ رکن تھے۔ حضرت عمرؓ تمام امور میں حضرت علیؓ سے مشورہ لیتے تھے اور آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ بالآخر حضرت عمرؓ کے حرا سم حضرت

لیؓ سے اس قدر زیادہ ہو گئے کہ حضرت علیؓ کی صاحبزادی اُمِ کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ کے ساتھ ہو گیا۔

حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں بھی حضرت علیؓ کے مشورے بے حد مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ حضرت عثمانؓ کو ہمیشہ کہتے تھے بہتر کہ آپ بہت زیادہ نرمی سے کام لیتے ہیں اس لئے آپ کے عمال اور حکام میں اعتزال پسند پیدا ہو گئے ہیں۔ اور یہی وجہ شورش اور فتنہ کا باعث ہوئی ہے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت باغیوں کو آپ نے ہر چند سمجھایا کہ اپنی حرکت سے باز آجاؤ لیکن وہ باز نہ آئے۔ حضرت علیؓ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے مقرر کیا۔ مگر وہ باغیوں کو روک نہ سکے کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بہر حال انہوں نے اپنے والد کا حکم سر آنکھوں پر رکھا اور حفاظت کی پوری کوشش کرتے رہے اور اسی دوران میں کچھ زخم بھی کھائے تھے۔

بیعتِ خلافت

حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو تین روز تک لوگ حضرت علیؓ کو خلیفہ بننے پر مجبور کرتے رہے حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حضرت علیؓ کو بہت قلق تھا۔ آخر تیسرے روز جب بہت اصرار ہوا تو آپ نے منظور کر لیا اور لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ ۲۱ ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ کا روز دوشنبہ (پیر) کا دن تھا۔ حضرت علیؓ بیعت لینے کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے اور ایک فصیح خطبہ دیا۔ لوگوں کو فتنہ و فساد سے بچنے اور اس کو روکنے کی ہدایت فرمائی۔ تقویٰ اور پرہیزگاری سے

زندگی بسر کرنے کی نصیحت کی۔

قاتلوں کی تفتیش

حضرت علیؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی تفتیش کی کوشش شروع کی۔ لیکن اس میں بڑی دقت پیش آئی کیونکہ شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ کی بیوی حضرت نائلہ ہی موجود تھیں۔ اور وہ پردہ دار عورت ہونے کی وجہ سے سوائے محمد بن ابی بکر کے اور کسی کو پہچان نہیں سکتی تھیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو طلب کر کے قاتلوں کے متعلق دریافت کیا۔ محمد بن ابی بکر نے قسم کھائی کہ میں قتل کے ارادہ سے گھر میں داخل ضرور ہوا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے جب ایک جملہ بول کر مجھے غیرت دلائی تو میں فوراً ہٹ گیا۔ پھر جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا۔ ان کو میں خود بھی نہیں جانتا تھا۔ حضرت نائلہ نے کہا کہ ہاں محمد بن ابی بکر نے بالکل صحیح بیان دیا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو چھوڑ دیا اور وقتی طور پر تفتیش بند کر دی۔ کیونکہ فتنہ و فساد پیدا کرنے والے لوگ ابھی تک مشتعل تھے اور جب تک حضرت علیؓ خلافت سنبھال کر ان لوگوں پر قابو نہ پا لیتے۔ قاتلوں کی مزید تفتیش نا ممکن تھی۔ اور نہ ہی ایسے حالات میں قانونی نقطۂ نظر سے کسی کو بلا تصدیق سزا دی جا سکتی تھی۔

حکام کی معزولی

حضرت علیؓ عہد عثمانی میں ہی یہ سمجھتے تھے کہ فتنہ و فساد کی اصلی جڑ وہ بعض سے حکام ہیں جو اموی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے بھروسے اور اعتماد کے لئے ایسا کیا ہوا تھا۔ بہر حال

حضرت علی رضؓ نے خلیفہ بنتے ہی تمام حکام اور عمال کی معزولی کے حکمنامے تحریر کرنا ئے بعض مدبرین مثلاً عبداللہ بن عباسؓ اور مغیرہ بن شعبہ رضؓ نے انہیں ایسا کرنے سے روکنا چاہا۔ لیکن حضرت علیؓ اس بات کا اٹل فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لئے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا۔ عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کا، عمارہ بن شہاب کو کوفہ کا؛ سہیل بن حنیف کو شام کا اور قیس بن سعد کو مصر کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا۔

بہتر تو یہ تھا کہ پہلے حضرت علیؓ سب حکام سے اپنی خلافت کی بیعت لے لیتے اور اس کے بعد جس کو چاہتے معزول کر دیتے۔ کیونکہ بیعت لے لینے سے یہ بات لازم ہو جاتی کہ سب لوگ اور حکام حضرت علی رضؓ کو خلیفہ تسلیم کر چکے ہیں۔ اس کے بعد خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ جسے چاہے رکھے، جسے چاہے معزول کرے سے لیکن فوری طور پر معزولی کے حکمنامے جاری کرنے سے حکام نے اپنا بے عزتی سمجھی اور بیعت سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ سہیل بن حنیف جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو انہیں ایک شامی دستہ ملا، انہوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کیسے آئے ہیں؟ سہیل بن حنیف نے کہا کہ میں خلیفہ کی طرف سے شام کا حاکم مقرر ہو کر بھیجا گیا ہوں۔ شامی سپاہیوں نے کہا اگر آپ حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے حاکم مقرر ہو کر آئے ہیں تو تشریف لائیے ورنہ واپس چلے جائیں چنانچہ سہیل بن حنیف کو واپس آنا پڑا۔ قیس بن سعد رضؓ جب مصر گئے تو کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو گئے، کچھ مخالفت پر اتر آئے اور کچھ کہنے لگے کہ اگر حضرت علی رضؓ نے قاتلوں سے قصاص دیدلہ) لیا تو ہم خلافت

تسلیم کر لیں گے۔ ورنہ ہم بھی خلاف ہیں۔ اسی طرح عثمان بن حنیف جب بصرہ پہنچے تو اُس وقت وہاں کے حاکم عبداللہ بن عامر حج کے لیئے مکہ آئے تھے۔ چنانچہ وہاں بھی تین قسم کی جماعتیں بن گئیں۔ کوفہ سے بھی کچھ لوگ طلحہ بن خویلد اسدی کے ہمراہ قاتلوں سے قصاص لینے روانہ ہو چکے تھے۔ راستہ میں عمارہ بن شہاب نے حاکم جانتے ہوئے ملے طلحہ بن خویلد نے کہا آپ واپس جائیں ورنہ ہم تمہیں بھی قتل کر دیں گے۔ الغرض اکثر جگہوں پہ انکار اور نافرانی سے ہی واسطہ پڑا۔

قصاص کا مطالبہ اور شورش

حضرت علی رضؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ مدینہ کے لوگوں نے میرے ہاتھ پہ بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا تم بھی بیعت کرو ورنہ دوسری صورت جنگ کی ہو گی۔ امیر معاویہؓ نے پہلے خاموشی اختیار کی پھر کچھ دنوں بعد اپنے قاصد کے ہاتھ جواب میں ایک خط حضرت علیؓ کے نام بھیجا جس میں سوائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور حضرت علیؓ کے نام کے کچھ نہیں لکھا تھا۔ قاصد جب مدینہ پہنچا تو اس نے بتایا کہ تمام شامی سخت نالاں ہیں اور جب تک حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص نہیں لے لیں گے چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ اور حضرت علیؓ کے بھی سخت مخالف ہیں۔ اس لیئے کہ انہوں نے قاتلوں سے بدلہ لینے کا بندوبست نہیں کیا اور قاتلوں کی جماعت کو اپنے لشکر میں شامل کر رکھا ہے۔

دوسری طرف مکہ سے بھی خبر پہنچی کہ حضرت عائشہؓ نے جو اس وقت حج کے سلسلے میں مکہ گئی ہوئی تھیں، حرم کعبہ میں پرجوش تقریر کر کے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لینے کے لیئے اُبھارا

ہے اور اس سلسلے میں حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ، عامل مکہ عبداللہ بن حضرمی اور بصرہ سے آئے ہوئے یعلیٰ ابن منیہ بھی حضرت عائشہؓ سے ہم خیال ہو کر ساتھ مل گئے۔ چنانچہ مکہ سے ایک بڑی جماعت حضرت عائشہؓ کے ساتھ بصرہ روانہ ہوئی اور بصرہ کے قریب جا کر ٹھہر گئی کیونکہ حضرت علیؓ کے مقرر کردہ حاکم بصرہ عثمان بن حنیف نے چند آدمی آگے بھیجے تاکہ وہ اس جماعت کے آنے کا مقصد پوچھیں۔ جواب ملا کہ ہم سب حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا قصاص لینا چاہتے ہیں۔ اور اس غرض سے بصرہ کو مرکز بنانا چاہتے ہیں۔ عثمان بن حنیف نے چاہا کہ انہیں روکے رکھیں تاکہ حضرت علیؓ کی طرف سے ہی تمام کام سرانجام پائیں۔ دوسرے حکیم بن جبلہ نے جو ایک شرارتی شخص تھا۔ اور عبداللہ بن سبا کا ساتھی اور اس جماعت کا زبردست حامی تھا۔ شرارتیں شروع کیں اور جنگ و جدال تک نوبت لانے کی پوری کوشش کی لیکن حضرت عائشہؓ کی تقاریر اور اثر و رسوخ سے بصرہ کے بیشتر لوگ ان کے ساتھ مل گئے اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ صرف بنو سعد ہی ایسے تھے جو حضرت علیؓ کے ہم خیال ہونے کی وجہ سے علیحدہ رہے۔ آخر حضرت عائشہؓ کی جماعت کے ساتھ عثمان بن حنیف کی جھڑپ ہوئی۔ عثمان بن حنیف گرفتار ہوا۔ لیکن حضرت عائشہؓ کے حکم سے رہا کر دیا گیا۔ پھر بصرہ کے لوگوں میں سے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی جماعت کے جن آدمیوں کا ثبوت ملا قتل کروا دیئے گئے۔

ادھر مدینہ میں جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ اور دوسرے لوگ مکہ سے بصرہ روانہ ہو رہے ہیں۔ تو انہوں نے جلدی سے بصرہ پہنچنے کی تیاری شروع کر دی تاکہ بصرہ کے بیت المال پر پہنچ سکیں

سے زیادہ بڑا اور مال و دولت سے بھرا تھا۔ قبضہ کرلیا جائے ویسے بھی حضرت علیؓ کو بصرہ کے لوگوں پر اعتماد تھا کہ وہ پند و نصیحت سے وفاداری کا حلف اٹھالیں گے۔ مدینہ کے اکابرین نے جن میں حضرت عقبہؓ بن عامر بھی تھے۔ حضرت علیؓ کو بہت سمجھایا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے مدینہ میں ہی بیٹھ کر تمام علاقے فتح کیئے تھے۔ اس لئے مناسب نہیں کہ دار الحکومت کو چھوڑ کر آپ باہر چلے جائیں۔ لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرا وہاں جانا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر مخالفین نے بصرہ پر قابض ہو گئے تو پھر ہمیں بہت مشکل پیش آئے گی۔ چنانچہ چند اصحابہؓ کے علاوہ سب لوگ آپ کے ہمراہ ہوئے۔ بصرہ کے قریب مقام ذی قار پہنچے تو معلوم ہوا کہ مکہ کی جماعت پہلے ہی وہاں پہنچ چکی ہے اور بہت سے لوگوں نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ہاتھوں پر بیعت بھی کر لی ہے۔ چنانچہ یہ سب لوگ یہیں رک گئے۔

ذی قار سے حضرت علیؓ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ کو چند آدمیوں کے ساتھ کوفہ روانہ کیا۔ تاکہ وہاں جا کر اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی بیعت پر آمادہ کریں۔ جب یہ لوگ کوفہ آئے تو وہاں حضرت عبداللہ بن قیسؓ (حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ) کوفہ کی بڑی مسجد میں لوگوں کو خطاب کر رہے تھے کہ یہی وہ وقت ہے جس کا آنحضرت رسول اللہ ﷺ نے پتہ دیا تھا۔ کہ فتنہ برپا ہوگا۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تم سب لوگ کسی بھی کام میں شرکت مت کرو اور ہتھیار پھینک دو اور گوشہ نشین ہو جاؤ۔ حضرت امام حسنؓ نے سخت الفاظ

سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رض کی مخالفت کی اور لوگوں کو پرجوش تقریر کے ذریعے حضرت علی رض کی حمایت پر ابھارا۔ کوفہ کے ایک با اثر بزرگ حضرت حجر بن عدی رض نے بھی حضرت امام حسن رض کی پرزور تائید کی اور خود سب سے پہلے بیعت کے لیے تیار ہوئے۔ چنانچہ ان دو تقاریر کا یہ اثر ہوا کہ تقریباً نو ہزار لوگ حضرت علی رض کی بیعت کے لئے آمادہ ہو گئے اور حضرت امام حسن رض کے ساتھ ذی قار پہنچ کر بیعت کر لی۔

حضرت علی رض اہل کوفہ کو ساتھ لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بصرہ میں اس وقت تین جماعتیں تھیں۔ ایک جانبدار، تماشائی جماعت نے ہر چند کوشش کی کہ یہ شورش جنگی رنگ نہ لے سکے اور دونوں فریق ختم کر کے باہم صلح کر جائیں۔ چنانچہ اس جماعت نے سر توڑ کوشش کی اور حضرت عائشہ رض اور حضرت علی رض بھی چاہتے تھے کہ جنگ نہ ہو اور صلح ہو جائے اس لئے صلح کی صورت نظر آنے لگی لیکن دونوں طرف سبائی (عبداللہ بن سبا) جماعت کے چیدہ چیدہ لوگ شامل تھے جو اندر ہی اندر شرارت اور لڑائی کا سامان پیدا کر رہے تھے کیونکہ اگر مصالحت ہو جاتی تو سبائی جماعت کو سخت نقصان پہنچتا تھا۔

جنگ جمل

حضرت علی رض بصرہ کے قریب زاویہ کے مقام پر خیمہ زن ہوئے اور وہاں سے قعقاع بن عمرو کو آگے ام المومنین حضرت عائشہ رض کے پاس بھیجا کہ معلوم کریں کہ ان کا کیا مقصد ہے۔ حضرت عائشہ رض نے فرمایا اصلاح بین الناس اور

اصلاح کی صورت تو یہ ہے کہ قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ قعقاع نے ایک لمبی چوڑی تقریر کر کے حضرت عائشہؓ اور ان کی فوج کو سمجھایا کہ پہلے امن قائم کیا جائے پھر قصاص آسانی سے لیا جائے گا۔ قعقاع کی تقریر نے سب پر اثر کیا۔ حضرت عائشہؓ اور سب لوگ تیار ہوگئے۔ حضرت علیؓ نے جب سنا تو بہت خوش ہوگئے اور دوسرے ہی دن بصرہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ لیکن بصرہ کے پاس پہنچے تو رات آگئی۔ اس لیے ٹھہر گئے۔

سبائی جماعت کے آدمیوں نے موقع دیکھا کہ دونوں فریق آمنے سامنے ہیں۔ اس لیے انہوں نے رات کے اندھیرے میں اٹھ کر حضرت عائشہؓ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ رات کو اچانک حملہ ہو جانے سے اور دوسرے صلح و صفائی کی بات چیت ہو جانے کے بعد ایسی صورت پیدا ہو جانے پر حضرت عائشہؓ کی فوج کے آدمی بہت گھبرائے اور دھوکہ سمجھ کر سب جوابی حملہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت علیؓ سخت پریشان ہوئے اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ سبائی لوگوں نے جواب دیا کہ اہل بصرہ نے حملہ کر دیا ہے۔ الغرض دونوں طرف غلط فہمی ایسی پھیل گئی کہ جنگ کے سوا کوئی صورت باقی نہ رہی۔ چنانچہ دونوں فریق آمنے سامنے آگئے اور عام جنگ شروع ہوگئی۔ حضرت عائشہؓ ایک ہودج میں اونٹ پر سوار تھیں اور ان کی فوج اس اونٹ کو گھیرا ڈالے ہوئے تھی۔ اسی نسبت سے اس کا نام جنگ جمل (اونٹ والی لڑائی) مشہور ہوا۔

حضرت علیؓ آگے بڑھ کر آگئے اور حضرت زبیرؓ کو پکار کر فرمایا۔

اے ابو عبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب آنحضرت ﷺ نے تم سے
فرمایا تھا "کہ تم علیؓ کو دوست سمجھتے ہو؟" اور تم نے جواب دیا تھا کہ
"ہاں" تمہیں یاد ہے کہ تم کو رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک
دن تم ناحق علیؓ سے لڑو گے" حضرت زبیرؓ کہنے لگے "بیشک مجھے یاد
آگیا" پھر حضرت زبیرؓ نے اپنے صاحبزادے سے تذکرہ کر کے مشورہ کیا۔
لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جو پیادہ فوج کے سردار تھے۔
جنگ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ حضرت زبیرؓ خود ہی میدان جنگ
سے نکل کر ایک طرف بیابان میں چلے گئے۔ حضرت طلحہؓ بھی یہ دیکھ کر چلنے
لگے۔ لیکن مروان بن حکم نے زہر میں ڈوبا ہوا تیر پیچھے سے مارا اور
انہیں وہیں ختم کر دیا۔ عربی لوگ بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے اور
حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے گرد جاں نثار کٹ کٹ کر گر رہے
تھے۔ حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک حضرت عائشہؓ کا اونٹ
سلامت ہے جنگ بند نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انہوں نے ایک شخص کو
بھیجا کہ اونٹ کو گرا دیا جائے۔ چنانچہ ایک شخص نے پیچھے سے اونٹ
کے پاؤں پر تلوار ماری اور وہ نیچے بیٹھ گیا۔ اونٹ کا بیٹھنا تھا
کہ حضرت عائشہؓ کی فوج نے شکست مان لی۔ اور لڑائی ختم ہو گئی۔
حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو حکم دیا کہ
ان کی حفاظت کریں اور اعلان کر دیا کہ مال غنیمت نہ لوٹا جائے
جو بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کریں اور زخمیوں پر ہتھیار نہ اٹھائے
جائیں اور زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔
پھر حضرت علیؓ خود حضرت عائشہؓ کے پاس آئے۔ احوال

پہنچے اور نہایت احترام کے ساتھ انہیں ساتھ لے کر بصرہ پہنچے۔ چند دن قیام کیا پھر محمد بن ابی بکر کے ہمراہ حضرت عائشہؓ کو مدینہ روانہ کرتے وقت بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو بھی حفاظت کی خاطر ساتھ بھیجا اور خود بھی کچھ فاصلے تک ساتھ گئے۔ رخصت ہونے سے پہلے حضرت عائشہؓ نے فرمایا "مجھ میں اور علیؓ میں کوئی سابقہ جھگڑا نہیں تھا معمولی تکلف سے عزیزوں میں ہوا ہی کرتے ہیں۔ یہ سب جھگڑا صرف غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ میں اب بھی علیؓ کو بہترین انسان سمجھتی ہوں۔" حضرت علیؓ نے بھی فرمایا کہ "ام المومنین نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔ آپ کا رتبہ اور عزت بہت زیادہ ہے۔ اور مجھے ان کا پورا پورا احترام ہے جس طرح یہ دنیا میں رسول اللہ صلعم کی بیوی تھیں اس طرح آخرت میں بھی ہوں گی۔" رخصتی کے وقت حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ بھی ساتھ تھے۔ پھر باپ کے ساتھ ہی واپس بصرہ لوٹ آئے۔ اس جنگ میں طرفین کے دس ہزار انسان کام آئے

تبدیلی دار الخلافہ

امن ہو جانے پر حضرت علیؓ نے اہل بصرہ سے بیعت لی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو وہاں کا والی مقرر کر دیا اور خراج کی تحصیل کے لیے زیاد بن ابی سفیان مقرر کیے گئے پھر حضرت علیؓ چند روز کے بعد کوفہ تشریف لے گئے اور ۱۲ رجب ۳۶ھ میں وہاں پہنچ کر قصر امارت میں رہنے کی بجائے میدان میں قیام فرمایا۔ پھر جمعہ کے دن نماز کے بعد خطبہ دیا اور لوگوں کو وفاداری کی نصیحت فرمائی۔ اس کے بعد وہاں ہی مستقل طور پر رہنے کی خواہش ظاہر کر کے مدینہ کی بجائے کوفہ کو صدر مقام بنا دیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت

سے دلی لگاؤ تھا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ (حرم نبوی) کی جو توہین ہوئی تھی اس کا حضرت علیؓ کے دل پر بہت صدمہ تھا۔ اس لئے انہوں نے مدینہ کو علمی اور روحانی مرکز ہی رہنے دیا۔ اور سیاسی مرکز (صدر مقام) علیحدہ بنا لیا۔

جنگ صفین

حضرت علیؓ نے واقعہ جمل سے فارغ ہو کر اور عراق پر قبضہ کرنے کے بعد امیر معاویہؓ کو ایک خط جریر بن عبداللہ کے ہاتھ بھیجا جس میں لکھا کہ مہاجرین و انصار نے مل کر مجھے خلیفہ منتخب کیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی بھی میری بیعت کریں۔ جو انکار کرے گا اسے قوت سے زیر کیا جائیگا۔ تم اطاعت قبول کر کے قاتلوں کے قصاص کا مقدمہ میرے سامنے پیش کرو۔ میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام پر حکمران چلے آ رہے تھے۔ اس لئے وہاں خاصا اثر قائم کر چکے تھے۔ سب شامی ان کے حق میں تھے۔ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا جوش دے دے کر تیار کر رکھا تھا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ کو مصر کی حکومت دینے کا عہد دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ تمام اموی حکام جنہیں حضرت علیؓ نے معزول کر دیا تھا۔ وہ تمام پہنچ کر امیر معاویہؓ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ مختصر یہ کہ امیر معاویہؓ نے خاصی جمعیت اکٹھی کر لی تھی۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اپنا قاصد ابو مسلم حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ قاصد نے آکر دیکھا کہ ہزاروں آدمی یک زبان کہہ رہے ہیں کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔" حضرت علیؓ نے قاصد سے فرمایا" دیکھ لو کہ تجھے ان لوگوں پہ کتنا اختیار

سکے جن سے امیر معاویہ رضؓ بدلہ لینا چاہتے ہیں"۔ چنانچہ قاصد واپس شام چلا گیا۔

حضرت علی رضؓ نے پھر ایک خط امیر معاویہ رضؓ کو لکھا اور ایک خط علیحدہ حضرت عمرو بن عاص رضؓ کو بھیجا کہ حضرت عثمان رضؓ کے قتل میں ان کا کچھ اختیار نہیں تھا۔ اس لئے حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھ کر ان کی بیعت کرلیں ورنہ یہ ضد مسلمانوں کے لئے کشت و خون کا باعث ہو گی۔ لیکن اس بار بھی مصالحت ناکام رہی۔ آخر حضرت علی رضؓ جنگ کے لئے مجبور ہو گئے۔ اور تقریباً اسی ہزار کا فوجی دستہ لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ دریائے فرات پار کر کے ملک شام میں داخل ہوئے۔ تو شامی دستے سے ایک جھڑپ ہوئی۔ اسی دوران میں حضرت علی رضؓ کی فوج (علوی فوج) کو مزید کمک پہنچ گئی۔ یہ دیکھ کر شامی دستے کے امیر نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا۔ اور امیر معاویہ رضؓ کو اطلاع دی۔ شامی فوجوں نے صفین کے میدان پہ قبضہ جما کر دریا سے پانی لینے کے تمام رستے روک دیئے۔ علوی فوج صفین پہنچی تو پانی نہ ملنے کی تکلیف ہوئی۔ حضرت علی رضؓ نے زبردست حملہ کیا اور شامیوں کو منہ کی کھا کر دریا سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ لیکن حضرت علی رضؓ کی ضمیر اقدس نے گوارا نہ کیا کہ دشمن بھی پیاسے رہیں۔ اور انہیں دریا سے پانی لینے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ باہمی آمد و رفت سے مصالحت کے آثار دکھائی دینے لگے۔ حضرت علی رضؓ نے آخری بار پھر اپنا قاصد امیر معاویہ رضؓ کے پاس بھیجا۔ لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ بنی۔ دونوں فوجیں تین ماہ تک میدان میں پڑی رہیں اور طرفین سے

فاضل حضرات مصالحت کی کوشش کرتے رہے لیکن نتیجہ صفر رہا۔
آخر تین ماہ بعد جمادی الآخر کے شروع میں دونوں فوجیں نبرد آزما
ہوئیں۔ اور تقریباً ایک ماہ جنگ و جدل میں گزر گیا۔ ہر روز تھوڑا تھوڑا
وقت صبح و شام لڑائی ہوتی پھر فوجیں اپنے اپنے خیموں میں واپس چلی جاتیں
رجب کا مہینہ شروع ہوتے ہی لڑائی رک گئی اور اخیر محرم تک
کوئی جنگ نہ ہوئی۔ اسی دوران میں مصالحت کی بہت کوشش ہوئی۔
لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ صفر کے شروع سے پھر لڑائی شروع ہو گئی
اس مرتبہ حضرت علیؓ نے بڑے جوش و خروش سے حملہ کیا تھا۔ شامیوں
کو پاؤں اکھڑتے نظر آگئے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ حضرت علیؓ کے
مقابلے کے لئے نکلے۔ حضرت علیؓ نے انہیں سخت زخمی کر دیا۔ جب امیر
معاویہؓ کو شکست دکھائی دینے لگی۔ تو مصالحت کی درخواست کی
لیکن اب حضرت علیؓ نے انکار کر دیا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے ایک
چال چلی۔ اور اپنی فوج کے آگے کچھ آدمیوں کو قرآن سینے سے چمٹے
نیزوں پر لٹکا کر روانہ کیا۔ حضرت علیؓ سمجھ گئے کہ یہ دھوکہ ہے انہوں نے
اپنی فوج کو سمجھایا کہ لڑتے رہو۔ یہ محض چال ہے۔ لیکن علوی فوج کے
کچھ لوگوں نے کہا کہ قرآن درمیان میں آگیا ہے اس لئے اب ہم نہیں
لڑ سکتے۔ چنانچہ جنگ بند ہو گئی اور طرفین کے علماء نے فیصلہ دیا۔
کہ جنگ اور تنازعات کا فیصلہ صرف دو آدمی کریں گے جو دونوں طرف
سے لئے جائیں۔ شامیوں کی طرف سے حضرت عمرو بن عاصؓ ثالث
مقرر ہوئے اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری
مقرر ہوئے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو قد سے نکلی کہ شام کے ایک

گاؤں میں گزشتہ نشیبن ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہاں سے بلائے گئے اسطرح اس ہولناک جنگ کا خاتمہ ہو گیا جس میں تقریباً نوے ہزار مسلمان مارے گئے عہد رسالت سے لے کر اب تک سارے مقتولین مسلمان بھی اس جنگ کے مقتولین سے کم تھے۔

ثالثوں کا تقرر اور تحکیم

جب دو ثالثوں کا تقرر ہو گیا۔ تو انہوں نے فریقین سے مندرجہ ذیل عہد نامہ لکھوا لیا ہے۔

۱۔ علیؓ اور معاویہؓ اور ان دونوں کے حمایتی باہم رضامندی سے یہ عہد کرتے ہیں کہ جو فیصلہ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن عاصؓ دینگے انہیں منظور ہو گا۔

۲۔ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے مطابق ہو گا۔

۳۔ اگر فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق نہ ہو تو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اور فریقین کو حق ہو گا کہ جنگ کے ذریعہ فیصلہ کریں۔

۴۔ ثالثوں کی جان اور مال محفوظ رہیں گے۔

۵۔ فیصلہ ماہ رمضان تک سنا دیا جائے گا۔ لیکن اگر ضرورت ہوئی تو کچھ تاخیر ہو سکے گی۔

۶۔ فیصلہ تک لڑائی قطعاً بند رہے گی۔

۷۔ شہادت کے لئے جس شخص کی ضرورت ہو گی طلب کیا جا سکے گا۔ اور شہادت تحریر کی جائے گی۔

۸۔ فیصلہ شام اور عراق کے درمیانی علاقہ میں ہو گا۔

۹۔ اگر قضائے الٰہی سے کوئی ثالث فوت ہو جائے تو اس کی جماعت

کوئی دوسرا شخص اس کی جگہ متعین کرے گی۔

یہ معاہدہ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو لکھا گیا اور دونوں فریقین نے باہم فیصلہ اور معاہدہ کی غرض سے دومۃ الجندل کا مقام ثالثی کے لئے منتخب کیا۔ ماہ رمضان آیا۔ تو ہر فریق نے اپنے حکم ثالثی کے ہمراہ چار چار سو کی جمعیت روانہ کی اور یہ لوگ دومۃ الجندل پہنچ گئے۔ حضرت علیؓ کی فوج کی سرکردگی شریح بن ہانی کے سپرد تھی اور ان کے ساتھ امام رہنما حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ ادھر امیر معاویہؓ کے ساتھ عبداللہ بن عمرؓ، سعد بن وقاصؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ بھی تشریف لائے تھے۔ مغیرہ بن شعبہؓ نہایت ذہین اور مدبر انسان تھے اور جنگ سے علیحدہ رہے تھے۔ لیکن جنگ کا خاتمہ کرانے اور فیصلہ سننے کے لئے شامل ہو گئے تھے۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہؓ نے پہلے ہی اس کا اندازہ لگا لیا کہ عمرو بن عاصؓ متفقہ فیصلہ نہیں ہونے دیں گے اور نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نہایت ہوشیار اور چالاک تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی بہت عزت و تکریم شروع کر دی۔ تاکہ وہ ان کے ہم خیال بن جائیں۔ دوران گفتگو حضرت عمرو بن عاصؓ نے زور دیا کہ امیر معاویہؓ بھی قاتلوں سے قصاص لینے کے بارے متفق ہیں۔ اگر یہ بھی وہی خلیفہ بنائے جائیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت علیؓ کے حق میں تھے اور ان کی رسول اللہ سے قرابت۔ اور دوسرا جو ان اولین میں سے ہونے سے انہی کو فضیلت دیتے تھے۔ بات بات پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ پیدا فتنہ کو ختم

کو خلیفہ بنا دیا جائے ۔ حضرت عمرو بن عاص رض کہنے لگے میرے بیٹے عبداللہ بن عمرو بن عاص رض کو کیوں نہ خلیفہ بنایا جائے ۔ جب کوئی صورت فیصلہ کی نہ بنی تو طے ہوا کہ فیصلہ امت پر چھوڑ دیا جائے وہ جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں ۔ ہم دونوں حضرت علی رض اور امیر معاویہ رض کو خلافت کے حق سے علیحدہ کرتے ہیں ۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رض کھڑے ہوئے اور فیصلہ سنا دیا ۔ لیکن حضرت عمرو بن عاص رض جلدی سے کھڑے ہوئے اور کہا کہ فیصلہ یہی ہے لیکن مجھے صرف یہ کہنا باقی ہے کہ میں حضرت علی رض کی معزولی سے تو متفق ہوں اور امیر معاویہ رض کو خلافت پر بحال رکھتا ہوں ۔ کیونکہ وہ قاتلوں سے قصاص لینے کے زیادہ حق دار ہیں ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رض یہ سن کر بہت غضبناک ہو گئے اور دونوں ثالثوں میں سخت کلامی شروع ہو گئی ۔ شریح بن ہانی نے بڑھ کر حضرت عمرو بن عاص رض کو مارا ۔ لیکن لوگ درمیان میں آ گئے ۔ اور بچاؤ ہو گیا ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رض سخت نادم ہوئے اور مکہ پہنچ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی ۔

خوارج کی ابتدا

جنگ صفین کا عہد نامہ ثالثی لکھا گیا تو دونوں گروہ اپنے علاقے میں اعلان کرنے کے لئے نکلے ۔ عراق کی طرف اشعث بن قیس اس کام پر مامور ہوئے اور جب وہ عہد نامہ سناتے ہوئے گذر رہے تھے تو بنو تمیم کے ایک آدمی عروہ بن اُدیہ نے بڑھ کر اُن سے کہا کہ اللہ کے فیصلے کے لئے آدمیوں کے فیصلہ کو کیوں مانا جاتا ہے ؟ پھر اس شخص نے تلوار سے اشعث بن قیس پر وار کرنا چاہا ۔ لیکن بچا گئے

ہو گیا۔ اسی طرح اور بہت سے آدمیوں نے مختلف مقامات پر ناراضگی
کا اظہار کیا۔ اور اس طرح ایک خاص جماعت ہم خیال ہو گئی اور
علی کی فوج سے نکل کر بارہ ہزار آدمی علیحدہ ہو کر مقام حروراء پر آ ٹھہرے
حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ کو بھیجا تاکہ انہیں سمجھائیں لیکن کچھ اثر
نہ ہوا۔ آخر حضرت علیؓ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں
سمجھا کر اپنے ساتھ کوفہ لے آئے۔ لیکن آخر یہ لوگ حضرت
علیؓ کے بھی مخالف ہو گئے اور کہنے لگے کہ حضرت علیؓ نے ثالثی فیصلہ
منظور کرنے کا عہد کیا اس لیے وہ بھی خلافت کے حق دار نہیں رہے۔
چنانچہ اس طرح خارجیوں کا ایک مستقل علیحدہ فرقہ بن گیا۔ یہ حضرت علیؓ
اور امیر معاویہؓ دونوں کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھتا تھا۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ
تھا کہ دینی معاملات میں قرآن کو حکم ماننا چاہیے۔ ثالث مقرر کرنا کفر ہے۔
اور جو ثالث منظور کرے گا وہ کافر ہو گا۔ اس عقیدے کے تحت ان لوگوں
نے دوسروں کو ہم خیال بنانا شروع کیا۔ اور جو ان کا ہم خیال نہ بنتا اسے
مار دیتے یا موقع پا کر قتل کر دیتے۔ عبداللہ بن خباب اور اس کی بیوی
کو انہی خارجیوں نے نہایت بے رحمی سے قتل کیا۔ حضرت علیؓ کو جب خوارج
کی اس سرکشی کا علم ہوا تو انہوں نے حارث بن مرہ کو حالات معلوم
کرنے کے لیے بھیجا۔ لیکن خارجیوں نے حارث بن مرہ کو بھی قتل کر دیا۔

جنگِ نہروان

خوارج کی سرکشی اور ظلم و ستم کے وقت حضرت علیؓ شام پر دوبارہ حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف تھے۔ لیکن جب ان لوگوں نے ظلم کی انتہا کر دی تو حضرت علیؓ نے شام کی مہم کو ملتوی کر کے ایک کثیر فوج کے ساتھ خوارج کی سرکوبی

کی راہ لئے نکلے اور مقام نہروان فرد کش ہو گئے یہاں سے آپ نے دو اشخاص
ابو ایوب انصاری اور قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو خوارج کے پاس
بھیجا کہ ان کو سمجھا کر ان کی حرکتوں سے روکیں لیکن اس سفارت کا اثر نہ
ہوا۔ پھر حضرت علیؓ نے خارجیوں کے ایک سردار کو اپنے پاس بلایا اور
اسے پند نصیحت کی لیکن اس دفعہ بھی ناکامی ہوئی۔ آخر امیر المومنین
حضرت علیؓ نے فوج کی صف آرائی کی اور حملہ کا حکم دے دیا۔ خارجی بھی
بڑے زور شور سے مقابلہ کے لئے نکلے۔ لیکن خارجیوں کے تقریباً ہزار
آدمی جو حضرت علیؓ کے خلاف لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ نکل کر الگ ہو گئے۔
حضرت علیؓ نے اعلان کیا کہ جن لوگوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل نہیں کیا
اور اب جو ہمارے جھنڈے تلے آ جائیں۔ یا خارجیوں سے علیحدہ
ہو کر مدائن یا کسی اور شہر کی راہ لیں۔ چنانچہ بہت سے خارجی نکل کر
کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور ایک کثیر تعداد علوی جھنڈے کے نیچے
آگئی اب لڑنے والے خارجیوں کی تعداد تقریباً چار ہزار رہ گئی تھی۔
دونوں طرف سے حملہ شروع ہوا۔ خارجی بڑے ثبات سے لڑ رہے تھے
کشتوں کے پشتے لگ گئے لیکن منہ نہیں موڑتے تھے۔ اعضاء کٹ کٹ
کر گرتے تھے۔ لیکن آندھی کی طرح برابر بڑھتے جاتے تھے۔ ادھر حضرت علیؓ کی
فوج بھی پیچھے ہٹنے والی نہ تھی۔ آخر خارجی ایک ایک کر کے کٹ مرے اور
لڑائی ختم ہو گئی۔ زخمیوں کو اٹھوا کر ان کے رشتہ داروں کے سپرد کیا۔
فوج کو شام کی مہم پر جانے کا حکم دیا لیکن لوگوں نے کہا امیر المومنین!
ہمیں کچھ آرام ملنا چاہیے تاکہ ہم تازہ دم ہو کر لڑیں۔ چنانچہ آپ نے
نخیلہ میں اور قیام کیا۔ تو لوگ کھسکنے لگے۔ کچھ دن ٹھہرے

سے ہتھیار بھی ٹھیک کر سکیں گے۔ چنانچہ کچھ دن مقام نخیلہ میں ٹھہرے پھر وہاں سے کوفہ چلے گئے کیونکہ لوگ تھکے ہوئے تھے اس لیے زیادہ آرام چاہتے تھے۔ جنگ نہروان ۳۸ھ میں پیش آئی۔

امیر معاویہؓ کا مصر پر قبضہ

حضرت علیؓ نے خلافت سنبھالتے ہی جب تمام عمال کو معزول کر کے نئے حاکم مقرر کیے تو اسی وقت سے مصر کے نئے حاکم قیس بن سعدؓ انصاری مقرر تھے۔ یہ بہت ہوشیار اور معاملہ فہم انسان تھے۔ چنانچہ انہوں نے مصر کے لوگوں کو حضرت علیؓ کی خلافت پر رضامند کر لیا۔ اور نہایت سمجھداری سے ان پر حکومت کرنے لگے۔ صرف ایک چھوٹے سے علاقے خربتا کے لوگ بیعت پر رضامند نہ تھے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ وہ اس وقت تک بیعت نہیں کر سکتے جب تک سب معاملات طے نہ ہو جائیں۔ البتہ والئ مصر کی اطاعت وہ پوری طرح کرتے رہیں گے۔ قیس بن سعدؓ نے معاملہ فہمی سے کام لیتے ہوئے ان لوگوں سے الجھنا مناسب نہ سمجھا۔ اور انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

ادھر امیر معاویہؓ یہ سوچ رہے تھے کہ اگر حضرت علیؓ شام پر حملہ آور ہوئے اور مصر سے انہیں مدد مل گئی تو وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے قیس بن سعدؓ کو خط لکھ کر اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ لیکن قیس بن سعدؓ نے شائستہ لہجے میں۔ اور جواب میں انکار کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے دوبارہ خط لکھا اور دھمکی دی کہ وہ طاقت سے انہیں زیر کر سکتے ہیں۔

قیس بن سعد رضؓ نے بھی ویسا ہی سخت جواب دے دیا۔ امیر معاویہ رضؓ نے پھر ایک چال چلی اور مصر میں یہ مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد رضؓ ہمارے ساتھ ہیں اور اس غلط بات کو حضرت علیؓ کے کانوں تک بھی پہنچا دیا۔ مزید پختگی کے لئے یہ بیان بھی دیا۔ کہ قیس بن سعد رضؓ نے اہل خرنبا سے جو بیعت نہیں لی یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان افواہوں کو صحیح سمجھتے ہوئے قیس بن سعدؓ کو اہل خرنبا سے لڑ کر بیعت لینے کا حکم بھیجا۔ قیس بن سعدؓ نے عرض کیا کہ امیر المومنین اہل خرنبا دس ہزار اشخاص پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں بہت سے جنگجو اور بہادر لوگ ہیں۔ اس لئے ان سے اس وقت لڑنا مناسب نہیں ہے۔ لیکن جب حضرت علیؓ نے اصرار کیا تو انہوں نے مصر کی حاکمیت سے استعفا دے دیا۔

حضرت علیؓ نے ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو حاکم مصر مقرر کیا لیکن یہ کمسن اور تیز طبیعت کے انسان تھے۔ اس لئے خرنبا کے لوگوں سے جنگ شروع کر دی۔ اہل خرنبا نے محمد بن ابی بکر کو تنگ کرنا شروع کیا حضرت علیؓ نے جنگ صفین کے بعد اشتر نخعی کو جو جزیرہ کے حاکم تھے والئ مصر بنا کر بھیجا۔ لیکن امیر معاویہؓ نے ایک سازش کے تحت انہیں راستے میں زہر دلوا دیا۔ جس سے وہ مصر پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک ہو گئے پھر امیر معاویہؓ نے عمرو بن عاصؓ کی سرکردگی میں ایک فوجی دستہ دے کر مصر میں محمد بن ابی بکر کے مقابلے میں بھیجا۔ محمد بن ابی بکر بڑے جوش سے لڑے۔ لیکن عمرو بن عاص کیسا تھ امیر معاویہ خود بھی ایک فوجی دستہ لے کر آ ملے۔ دوسری طرف سے

اہل خرتبا بھی ان کی مدد کے لیے آ گئے۔ چنانچہ محمد بن ابی بکر کی فوج کے بہت سے آدمی قتل ہوئے۔ کچھ بھاگ نکلے۔ خود محمد بن ابی بکر بھاگ کر چھپ گئے۔ لیکن پکڑے گئے اور معاویہ بن خدیج ایک خرتبا کے سردار نے انہیں قتل کر کے ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں بند کر کے نذرِ آتش کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۸ھ کا ہے۔ محمد بن ابی بکر نے لڑائی کے شروع میں ہی حضرت علیؓ کو لکھا تھا کہ انہیں مدد بھیجی جائے۔ ادھر لوگ مصر میں جانے سے تامل کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے بڑی کوشش سے دو ہزار آدمی تیار کئے۔ لیکن ابھی روانہ ہو رہے تھے کہ محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر پہنچ گئی۔ حضرت علیؓ کو اس واقعہ کا بہت افسوس ہوا۔

امیر معاویہؓ کا جارحانہ طریقہ

۳۸ھ میں ہی امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا تاکہ وہ وہاں کے علوی حاکم زیاد کو مار بھگائے اور اس علاقہ کے لوگوں سے زبردستی ان کے حق میں بیعت لے۔ عبداللہ بن حضرمی کے بصرہ آتے ہی بنو تمیم اس کے ساتھ مل گئے۔ اس بنا پر اس نے جارحانہ طریقہ پر لوگوں سے بیعت لینی شروع کی۔ بصرہ کے حاکم زیاد کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ حضرت علیؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے اعین بن جابیعہ کو عبداللہ بن حضرمی کی سرکوبی کے لیے بھیجا لیکن جب یہ بصرہ پہنچے تو قتل کر دیئے گئے۔ حضرت علیؓ نے اطلاع پا کر جاریہ بن قدامہ کو بصرہ بھیجا۔ جاریہ نے نہایت ہوشیاری اور حکمت عملی سے عبداللہ بن حضرمی کو گرفتار کر کے آگ جلائے رکھا اور

کو جلا دیا۔ اہل بصرہ دوبارہ حضرت علیؓ کی بیعت میں آ گئے۔

امیر معاویہؓ نے اپنا جارحانہ طرز عمل بدستور جاری رکھا اور ۳۹ھ میں مختلف مقامات کی طرف فوجی دستے بھیجے تاکہ لوگوں سے زبردستی بیعت لی جائے نعمان بن بشیر کو علاقہ عین التمر کی طرف روانہ کیا۔ وہاں کے مقامی حاکم مالک بن کعب نے حضرت علیؓ سے مدد مانگی۔ حضرت علیؓ کی کوشش کے باوجود کوفہ سے کوئی شخص وہاں نہ پہنچا۔ اسی طرح امیر معاویہؓ کی طرف سے سفیان بن عوف نے چھ ہزار کے فوجی دستے کے ساتھ انبار اور مدائن (عراق و ایران) پر حملہ کیا اور جارحانہ طور پر وہاں کے لوگوں سے مال و دولت چھینا، خراج وصول کیا اور واپس لوٹا۔ حضرت علیؓ نے اس کا تعاقب کیا لیکن وہ پکڑا نہ گیا۔

عبداللہ بن مسعدہ کو امیر معاویہؓ نے تیماء کی طرف فوجی دستہ دے کر روانہ کیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے مسیب کو فوجی دستے کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مسیب کے تیماء پہنچنے پر فریقین میں جنگ ہوئی۔ آخر عبداللہ بن مسعدہ بھاگ نکلا۔ اسی طرح ضحاک بن قیس امیر معاویہؓ کی طرف سے واقصہ (بصرہ سے متصل علاقہ) پر حملہ آور ہوا۔ اور زبردستی لوگوں سے امیر معاویہؓ کے حق میں بیعت لی۔

۴۰ھ میں دجلہ کے ساحلی علاقوں پر امیر معاویہؓ خود حملہ آور ہوئے اور بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار فوج دے کر حجاز اور یمن پر حملہ آور ہونے کیلئے بھیجا۔ بسر بن ارطاۃ نے بغیر کسی مزاحمت کے مدینہ اور مکہ پر قبضہ کر لیا۔ اور زبردستی امیر معاویہؓ کے حق میں لوگوں سے بیعت لی۔ پھر وہ حجاز سے یمن پہنچا اور جارحانہ

عمل شروع کیا۔ یمن کے حاکم عبیداللہ بن عباس کو کوفہ سے حضرت علیؓ نے پہلے سے بسر بن ارطاۃ کے ظالمانہ اقدام اور یمن پر حملہ آور ہونے کی اطلاع دی تھی۔ اس لئے انہوں نے بسر بن ارطاۃ کے یمن پہنچنے سے پہلے اپنا نائب مقرر کر کے کوفہ کی راہ لی۔ بسر بن ارطاۃ نہایت ظالم اور بے رحم شخص تھا۔ اُس نے لوگوں کے ساتھ بہت سختی کی اور صنعاء (یمن کا صدر مقام) میں عبیداللہ ابن عباسؓ کے دو کمسن بچوں کو جنہیں وہ وہاں چھوڑ کر خود مدد کے لئے کوفہ گئے تھے۔ نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا۔

بسر بن ارطاۃ کے ظلم و ستم سن کر حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود دو سرداروں کو اس کی سرکوبی کے لئے تیار کیا۔ چار ہزار فوج ان کے ساتھ کی اور خود کوفہ کے لوگوں کو پرجوش تقریروں کے ذریعے ابھارا۔ لیکن جب روانہ ہونے کا وقت آیا تو صرف تین سو اشخاص رہ گئے۔ حضرت علیؓ کو لوگوں پر بہت افسوس ہوا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اکابرین سے مشورہ کیا اور اعلان کروا دیا کہ تمام مردوں کو جنگ میں شریک ہونا پڑے گا۔ جو پیچھے ہٹے گا۔ اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ لیکن ابھی تیاریاں ہی ہو رہی تھیں کہ حضرت علیؓ کی شہادت کا وقت آ گیا۔

شہادت علیؓ عام بد امنی سے ناراض اُٹھتے ہوئے خارجیوں کے تین افراد عبدالرحمٰن ملجم برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر تمیمی نے باہمی طور پر طے کیا کہ اس ساری افراتفری کا حل یہ ہے کہ ہم تینوں اس بات کا عہد کریں کہ حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ

اور عمرو بن عاصؓ کو قتل کر دیں۔ چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کے قتل کا ذمہ اٹھایا۔ برک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ کا اور عمرو بن بکر تمیمی نے عمرو بن عاصؓ کو ختم کرنے کا تہیہ کیا۔ تینوں اپنے اپنے مقصد کیلئے روانہ ہو گئے۔ ابن ملجم کوفہ پہنچا تو وہاں جنگ نہروان کے مقتولین خوارج میں سے ایک کی بیٹی قطام بنت شجنہ پر اس کی نظر پڑ گئی۔ قطام بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ ابن ملجم نے اس سے نکاح کی درخواست کی۔ قطام نے کہا مجھے منظور ہے لیکن اس شرط پر کہ مہر میں تین ہزار درہم، ایک لونڈی اور ایک غلام ادا کرے۔ اور حضرت علیؓ کا سر کاٹ کر دے۔ ابن ملجم تو پہلے ہی سے اسی مقصد کیلئے آیا تھا۔ قطام کے حسن و دلفریبی سے اور بھی ارادہ مضبوط ہو گیا۔

۱۷ رمضان ۴۰ھ کو تینوں خارجیوں نے اپنے اپنے مقامات پر حملہ کیا۔ امیر معاویہؓ پر تلوار کا وار ٹھیک نہ پڑا۔ صرف معمولی سا زخم آیا جو چند دنوں میں ٹھیک ہو گیا۔ عمرو بن عاصؓ اس روز بیماری کی وجہ سے مسجد میں امامت کے لیے نہ آسکے۔ عمرو بن بکر تمیمی نے امام کو غلطی سے عمرو بن عاصؓ سمجھ کر وار کیا اور اس طرح پکڑا گیا۔ ابن ملجم اس روز مسجد میں سویا ہوا تھا۔ جب حضرت علیؓ صبح کو نماز کے لئے تشریف لائے تو ابن ملجم کو جگایا کہ اٹھو اور نماز پڑھو۔ جب امیر المومنین نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو سجدہ کی حالت میں ابن ملجم نے زہر آلود تلوار سے ان پر وار کیا۔ آپ کے سر پر سخت زخم آیا۔ لوگوں نے ابن ملجم کو گرفتار کر لیا۔

زخم کاری تھا۔ اور زہر جسم میں اثر کر چکا تھا۔ لوگوں نے عرض

کیا: "امیر المومنین! اگر آپ مفقود فرمائیں تو آپ کے بیٹے حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے؟" حضرت علیؓ نے فرمایا: "میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔" اس کے بعد آپ نے کچھ وصیتیں فرمائیں۔ اور صرف قاتلوں سے معمولی طور پر قصاص لینے کی نصیحت کی اور مزید تاکید کی۔ اس کے اعضا نہ کاٹے جائیں صرف قتل کریں۔ آخر ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو آپ فوت ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

قبر مبارک

حضرت امام حسنؓ نے خود تجہیز و تکفین کی اور کوفہ کے مین دفن کیا۔ حضرت علیؓ کا عہد خلافت پونے پانچ سال کا تھا۔

نظام سلطنت

حضرت علیؓ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت تمام اسلامی ممالک میں شدید دغل مچا ہوا تھا۔ اموی خاندان کے لوگ، جو حضرت عثمانؓ کے قتل کا قصاص فوری طور پر چاہتے تھے۔ اس مطلب کے لئے انہوں نے علیحدہ جماعت بنالی۔ اور امیر معاویہؓ کو اپنا امیر المومنین بنا لیا۔ حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ علیحدہ اپنے طور پر قاتلوں سے قصاص لینے کے لئے بصرہ پہنچ گئے اور یہ دست خون ریزی پیدا کر دی۔ الغرض ہر طرف بدامنی سی پھیل گئی۔ حضرت علیؓ نے ذمہ داریوں کا عہدہ سنبھالا تھا۔ ملک میں نظم و نسق قائم کرنے کے لئے ہر حصہ کی پابندی لگا دی۔ عرب جو خلافت کے پہلے پانچ سال کے عرصے میں بڑی بڑی فتوحات سے مانوس ہو گئے تھے لیکن ابھی

مساعی اور ذمہ داری میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔ اور انہی حالات میں نظم و نسق اور تمام اہم محکموں کا برابر انتظام کرتے رہے ہیں۔

فوجی انتظام

ملک میں بدامنی کی وجہ سے باقاعدہ فوجی نظام نہ تھا جو لوگ آپ کے ساتھ ہوتے وہی آپ کی فوج تھی۔ بہرحال آپ بڑے بہادر اور جنگی امور میں تجربہ کار تھے اس لیے جو کچھ بھی ممکن تھا کرتے رہے۔ شامی سرحد پر آپ نے کئی فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ ۴۰ھ میں جب امیر معاویہؓ کی طرف سے عراق پر جارحانہ اقدام ہوئے تو انہی فوجی چھاؤنی نے سب سے پہلے شامی فوج کو روکا۔ عام بدامنی اور یورشوں کی وجہ سے آپ نے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے کئی مقامات پر مضبوط قلعے بنوائے۔ اصطخر کا قلعہ حصن زیاد کے نام سے بہت مشہور تھا۔ جنگ صفین میں دریائے فرات پر فوجی ضرورت کے لیے پل تعمیر کروایا۔

مالی انتظام

بیت المال کے سلسلے میں آپ نے بڑی عمدگی سے انتظامات کیے۔ مال کی جائز وصولی میں سختی سے کام لیتے تھے۔ لیکن غربا اور مساکین کے ساتھ نہایت رحم و کرم سے پیش آتے۔ بدامنی اور بغاوتوں کے باوجود آپ رحم سے کام لیتے اور درگزر اور عفو سے لوگوں کو موہ لیتے اور فیاضی سے مال خرچ کرتے۔ حضرت علیؓ نے پہلی دفعہ محکمہ جنگلات قائم کیا۔ اور جنگلات سے بھی خاصی آمدنی شروع ہو گئی۔ عہد نبویؐ میں گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ گھوڑوں کی تجارت شروع ہو گئی ہے تو ان پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی۔

حضرت علیؓ نے گھوڑوں پر زکوٰۃ اس لیئے بند کر دی کہ ان کی نسل بڑھے اور ان سے جنگی اور دوسرے فوائد حاصل ہو سکیں ۔

حکام کی نگرانی

صوبجات کے حکام مقرر کرتے وقت آپ انہیں پند و نصیحت کرتے اور ان کے فرائض کی وضاحت کر دیتے۔ حکام کی نگرانی کے لیئے تحقیقاتی وفود بھیجتے۔ حضرت کعب بن مالکؓ اکثر اس کام کے لیئے بھیجے جاتے اور ان کے ساتھ ایک فوجی دستہ حفاظت کے لیئے روانہ کرتے۔ حکام کی غلطیوں اور بد اعتدالیوں کا سختی سے جائزہ لیتے۔ علاقہ اردشیر کے حاکم مصقلہ نے ایک دفعہ بیت المال کی رقم سے پانچ سو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کر دیئے اور یہ رقم اپنے نام پر قرض لکھوا دی۔ کچھ عرصے بعد جب حضرت علیؓ نے قرض کا مطالبہ کیا تو مصقلہ نے کہا کہ "حضرت عثمانؓ تو اتنی قلیل رقم کی پروا بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ تو ایک ایک پیسے کا مطالبہ کرتے ہیں۔" اور خود بھاگ کر امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ گیا۔ حضرت علیؓ کو جب اس کے بھاگ جانے کا علم ہوا تو فرمایا "اس کا برا ہو اس نے کیا خیانت کی کہ اگر وہ نہ بھاگتا تو زیادہ سے زیادہ قید ہو جاتا اور اگر قرضہ ادا نہ کر سکتا تو میں معاف کر دیتا۔" اسی طرح ایک دفعہ آپ نے اپنے چچیرے بھائی عبداللہ بن عباسؓ والیٔ بصرہ سے باز پرس کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا "میں نے اتنی رقم بیت المال سے لی تھی۔ جس سے زیادہ میرا حق تھا۔"

تعزیر و حدود

مجرموں کو سخت سزائیں دیتے تھے۔ آپ نے بعض نئی سزائیں ایجاد کیں۔ مثلاً جو زنا کے

علاوہ دوسرے جرائم پر بھی ہاتھ کاٹنا۔ سنگین جرم پر زندہ جلانا، مکانات تباہ کرنا۔ زندہ جلانے کے سلسلے میں جب حضرت عبداللہ بن عباس رض نے آپ کو بتایا کہ آنحضرت ص نے زندہ جلانے کی سزا سے منع فرمایا ہے تو حضرت علی ع پہلی دی ہوئی سزاؤں پر نادم ہوئے اور آئندہ اسے بند کر دیا۔ دُرّے مارنے کی سزا میں آپ نے ہدایت کی ہوئی تھی کہ چہرہ اور شرم گاہ پر دُرّے نہ مارے جائیں اور برہنہ نہ کیا جائے۔ صرف جرم ثابت ہونے پر سزا دی جاتی۔ جرم کے شبہ میں سزا نہیں دی جاتی تھی۔ دس درہم سے زیادہ کی چوری پر ہاتھ کاٹے جاتے۔

خدمتِ دین

حضرت علی رض گو ہر وقت ملکی نظم و نسق اور بدامنی ختم کرنے میں مصروفِ کار رہتے۔ لیکن دینی خدمات کے سلسلے میں کبھی تساہل نہیں برتا۔ آپ کے عہد میں ایران اور آرمینیہ کے کچھ نو مسلم لوگ مرتد ہو کر عیسائی ہو گئے حضرت علی رض نے فوراً توجہ کی اور سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے فوجی دستہ بھیجا۔ چنانچہ وہ تائب ہو کر پھر مسلمان ہو گئے۔

آپ کو دین سے اس قدر شغف تھا کہ اپنی کوتاہی یا غلطی پر جب کوئی عالمِ دین انگشت نمائی کرتا تو فوراً رجوع کر لیتے اور دینی معاملات میں علمائے دین سے پہلے مشورہ کر لیتے پھر عمل کرتے۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عباس رض نے آپ کو بتایا کہ رسول اللہ ص نے زندہ جلانے کی سزا سے منع فرمایا ہے تو آپ نے اپنی پہلی سزاؤں پر ندامت کا اظہار فرمایا اور آئندہ ایسا کرنے سے اجتناب کیا۔

حضرت علیؓ کے فضائل و خصائل

حضرت علیؓ بچپن سے ہی رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ آ گئے تھے اس لئے ان کا علم و فضل میں کمال حاصل کرنا بالکل فطری بات تھی۔ شروع ہی سے رشد و ہدایت سے فیض یاب ہوتے رہے یہی وجہ تھی کہ جب آنحضرت ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے تو بچوں میں سے آپ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات تک ہر موقعے اور ہر جنگ میں آپ شریک رہے۔ آنحضرت ﷺ کے داماد ہونے کا فخر بھی حاصل ہوا۔ اور اس کی وجہ سے آپ رسول اللہ ﷺ سے بہت قریب رہتے۔ اسی تقریب کی وجہ سے آپ دن رات دینی علوم سے سرشار ہوتے رہتے۔ شان نزول (نزول کی وجہ اور موقعہ) سے آپ واقف ہوتے۔ اور آیات کی تفسیر رسول اللہ ﷺ سے براہ راست دریافت فرماتے۔ بچپن سے ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اس لئے ابتدائے وحی سے ہی آپ کاتبان وحی میں سے تھے۔ صلح حدیبیہ اور دوسرے کئی صلح نامے اور خطوط رسول اللہ ﷺ آپ سے لکھوایا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ بہترین مفسر قرآن سمجھے جاتے تھے۔ آپ حافظ قرآن تھے اور خود فرماتے ہیں کہ میں ایک ایک آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں۔ کہ کیوں اور کہاں نازل ہوئی۔ صحابہؓ میں سے مفسر قرآن کی حیثیت سے آپ کا ہم پلہ صرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی نظر آتے ہیں۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کی بیعت

بلکہ آپ نے چھ ماہ دلیری کی اور اس دوران میں آپ نے قرآن کی آیات اور سورتوں کو نزول کی ترتیب کے ساتھ قلمبند کیا۔ عہد رسالت میں آپ نے کچھ حدیثیں لکھی تھیں لیکن احادیث کی روایت کا موقع تمام اکابر صحابہ میں سے آپ کو زیادہ ملا کیونکہ آپ نے زیادہ عمر پائی۔ بہرحال آپ روایت حدیث میں بہت محتاط تھے۔ اس لیے صرف ۵۸۶ احادیث آپ سے مروی ہیں۔ فقہی مسائل کو حل کرنے کا بھی آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کئی دفعہ فقہی مسائل کے لئے حضرت علیؓ سے مشورہ لیتے۔ ایک مرتبہ ایک مجنون عورت زنا کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے سزا کا حکم دے دیا۔ حضرت علیؓ کو علم ہوا۔ تو فوراً آئے اور فرمایا کہ یہ فیصلہ غلط ہے۔ مجنون شرعی سزا کی مستحق نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم واپس لے لیا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے کسی نے وضو میں موزوں (جرابوں) پر مسح کرنے کا مسئلہ دریافت کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا حضرت علیؓ سے جا کر معلوم کرو۔ کیونکہ وہ آنحضورؐ کے ساتھ اکثر شریک سفر رہے ہیں۔

حضرت علیؓ تقریر اور خطابت میں خاص مہارت رکھتے تھے اور فصاحت اور بلاغت میں مشہور تھے۔ آپ ایسی پر اثر تقریر کرتے کہ لوگوں کے ذہن بدل دیتے اور انہیں اپنی رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور کر دیتے۔ آپ کے خطبات اور تقریریں اس قدر مشہور ہوئیں کہ انہیں "نہج البلاغہ" کے نام پر چار جلدوں میں مدون کر لیا گیا ہے۔ اس مجموعے کے متعلق اس کے مصنف (شریف رضی) نے خود لکھا ہے کہ "ان خطبوں نے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو

فصیح و بلیغ بنا دیا۔

جس طرح آپ علم و فضل میں کمال رکھتے تھے اسی طرح عادات و اخلاق میں بھی نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے تربیت پائی تھی اس لیئے وہی عادات و خصائل آپ میں نظر آتے تھے آپ نہایت دیانت دار اور امین انسان تھے۔ ہر کام نہایت ایمانداری سے کرتے اور اس میں کسی رشتہ دار یا دوسرے بڑے سے بڑے شخص کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ نارنگیاں آئیں آپ کے صاحبزادوں نے ایک ایک اٹھا لی۔ حضرت علیؓ نے ان سے چھین کر واپس دے دیں اور لوگوں میں تقسیم کروا دیں۔ مال غنیمت آتا تو بڑی احتیاط سے تقسیم کرتے اور کچھ کمی بیشی ہو جاتی تو قرعہ اندازی سے بانٹ دیتے۔ تا کہ خود بری الذمہ ہو جائیں۔

زہد و قناعت کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر اپنے گھر کے مال میں اضافہ نہیں ہو سکا۔ جو چند اشیاء پر مشتمل تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی جناب فاطمۃ الزہراؓ کو جہیز میں دیا تھا۔ جب کوفہ میں منتقل دارالخلافہ کے لیئے تشریف لائے تو لوگوں نے محلات میں انتظام کر رکھا تھا لیکن حضرت علیؓ نے پسند نہ فرمایا اور کھلے میدان میں رہائش اختیار کی۔ گھر میں جناب فاطمہؓ خود چکی پیس کر کھانا تیار کرتی تھیں۔ اور باقی سارا کام بھی خود کرتیں۔ کوئی خادمہ نہ تھی۔ حضرت علیؓ کو فرصت ہوتی تو گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے

شجاعت حضرت علیؓ کا بچپن سے ہی ایک نمایاں وصف تھا۔ ہجرت مدینہ کے وقت جب آنحضور ﷺ نے آپ کو اپنے بستر

پاس سلا دیا۔ اور خود راتوں رات حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مدینہ چل نکلے تو اس وقت آپ کی عمر بیس یا بائیس برس کی تھی۔ اس نوعمری میں آپ ذرا نہ گھبرائے اور اپنے آپ کو موت سے بے خبر کر کے رات بھر بستر پر سوئے رہے۔ بدر اور خیبر میں جو شجاعت آپ نے دکھائی وہ آج بھی تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اپنے عہد میں وفات تک شورش اور بدامنی پھیلی رہی لیکن علیؓ مرتضیٰ کے پاؤں کبھی بھی نہیں اکھڑ سکے۔ رات دن باغیوں کی سرکوبی اور نظم و نسق میں مصروف رہتے تھے۔

حسن سلوک میں بھی آپ کا نمایاں درجہ ہے۔ آپ بڑی ہمت اور شجاعت سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے لیکن جب دشمن زیر ہو جاتا تو نرمی سے برتاؤ کرتے اور اکثر معاف کر دیتے۔ جنگ جمل میں اعلان کر دیا کہ زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔ جو بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔ اپنے قاتل ابن ملجم کے بارے وصیت کر دی کہ اعضاء نہ کاٹے جائیں صرف قصاص یعنی قتل کیا جائے اور اس کے علاوہ دوسروں پر گرفت نہ کی جائے۔

۴۰ - ۴۱

امام حسن رض

امام حسنؓ

(عہد خلافت سنہ ۴۰ - ۴۱ ہجری)

امام حسنؓ حضرت علیؓ کے بڑے لڑکے تھے آپ کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ آنحضور صلعم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ امام حسنؓ شکل و شباہت میں آنحضرت ﷺ سے بہت مشابہ تھے۔ سنہ ۳ھ میں

رمضان کے مہینے میں پیدا ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ ان سے بہت پیار کرتے تھے۔ جب کبھی بیمار ہوتے تو آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہؓ سے فرماتے "اسے میرے پاس لاؤ مجھے یہ بہت عزیز ہے۔"

⑤ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد اہل کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی چند ماہ تک آپ نے خلافت کی ذمہ داری اٹھائے رکھی۔ لیکن اس کے بعد امیر معاویہؓ نے عراق پر فوج کشی کر دی۔ حضرت امام حسنؓ بھی فوج لے کر نکلے۔ لیکن عراقی بے دلی اور بزدلی سے عراقی کام سے گئے۔ امام حسنؓ نے صلح کی درخواست کی۔ امیر معاویہؓ نے منظور کر لیا۔ امام حسنؓ جنگ و جدال کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے خلافت سے دستبردار ہو گئے اور خلافت امیر معاویہؓ کو دے دی۔ امیر معاویہؓ نے امام حسنؓ سے کہا کہ آپ جو شرائط چاہیں لکھ دیں منظور ہوں گی۔ امام حسنؓ نے کہا کہ اہل عراق پر سختی نہ کی جائے کسی سے بدلہ نہ لیا جائے [illegible] [illegible] دیا جائے۔ امیر معاویہؓ نے سب شرائط منظور کر لیں۔ چنانچہ امام حسنؓ، حسینؓ اور تمام دوسرے لوگوں نے امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی۔

سوالات

۱۔ حضرت علیؓ کے عہد کی ابتدائی مشکلات کیا تھیں اور آپ نے ان پر کیسے قابو پایا؟
۲۔ جنگ جمل کے اسباب، واقعات اور نتائج بیان کرو۔
۳۔ جنگ صفین کے اسباب، واقعات اور نتائج بیان کرو۔
۴۔ خوارج کون تھے اور ان کا نظریہ کیا تھا؟
۵۔ حضرت علیؓ کی سیرت پر ایک مضمون لکھو۔

خلافت راشدہ پر ایک نظر

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد سے لے کر حضرت علیؓ کے عہد کے اختتام تک کا دور خلافت راشدہ کہلاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو ان کے عہد میں خلیفۂ رسول کے نام سے پکارا گیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے لیے امیر المومنین کا لقب پسند فرمایا۔ اور بعد کے دو خلفاء حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو بھی امیر المومنین کے لقب سے ہی خطاب کیا گیا۔ خلیفہ امام یا امیر دراصل ایک ہی مفہوم ادا کرتے ہیں۔

وظیفۂ خلافت خلافت ہر خلیفہ کا وہ عہد حکومت تھا۔ جس میں دین اسلام کی راہنمائی میں مسلمانوں کی ایک ریاست قائم تھی۔ ریاست کے تمام امور قرآن و سنت کی روشنی میں طے ہوتے تھے۔ معاملات کا فیصلہ اور پیچیدہ مسائل کا فقہی حل سب علماء دین کے باہم مشورہ سے کیا جاتا۔ ہر خلیفہ کے عہد میں اس کام کیلئے ایک مجلس شوریٰ قائم تھی جس میں ممتاز علماء ارکان مجلس ہوتے تھے۔ بہت ہی اہم مسائل کے حل کے لیے مجلس شوریٰ کے علاوہ قبائل کے سرداروں اور عام لوگوں کے مشورے سے فیصلہ کیا جاتا تھا۔ ہر شخص کو حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔ اسی لیے خلیفہ تک رسائی ہر شخص کے لیے آسان تھی۔ خلیفہ کے لیے کوئی حفاظتی دستہ یا دربان مقرر نہ تھا۔ سربراہ ریاست خلیفہ لوگوں میں چلتا پھرتا۔ اور لوگ

خلیفہ تک پہنچ سکتے تھے۔ خلیفہ کا کام صرف طے شدہ مسائل یا امور کو نافذ کرنا تھا۔ وہاں اگر کسی فقہی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو خلیفہ کو حق حاصل ہوتا کہ وہ مسئلہ کی کسی صورت کو ترجیح دے کر حکم نافذ کر دے۔

خلیفہ کا انتخاب جمہوری طرز پر تھا۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضہ صدیق کو بالاتفاق مدینہ کے لوگوں نے منتخب کیا اور سب نے بیعت کی۔ پھر حضرت ابوبکر رضہ نے ارکان شوریٰ سے مشورہ کر کے اور ان کی رائے معلوم کر کے حضرت عمرؓ کا نام خلیفہؓ دوم کے لئے تجویز کیا اور اپنے مکان کے بالاخانے پر چڑھ کر اس کا اعلان کیا۔ لوگوں نے بالاتفاق اسے قبول کیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضہ نے مجلس شوریٰ کے چھ ممتاز ارکان کے نام اس وقت تجویز کئے جب ان سے حد سے زیادہ اصرار کیا گیا۔ اس میں بھی حضرت عمر رضہ نے نہ تو اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کا نام دیا اور نہ ہی دوسروں میں سے کسی ایک کا نام تجویز کیا اور فرمایا کہ ان چھ حضرات میں سے جسے چاہیں چُن لیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے سوا باقی چاروں نے اپنے حقوق دونوں کے حق میں واپس لے لئے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضہ نے تین دن تین رات متواتر مدینہ کے لوگوں سے مشورہ کیا۔ اور بالآخر لوگوں کے منشاء کے مطابق حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر سب نے بیعت کر لی۔ چوتھے خلیفہ کے وقت حالات نہایت خراب تھے۔ ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ مدینہ کے لوگوں نے بالاتفاق حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ چونکہ پہلے بھی تینوں خلفاء کو مدینہ کے مہاجرین اور انصار نے پہلے منتخب کیا تھا اور بعد میں تمام باہر کے مسلمان بیعت کر لیتے تھے اس لئے حضرت علی رضہ بھی مدینہ کے لوگوں سے منتخب ہو کر اپنے آپ کو

برحق خلیفہ یا امیر سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے باہر کے تمام حکام
اور امراء کو اپنی امارت پر بیعت کرنے کے لئے لکھا
لیکن چونکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت ظالمانہ طریقہ پر
ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت
سے امیروں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ جب تک آپ حضرت
عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص نہ لے لیں۔ ہم آپ کی بیعت نہیں کر
سکتے۔ امیر معاویہؓ شام کے علاقہ میں اس شرط کے سب سے بڑے
دعوے دار تھے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ
نے ایک کثیر جماعت تیار کرکے خود ہی قاتلوں سے قصاص لینے
کی مہم شروع کر دی۔ اور بصرہ پہنچ کر اپنا مرکز قائم کرلیا۔ اس
طرح ہر طرف بدامنی اور بے اطمینانی سی پھیل گئی۔

الغرض جہاں تک ممکن تھا۔ ہر خلیفہ کے عہد میں جمہوریت کی روح
پوری طرح قائم تھی۔ خلیفہ وقت اپنے آپ کو لوگوں کا امیر بھی سمجھتا اور
عوام کا خادم بھی۔ شاہانہ جاہ و جلال کا نہ تو کوئی نشان نظر آتا تھا۔
اور نہ ہی لوگوں کی زبانوں پر خلیفہ کے لئے قوی الشوکت اور رفیع المرتبت
کے بغیر ضروری بڑائی کے کلمات ہوتے تھے۔ خلفاء کو خود اپنا ہر کام
کرنے میں انتہائی خوشی ہوتی بلکہ خادموں کے کاموں میں ہاتھ بٹا دینا بھی
عار نہیں سمجھتے تھے۔ مساوات کی یہ برابری حقیقتاً جمہوریت اسلام
کی روح تھی۔ ملکی نظام

ملکی نظام

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں فتوحات تو شروع
ہوچکی تھیں۔ لیکن حکومت دراصل عرب کے علاقہ

نہ ہی تھی چنانچہ انہوں نے عرب کو مختلف صوبوں میں منقسم کر کے ہر ایک صوبہ میں ایک حاکم یا والی مقرر کر دیا۔ عہدِ صدیقی میں مکہ، طائف، صنعاء، حضرموت، بحرین، خولان، زبید، نجران اور حجرش نو صوبہ جات تھے۔ اس عہد میں عدالت اور انتظامیہ علیحدہ علیحدہ نہیں تھے۔ بلکہ حاکم یا والی کے ذمہ دونوں کام ہوتے تھے۔ حاکم مقرر کرتے وقت حضرت ابوبکر صدیق رض انہیں مناسب ہدایت اور نصائح دیتے۔ حضرت ابوبکر رض کا کوئی وزیر نہیں تھا۔ حضرت عمر رض حضرت مشیر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

حضرت عمر رض کے عہد میں چونکہ فتوحات کا سلسلہ کافی وسیع ہو گیا تھا۔ اس لئے بڑے بڑے صوبے مکہ، طائف، صنعاء، بحرین، جُند، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر تھے۔ حضرت عمر رض عمال کی نگرانی نہایت سختی سے کرتے تھے۔ حاکم مقرر کرنے سے پہلے اسے دینی معیار پر پرکھتے پھر اس کے فرائض کی وضاحت فرماتے اور عام لوگوں میں حاکم کے کام اور فرائض کو پڑھ کر سنایا جاتا تاکہ ذہن میں لوگ بھی حاکم پر نظر رکھیں کہ وہ کوئی کام خلافِ شریعت نہ کرے۔ حکام کی نگرانی کے لئے تحقیقاتی وفود بھیجے جاتے اور اگر کسی سے غلطی کا ارتکاب ثابت ہو جاتا تو اسے سزا دیتے اور اس سلسلے میں سختی سے سخت سزا دینے میں ذرہ بھر تامل نہ کرتے۔ چنانچہ مصر کے حاکم عیاض بن غنم کو باریک کپڑا پہننے اور گھر کے دروازہ پہ دربان مقرر کرنے کی سزا میں جو نگرانی کا صحیح نمونہ حضرت عمر رض نے پیش کیا، پوری دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتا۔

عہدِ عثمانی میں بھی فتوحات برابر جاری رہیں اور طرابلس، قبرص، وغیرہ اور مراکش کے مزید علاقے فتح ہو گئے۔ کئی بغاوتیں فرد ہوئیں۔ بحری فتح بھی اسی عہد میں پہلی بار حاصل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مصر ایک بڑا صوبہ تھا اور اس کے تین چھوٹے اور علیحدہ علیحدہ صوبے دمشق، اردن اور فلسطین تھے اور ان کے علیحدہ علیحدہ حاکم مقرر تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے مصر کو ایک بڑا صوبہ ہی رہنے دیا اور ایک حاکم کے تحت کر دیا۔ طرابلس، قبرص، آرمینیا اور طبرستان نئے صوبے بنے۔ حضرت عثمانؓ نے تمام صوبوں کی نگرانی اور انتظامات بالکل اسی طرح کیے جس طرح عہدِ فاروقی سے چلے آرہے تھے۔ صرف اتنا ذاتی کردار کہ پہلے حاکم صوبہ کے ذمہ انتظام ملک، اور فوجی افسری دونوں ہو ... تھے، انھوں نے فوج کا افسر علیحدہ مقرر کر کے یہ نیا ... ایجاد کیا۔

حضرت ... رضہ کے عہد میں ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور ان کی ... دست تک، بغاوتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا۔ اس لیے فتوحات کا مزید پروگرام نہ بن سکا۔ بدنظمی کے باوجود آپ نے حضرت عمرؓ کے مطابق نظام ملک قائم کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ عمال کی نگرانی بالکل اسی طرح کی۔ تحقیقاتی وفد اکثر حضرت کعب بن مالک کے تحت بھیجے جاتے۔ باز پرس کے سلسلے میں قریبی رشتہ داروں تک کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

فوجی نظام | خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضہ کے عہد میں فوج کا باقاعدہ نظام نہ تھا۔ ضرورت کے وقت، لوگ رضاکارانہ طور پہ

پر اپنے آپ کو پیش کر دیتے تھے اور شوق جہاد اس قدر تھا کہ کبھی یہ دقت پیش نہیں آئی کہ وقت پہ فوج مہیا نہ ہو۔ چھوٹے دستوں کے علیحدہ امیر ہوتے اور سب فوج پہ حضرت خالد بن ولید کمانڈر انچیف تھے۔ فوج کو روانہ کرتے وقت نصیحت کی جاتی کہ پہلے حسن اخلاق سے تبلیغ اسلام کی جائے اور ناگزیر صورت میں ہی حملہ کیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے تمام اسلامی ممالک میں باقاعدہ مردم شماری کروائی اور تمام لوگوں کو فوجی بنا دیا۔ سب کی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ عورتوں اور بچوں تک کے وظائف مقرر ہوئے۔ فوجی سپاہیوں کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی مہیا کیا جاتا۔ ہر دس سپاہیوں پہ عریف مقرر تھا جو اپنے لوگوں کو تنخواہ اور دوسری اشیاء تقسیم کرتا تھا۔ جو سپاہی کسی جنگ میں بہادری کے نمایاں جوہر دکھاتا اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا جاتا اور انعام بھی دیا جاتا تھا۔ فوجیوں کی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا۔ اور انہیں زراعت اور تجارت کرنے سے منع کر رکھا تھا تاکہ ان کا دھیان بٹ کر اعلیٰ سپاہیانہ جوہر ختم نہ کر بیٹھیں۔ ان کی صحت کا خیال یوں کیا جاتا کہ پہلے کسی علاقہ کی آب و ہوا کا پتہ کیا جاتا۔ پھر وہاں فوجیوں کو رہائش کی اجازت ملتی۔ تربیت کے لئے فوجی تربیت گاہیں تھیں۔ گھوڑا دوڑانا، تیرنا، ننگے پاؤں چلنا اور تیر اندازی کا کام سکھایا جاتا۔ ہر سپاہی کو چار ماہ کے بعد اپنے بچوں میں جانے کی اجازت دی جاتی۔ فوجی مراکز میں فوج ہر وقت متعین رہتی۔ خزانچی، مترجم، طبیب، جراح، جاسوس وغیرہ لوگ فوج کے ساتھ رہتے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں فوج کو قدرے مزید ترقی ملی۔ آپ نے

فوجیوں کی تنخواہوں میں اضافہ کردیا۔ حاکم کی بجائے فوج کو علیحدہ افسر کے ماتحت کردیا۔ مفتوحہ علاقہ جات میں فوج متعین کر کے فوجی مراکز میں اضافہ کردیا۔ چراگاہیں بھی پہلے سے زیادہ بنوا دی گئیں۔ فوجی سلسلہ میں عہد عثمانی میں بحری انتظامات کی بھی ابتدا ہوئی۔

حضرت علی رضؓ کے عہد میں باوجود بدنظمی اور پریشانی کے بہت سے فوجی انتظامات ہوئے۔ شام کی سرحد پہ فوجی چوکیاں قائم ہوئیں جو رقوں بچوں اور بیت المال کی حفاظت کے لیے مضبوط قلعے تعمیر کیے گئے اور ضرورت کے لیے دریاؤں پہ پل بنوائے گئے۔

عہدِ بنی اُمیہ

عہدِ بنی اُمیہ

عید مشتاق

ق

خاندان بنی اُمیّہ

قبیلۂ قریش اپنی دس شاخوں میں منقسم تھا جن کے نام یہ ہیں: بنی ہاشم، بنی امیہ، بنی نوفل، بنی اسد، بنی مخزوم، بنی عبدالدار، بنی تیم، بنی عدی، بنی جمح اور بنی سہم۔ اگرچہ یہ سب اپنی اپنی جگہ نسبی اعزاز رکھتی تھیں اور قریش کے اجتماعی نظام میں سب اپنی حصہ دار تھیں لیکن ان میں بنی ہاشم اور بنی امیہ زیادہ ممتاز اور نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ بنو ہاشم تولیتِ کعبہ کی وجہ سے عرب بھر میں مشہور تھے اور بنی امیہ اپنے کاروبار اور دولت و ثروت کی بنا پر اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اس خاندان کا شجرہ نسب یہ ہے :-

- عبد مناف
  - ہاشم
    - عبدالمطلب
      - عبداللہ
        - محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
  - نوفل
  - عبد شمس
    - اُمیّہ (بانی خاندان بنی امیہ)
      - حرب بن امیہ
        - ابوسفیان بن حرب
          - معاویہ اوّل بن ابوسفیان (بانی دولت امویہ)
            - یزید اوّل بن معاویہ
              - معاویہ ثانی بن یزید
      - ابوالعاص بن امیہ
        - حکم بن ابوالعاص
          - مروان بن حکم
            - عبدالملک
              - ولید اوّل
                - یزید ثالث
              - سلیمان
              - یزید ثانی
                - ولید ثانی
              - ہشام
            - عبدالعزیز
              - عمر بن عبدالعزیز
            - محمد
              - مروان ثانی
  - مطلب

عبد مناف پہ پہنچ کر اس خاندان کا نسب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ عبد مناف کی اولاد میں سے عبد شمس اور ہاشم ہی زیادہ نامور ہوئے اور انہی دونوں سے دو مشہور خاندان چلے۔ امیہ کے دس بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں:- حرب، ابوحرب، سفیان، ابوسفیان، عمرو، ابوعمرو، عاص، ابوالعاص، عیص، ابوالعیص۔ یہ سب قریش میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ ابتدا میں قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ بنی مخزوم کے ہاتھ میں تھا لیکن عبد شمس کے زمانہ سے یہ عہدہ بنی امیہ میں آگیا اور انہی کی نسل میں چلتا گیا۔ زمانۂ جاہلیت کی مشہور لڑائی "جنگ فجار" میں حرب بن امیہ تمام قبائل قریش کا سپہ سالار تھا، جب اس نے لڑائی کو طول پکڑتے دیکھا تو باہم صلح کروا دی اور تمام خون کی دیت اپنے ذمے لے لی اور اپنے بیٹے ابوسفیان کو دیت کی ادائیگی تک رہن رکھوا دیا چنانچہ ابوسفیان عرب بھر میں مشہور ہو گیا۔

بنی امیہ اور بنی ہاشم میں کوئی بنیادی عداوت نہ تھی جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے بلکہ وہ آپس میں صلح و صفائی سے رہتے تھے کبھی کبھی معمولی باتوں میں اختلاف ہو جاتا جو عام حالات میں اکثر خاندانوں میں ہو جایا کرتا ہے۔ چنانچہ حرب بن امیہ اور عبد المطلب بن ہاشم بڑے پیار و محبت سے رہتے تھے۔ ان کے بعد دونوں کے بیٹے ابوسفیان بن حرب اور عباسؓ بن عبد المطلب آپس میں بڑے ہمدم و ہم نشین تھے۔ ابوسفیان کی اسلام دشمنی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے باپ حرب کے بعد قریش کے سپہ سالار تھے۔ غزوۂ بدر میں ابوسفیان اس لئے حصہ نہ لے سکے کہ وہ قریش کے تجارتی قافلہ کے ساتھ گئے ہوئے تھے مگر اس کے بعد غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب میں ابوسفیان باقاعدہ سپہ سالاری کے فرائض ادا کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اگرچہ ان دونوں خاندانوں میں لوگ اسلام لائے لیکن

خاندانی عصبیت نے اتنا اثر ضرور دکھایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت صرف ان کے اپنے خاندان بنی ہاشم نے کی اور جب مشرکین مکہ نے حضورؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا تو اس وقت دارالندوہ میں تمام قبائلِ قریش موجود تھے لیکن بنی ہاشم میں سے سوائے ابولہب کے اور کوئی نہ تھا۔ فتح مکہ کے وقت حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر بارگاہِ نبوی میں آئے اور وہاں انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ابوسفیان چونکہ رئیس قریش تھے اس لیے حضرت عباسؓ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے گھر کو دارالامان قرار دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ اس کے علاوہ ابوسفیان کے بیٹے معاویہؓ کو کاتبانِ وحی میں شامل کر لیا۔ بعد میں غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت میں سے ابوسفیان کو تالیفِ قلب کے لیے سو اونٹ عطا کیے۔

بعثتِ محمدیؐ کے بعد سے خاندانِ بنی امیہ اور خاندانِ بنی ہاشم میں جو تھوڑی سی چشمک پیدا ہو گئی تھی وہ صرف اس لیے کہ نبوت کے اعزاز سے خاندانِ بنی ہاشم کا رتبہ بڑھ گیا تھا۔ بنی امیہ میں چونکہ فوج کی سرداری اور سپہ سالاری تھی اس لیے انہوں نے مخالفت تیز تر کر دی ورنہ خاندانی بغض و عناد اس قدر نہ تھا اسی لیے آپس میں رشتہ داری قائم تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی زینبؓ کی شادی ابوالعاص بن ربیع اموی سے ہو گئی تھی حضرت عثمانؓ اموی خاندان سے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ یکے بعد دیگرے دو لڑکیوں کو بیاہا۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ اسلام کے دشمن ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ ابوسفیان اگرچہ ساری عمر اسلام کا دشمن رہا لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ اسلام لے آیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو عزت بخشی اور اموی خاندان کے ایک نوجوان عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر فرمایا۔ البتہ اسلام کے غلبہ تک خاندانِ بنو امیہ

کے بیشتر ارکان مسلمانوں کے دشمن ہی رہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خاندان بنی امیہ کا خاص خیال رکھا اور خود اس خاندان نے بھی اپنی سابقہ غلطی کی تلافی کرنی چاہی۔ حضرت ابوبکرؓ نے شام کی مہم میں ابوسفیان کے بیٹے یزید کو فوج کے ایک حصّے کا سردار مقرر کیا اور اسی مہم میں خود ابوسفیان، اس کے دونوں بیٹے یزید اور معاویہؓ اور ان کی بیوی ہندہ تک شریک تھے۔ ان لوگوں نے شام کی لڑائیوں میں بڑے معرکے دکھائے اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ دمشق کی فتح کے بعد اسی یزید کو وہاں کا والی مقرر کر دیا گیا اور اُن کا یہ عہدہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی قائم رہا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی معاویہؓ کو وہاں کا والی حضرت عمرؓ نے مقرر فرمایا۔ بعد میں حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں معاویہؓ کو سارے صوبۂ شام کا والی بنا دیا۔ امیر معاویہؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کے عہد میں بڑے کارنامے دکھائے۔ قصّہ مختصر بنی امیہ ہر زمانے میں ممتاز رہے ہیں۔

معاویہ بن ابوسفیان

معاویہؓ بن ابوسفیان

(عہدِ خلافت ۴۱ھ تا ۵۹ھ / ۶۶۱ سنہ ۶۷۹ سنہ ع)

نام و نسب

معاویہؓ نام اور ابوسفیان بن حرب کے بیٹے تھے۔ ان کا نسب پانچویں پشت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ معاویہ بن ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔

پیدائش سے خلافت تک

آپ ہجرت مدینہ سے پندرہ برس قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ بیس بائیس برس تک ایک عام زندگی بسر کی اور اگرچہ ان کے والد ابوسفیان مسلمانوں کے خلاف ہر موقع پر پیش پیش نظر آتے رہے لیکن معاویہ اس عرصہ میں نمایاں حیثیت نہ رکھتے تھے۔ فتح مکہ کے دن جبکہ معاویہ کی عمر ۲۳ برس کی تھی اپنے باپ ابوسفیان اور دوسرے اہل قریش کے ساتھ اسلام لائے۔ پڑھے لکھے اور سمجھدار تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبانِ وحی میں شامل کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں ان کو اپنی جنگی قابلیت دکھانے کا موقع ملا۔ شام کی مہم پر فوج کے ایک حصہ کی قیادت ان کے بھائی یزید بن ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے معاویہؓ کو بھی ایک فوجی دستہ دے کر شام کی مہم پر بھیجا کہ بھائی کی مدد کریں۔ انہوں نے وہاں خوب کارنامے دکھائے اور بعض علاقے تو محض انہی کی کوششوں سے فتح ہوئے۔ جب حضرت عمرؓ کے عہد میں اردن کے حاکم مقرر ہوئے اور سنہ ۱۸ھ میں جب طاعون عمواس میں ان کے بھائی یزید کی

ابوسفیان نے وفات پائی تو اُردن کے علاوہ دمشق کے حاکم بھی مقرر ہو گئے۔ بعد میں حضرت عثمانؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں آپ کو پورے شام کا حاکم بنا دیا۔ عہدِ عثمانی میں حضرت معاویہؓ نے عثمانِ غنیؓ سے اجازت لے کر بحری بیڑا تیار کیا اور پھر جزیرۂ قبرص فتح کر لیا۔ اس سے پیشتر مسلمانوں کے پاس بحری طاقت بالکل نہ تھی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں حضرت علی رضؓ کی خلافت شروع ہوئی لیکن حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے قتل کا قصاص (بدلہ) لینے کے لیے شام میں دعوت پیش کر دی جس پر اکثر و بیشتر لوگوں نے لبیک کہا۔ ادھر حضرت علیؓ نے معاویہؓ کو شام کی ولایت سے معزول کر دیا لیکن حضرت معاویہؓ نے پرواہ نہ کی بلکہ حضرت علی رضؓ پر یہ الزام لگایا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے ساتھی ہیں اس لیے ان کی شہادت کا قصاص نہیں لیں گے۔ علیؓ اور معاویہؓ میں زبردست کشمکش پیدا ہو گئی (تفصیلات کے لئے اسی کتاب میں دیکھیے خلافتِ راشدہ میں حضرت علی رضؓ کا زمانۂ خلافت) نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر اہلِ شام نے بیعت کر لی اور اِدھر مدینہ کے لوگوں نے حضرت علی رضؓ کو اپنا خلیفہ چُن لیا۔ حضرت علی رضؓ اپنے پانچ سال کے عرصۂ خلافت میں آرام سے نہ بیٹھ سکے ہر طرف شورش اور بے چینی برپا رہی، آخر ان کی شہادت کے بعد حضرت علی رضؓ کے بڑے لڑکے حضرت حسنؓ جانشین ہوئے۔ عراق جو حضرت علی رضؓ کی حکمرانی میں تھا اُس پر بھی امیر معاویہؓ نے فوج کشی کر دی۔ حضرت حسنؓ مقابلہ کے لئے تو نکلے لیکن عراقیوں نے ساتھ نہ دیا۔ امام حسنؓ نرم دل، حلیم اور صلح جو انسان تھے اس لئے جنگ و جدال کو پسند نہ کیا اور امیر معاویہؓ کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گئے (تفصیلات کے لئے اسی کتاب میں حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت

کے آخری حصہ کو ملاحظہ فرمائیں) -

خلافتِ امیر معاویہؓ

امیر معاویہؓ جب اسلامی مملکت کے واحد حکمران بن گئے تو اُس وقت مسلمانوں میں تین سیاسی پارٹیاں تھیں (۱) شیعانِ علیؓ، جو خلافت کو صرف اہلِ بیت ہی کا حق سمجھتے تھے اس لیے امیر معاویہؓ کو جائز خلیفہ تسلیم کرنے کے لیے دلی طور پر تیار نہ تھے اگرچہ مجبوراً انہوں نے بھی معاویہؓ کو خلیفہ مان ہی لیا تھا - (۲) شیعانِ بنی امیہ، یہ لوگ زیادہ تر شام اور گرد و نواح سے تعلق رکھتے تھے اور قصاصِ حضرت عثمانؓ کا مطالبہ لے کر اُٹھے تھے - ان لوگوں نے حضرت معاویہؓ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جائز خلیفہ تسلیم کیا - (۳) خوارج، یہ گروہ جنگِ صفین کے وقت پیدا ہوا تھا - یہ لوگ شیعانِ علیؓ اور شیعانِ بنی امیہ دونوں کو دین سے خارج سمجھتے تھے اور ان کے قتل کو واجب خیال کرتے تھے - اپنے عقیدے میں بہت سخت تھے اور جنگ و جدال میں نہایت تیز تھے - //

خوارج سے مقابلہ

امام حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد جب امیر معاویہؓ واحد حکمران بن گئے تو خارجیوں کا سردار فروہ بن نوفل اشجعی پانچ سو خارجیوں کو لے کر مقام نخیلہ میں آ ٹھہرا تاکہ امیر معاویہؓ کا مقابلہ کیا جائے - شام سے حضرت معاویہؓ نے ایک فوجی دستہ بھیجا لیکن شکست کھا کر واپس لوٹا - امیر معاویہؓ نے کوفہ والوں کو کہلا بھیجا کہ یہ خارجی تم میں سے ہیں اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم لوگ ہی ان کو سمجھاؤ لیکن کوفہ والوں کو خوارج نے کہا کہ معاویہؓ ہمارے اور تمہارے مشترک دشمن ہیں اس لیے ان کو تنہا ہمارا مقابلہ کرنے دو - اگر ہم نے ان کو شکست دے دی تو تم لوگ بھی ان کے پنجہ سے نجات حاصل کر لو گے اور اگر ہم مارے گئے تو پھر تم ہماری

طرف سے بے فکر ہو جاؤ گے۔" بہرحال کوفہ کے قبیلہ اشجع نے امیر معاویہؓ کے حکم کی تعمیل کی اور خارجیوں سے مقابلہ کے لئے نکلے۔ فروہ بن نوفل کو زبردستی پکڑا اور باندھ کر واپس کوفہ لے آئے۔ اُدھر باقی خارجیوں نے عبداللہ بن ابی الحوساء کو اپنا سردار چُن لیا۔ کوفیوں سے مقابلہ ہوا اور عبداللہ مارا گیا۔ اس کے بعد خارجیوں نے حوثرہ اسدی کو اپنا سردار بنا لیا۔ اس وقت خارجیوں کے ۱۵۰ آدمی موجود تھے۔ امیر معاویہؓ نے حوثرہ کے باپ ابوحوثرہ کو کوفہ سے بُلا کر کہا کہ وہ بیٹے کو سمجھائے مگر حوثرہ نے ایک نہ سُنی اور باپ کو صاف جواب دے دیا۔ ابوحوثرہ نے حوثرہ سے کہا کہ اب میں تیرے بچے کو تیرے سامنے لاتا ہوں شاید اس پر رحم کھا کر تُو اس بغاوت سے باز آ جائے۔ حوثرہ نے کہا کہ میں راہِ حق میں نیزے کی نوک پر تڑپ تڑپ کر جان دے دینا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ آخر باپ مایوس ہو گیا اور سارا قصّہ امیر معاویہؓ کو سُنایا۔ امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن عوف کو حوثرہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ لڑائی ہوئی اور حوثرہ مارا گیا۔ ڈیڑھ سو خارجیوں میں سے صرف پچاس باقی بچے۔ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۴۱ھ کا ہے۔ اس کے بعد بھی شورش کم نہ ہوئی بلکہ لڑائیوں کا ایک سلسلہ قائم رہا۔

مغیرہ بن شعبہ

امیر معاویہؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو والیٔ کوفہ مقرر کیا۔ یہ بڑے مدبّر اور سیاست دان تھے۔ مگر دل کے بڑے نرم تھے شعیب بن بجیرہ، معین بن عبداللہ، ابی مریم اور ابی لیلیٰ خارجیوں میں شورشیں اٹھاتے رہے لیکن مغیرہ بن شعبہ نے بڑی فراست سے ایک ایک کر کے یہ شورشیں ختم کر دیں۔ خارجیوں کی بار بار شورشیں اُٹھنے سے اہلِ عراق پر خوف سا چھا گیا تھا۔ امیر معاویہؓ نے سوچا کہ عراق کے علاقے میں امن و امان قائم کرنے کے لئے کسی نہایت مدبّر سیاست دان کی ضرورت ہے۔ آخر انہوں نے مغیرہ بن

شعبہ اور زیاد بن ابوسفیان کو منتخب کیا۔ زیاد بن ابوسفیان اُس وقت فارس کے حاکم تھے۔ اِن کا یہ عہدہ حضرت علی رضہ کے وقت سے چلا آرہا تھا اور یہ حضرت علی رضہ کے حامی ہونے کی وجہ سے امیر معاویہؓ کے سخت مخالف تھے امیر معاویہؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو زیاد کے پاس بھیجا کہ انہیں سمجھائیں۔ مغیرہ بن شعبہ فارس گئے اور زیاد کو سمجھایا کہ امیر معاویہؓ حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد خلیفہ تو ہو ہی گئے ہیں اور اس وقت تمہارے تعاون کی ضرورت بھی محسوس کر رہے ہیں اس لئے تم اُن سے مصالحت کر لو وہ تمہاری تمام شرائط ماننے کو تیار ہیں۔ زیاد پر اس بات کا اثر ہو ہی گیا اور اُس نے مشورہ قبول کر لیا۔ امیر معاویہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے زیاد کو امن نامہ لکھ کر بھیجا۔ زیاد حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچا تو اُن سے فارس کی آمدنی و خرچ کا حساب مانگا گیا۔ زیاد نے جو کچھ حساب پیش کیا امیر معاویہؓ نے اس کی تصدیق کر دی۔ زیاد نے امیر معاویہؓ سے کوفہ میں رہنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اجازت دے دی مگر مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ دور سے شیعان علی حجر بن عدی، سلیمان بن صرد، شبث بن ربعی اور ابن الکوا وغیرہ پر کڑی نگرانی رکھیں۔ یہ واقعہ ۴۲ھ کا ہے۔

زیاد بن ابوسفیان

لوگ زیاد کو زیاد بن ابوسفیان اس لئے کہتے تھے کہ ابوسفیان نے زمانۂ جاہلیت میں زیاد کی ماں سمیہ کے ساتھ نکاح کیا تھا اور زیاد انہی سے پیدا تھے اور اس لئے معاویہؓ کے بھائی ہوئے۔ زیاد خود بھی چاہتا تھا کہ لوگ اُسے زیاد بن ابوسفیان کہیں اور اسی خاندان میں شمار کریں۔ امیر معاویہؓ نے ۴۴ھ میں زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کر لیا۔ اس سے پہلے زیاد اپنے باپ ابوسفیان کے نام سے منسوب نہیں

ہوتا تھا بلکہ زیاد بن ابیہ (زیاد اپنے باپ کا بیٹا) کے نام سے مشہور تھے۔ وجہ یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت کا نکاح دراصل زنا کی ایک صورت تھی اس لئے ابوسفیان اپنی زندگی میں کھل کر اُسے بیٹا تسلیم نہ کرتے تھے۔ امیر معاویہؓ کے زیاد کو بھائی تسلیم کر لینے پر بھی عام لوگوں نے اس کی تائید نہ کی۔ اسی غرض کے لئے زیاد نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو خط لکھا اور اُس پر لکھا۔ "زیاد بن ابوسفیان کی طرف سے"۔ زیاد کو خیال تھا کہ ام المومنینؓ بھی اِسے جواب میں یہی الفاظ لکھیں گی لیکن انہوں نے جواب میں لکھا: "مسلمانوں کی ماں عائشہؓ کی طرف سے زیاد بیٹے کے نام"۔

سنہ ۴۵ھ میں امیر معاویہؓ نے زیاد کو بصرہ کا والی مقرر کیا۔ بصرہ کے لوگ اپنے سابق والی عبداللہ بن عامر کے زمانے سے شریر اور فاسق ہو گئے تھے۔ زیاد اپنی نرم طبع کے باعث اُن پر سختی نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اہلِ بصرہ سختی کے بغیر باز آنے والے نہ تھے۔ زیاد نے جامع کوفہ میں ایک نہایت شاندار خطبہ دیا جو "خطبۂ تبرّاء" کے نام سے مشہور ہے۔ تبرّاء کے معنی نفرت اور بیزاری کے ہیں اور یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ اس تقریر میں حمد و ثناء کے الفاظ نہ تھے خطبہ یہ تھا:۔

"یہ حقیقت ہے کہ سخت جہالت اور تاریک گمراہی نے ہر چھوٹے بڑے کو گھیر رکھا ہے گویا تم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں دیکھی۔ اس میں اہلِ طاعت کے لئے ثوابِ عظیم اور اہلِ معصیت کے لئے عذابِ الیم کا ذکر ہے۔ تم سب کی آنکھوں میں دُنیا سمائی ہوئی ہے اور اس فانی زندگی کو آخرت کی جاودانی زندگی پر ترجیح دیتے ہو۔ تم نے اسلام

ہیں نئی نئی بدعات ایجاد کر رکھی ہیں۔ دیکھو کمزوروں پر
ظلم ڈھایا جا رہا ہے اور دن دہاڑے ضعیف عورتوں کا
مال لوٹا جاتا ہے لیکن تم میں ان کے لئے اسلامی حمیت
جوش نہیں مارتی۔ کیا تم میں عقل مندوں کا بالکل فقدان ہو
چکا ہے جو بدمعاشوں اور تماشوں کو راہزنی اور غارت گری
سے روکیں؟ تم قبائلی عصبیت کا تو خیال کرتے ہو لیکن
اسلامی رشتہ کو بھول گئے ہو۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا
ہوں کہ اگر حالات درست نہ ہوئے تو میں غلام کے بجائے
آقا کو، مسافر کے بجائے مقیم کو، نافرمان کے بجائے فرمانبردار
کو اور بیمار کے بجائے تندرست کو پکڑنے لگوں گا اور اسے
سزا دوں گا۔

سنو! جس شخص کے گھر نقب لگے گا میں خود اس
کا نقصان برداشت کروں گا۔ اب سے جو شخص رات
کے وقت باہر پھرتا ملا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔
میں کسی کی زبان سے جاہلیت کی صدائے ہنگامہ نہ سنوں
ورنہ اس کی زبان کاٹ دوں گا۔ تم لوگوں نے نئے نئے
جرائم ایجاد کر لیے ہیں میں نے بھی نئی نئی سزائیں تجویز کر لی ہیں
یاد رکھو! جس نے کسی کو غرق کیا اسے غرق کر دیا جائے گا۔
جس نے کسی کو آگ میں جلایا اسے بھی زندہ آگ میں جلا
دیا جائے گا۔ جس نے کسی کے گھر میں نقب لگایا اس کے
دل میں شگاف کر دیا جائے گا۔ جو قبر سے مردہ کا کفن چرائے گا

اُسے زندہ درگور کر دیا جائے گا۔ لہٰذا تم سنبھل جاؤ تاکہ میری شدید گرفت سے بچ سکو۔

دیکھو! میرے اور بعض لوگوں کے درمیان کچھ عداوت تھی آج میں اُس عداوت کو پیروں تلے روند کر ختم کر دیتا ہوں۔ تم اپنے طرزِ عمل میں اصلاح کر کے نیک روی اختیار کرو اور اپنی مدد آپ کرنا سیکھو۔ میں دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ میرے یہاں حاکم بن کر آنے سے پریشان ہیں میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ بالآخر خوش ہو جائیں گے اور کچھ لوگ میری آمد سے خوش معلوم ہوتے ہیں وہ بالآخر مایوس ہوں گے۔

اے لوگو! ہم تمہارے حاکم اور تمہارے نگہبان ہیں تمہیں ہماری اطاعت و فرمانبرداری ضروری ہے اور ہمیں تمہارے ساتھ عدل و انصاف لازم ہے۔ خدا کی قسم میں تم میں سے بہتوں کو موت کے گھاٹ اُترتا دیکھ رہا ہوں اس لئے سب کو محتاط رہنا چاہیے۔

یاد رکھو! یہ تین چیزیں میری پالیسی کی بنیاد ہیں :-

۱۔ صاحبِ ضرورت اور مظلوم رات دن جب چاہیں مجھ سے مل سکتے ہیں۔

۲۔ میں کسی کا روزینہ ذاتی عداوت کی بنا پر بند نہ کروں گا۔

۳۔ نہ ہی تم پر غیر ضروری طاقت کا استعمال کروں گا۔

زیاد نے عبد اللہ بن حصن کو شہر کا کوتوال مقرر کیا۔ عشاء کی نماز کے کچھ دیر بعد سپاہی شہر میں گشت کرتے جو رات کو باہر پھرتا ملتا اسے قتل کر دیا جاتا۔ بہت جلد شہر کی حالت سدھر گئی لوگ بڑے محتاط ہو کر رہنے لگے۔ چوری، غارت گری اور لڑائی وغیرہ بالکل بند ہو گئی۔ لوگ رات کو بھی دکانوں اور مکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دیتے اور کسی قسم کا خطرہ محسوس نہ کرتے۔ راستوں کی حفاظت کے لئے پولیس کی چوکیاں قائم کر دی گئیں جس سے مسافروں کو آرام ہو گیا۔

سنہ ۵۱ھ میں مغیرہ بن شعبہ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ نے زیاد کو کوفہ کا بھی حاکم بنا دیا۔ پھر زیاد چھ مہینے کوفہ رہتے اور چھ مہینے بصرہ میں۔ اہل کوفہ حکومت کی خلاف ورزی کے عادی تھے۔ زیاد نے جب جامع مسجد میں تقریر شروع کی تو بعض لوگوں نے اس پر سنگریزے پھینکے۔ زیاد نے تقریر بند کر دی اور مسجد کا دروازہ بند کروا لیا اور ایک طرف بیٹھ کر چار چار آدمیوں کو بلا بلا کر پوچھنا شروع کیا اور قسم لی کہ کس نے سنگریزے پھینکے تھے۔ آخر تیس آدمی نکلے ان کے ہاتھ کٹوا دیئے۔

حُجر بن عدی کوفہ کے حامیانِ علیؓ میں بااثر بزرگ اور جلیل القدر صحابی تھے۔ چنانچہ جب کبھی مغیرہ بن شعبہ امیر معاویہؓ کے زیر اثر حضرت علیؓ کی مذمت اور حضرت عثمانؓ کے لیے دعا کرتے تو وہ اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کی مخالفت کرتے۔ مغیرہ بن شعبہ نرم دل انسان تھے اس لیے وہ سختی سے کام لینا نہیں چاہتے تھے۔ حجر بن عدی کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ تھے جو اس قسم کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ کی وفات کے بعد جب زیاد حاکم کوفہ بنے تو انہوں نے لوگوں پر سختی کی اور کہا کہ لوگو، حجر بن عدی کا ساتھ چھوڑ دو ورنہ میں بہت سخت سزا دوں گا۔ بہت سے لوگ اس

تنبیہ کے بعد درست ہو گئے چند جو باقی رہ گئے انہیں حجر بن عدی سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ زیاد نے شہادتیں جمع کیں کہ حجر بن عدی اور اس کے ساتھی حکومت کے خلاف ہیں اور برا بھلا کہتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا گیا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن حارث کو سفارش کے لئے امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ حجر بن عدی نیک و عابد آدمی ہیں اس لئے انہیں چھوڑ دیا جائے لیکن عبدالرحمٰن بن حارث کے پہنچنے سے پہلے حجر بن عدی اور ان کے ساتھی قتل ہو چکے تھے۔

زیاد بن ابوسفیان ۵۳ھ میں طاعون میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا۔

عبیداللہ بن زیاد

۵۵ھ میں امیر معاویہؓ نے عبیداللہ بن زیاد کو والی کوفہ مقرر کر دیا۔ عبیداللہ بن زیاد بہت سخت اور سخت گیر تھا۔ اس نے خارجیوں کو چن چن کر قتل کروا دیا۔ جو بھاگتا اس کے پیچھے فوج روانہ کرتا۔ عروہ بن ادیہ ایک خارجی نے عبیداللہ بن زیاد سے ایک گھوڑ دوڑ کے موقعہ پر سخت کلامی کی پھر بھاگ کر چھپ گیا۔ عبیداللہ بن زیاد نے اسے ڈھونڈ نکالا اور اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔ اس پر بھی عروہ اپنی بات کہنے سے باز نہ آیا چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا۔ عروہ کے بھائی مرداس نے چالیس آدمیوں کے ساتھ بغاوت کھڑی کر دی۔ ابن زیاد نے دو ہزار کی فوج روانہ کی۔ مرداس نے ان دو ہزار آدمیوں کو شکست دے دی۔ ابن زیاد امیر معاویہؓ کی وفات تک والی کوفہ مقرر رہا۔

ولایت مصر و حجاز

مصر میں حضرت عمرو بن عاص حاکم مقرر تھے۔ بڑے دانا، مدبر اور سیاست دان تھے۔ مصر کی

بڑی خوبی سے اپنے تحت رکھا اور حکمرانی کرتے رہے۔ ۴۳ھ میں ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو والی مصر مقرر ہو گئے لیکن ان کو بھی معزول کر کے دوسرے لوگ والی بنائے گئے۔

حجاز میں ولایت بنی امیہ کے لئے مخصوص تھی۔ مدینہ میں کبھی مروان بن حکم والی ہوتا اور کبھی سعید بن عاص۔ امیر معاویہؓ کا طریقہ تھا کہ پہلے طائف کا حاکم مقرر کرتے، اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو مکہ کی ولایت دے دیتے۔ بعد میں مدینہ کا والی بنا دیتے۔ مدینہ کا والی ہی امیر الحج ہوتا تھا۔

فتوحاتِ امیر معاویہؓ

کئی پشتوں سے فوج کی سپہ سالاری بنی امیہ میں چلی آرہی تھی اس لیے امیر معاویہؓ کے عہد میں فوجی کارناموں میں خاصی ترقی ہوئی۔ بری فوج تو حضرت عمرؓ کے عہد میں ہی بہت ترقی کر چکی تھی اس لئے مزید ترقی نہ ہوئی۔ بحری فوج امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہی ان کی اجازت سے قائم کر دی تھی (۱۷۰۰) پانچ سو جہازوں کے جنگی بیڑے کو تیار کر کے قبرص فتح کر لیا تھا۔ خود اپنے عہد میں انہوں نے اس میں مزید ترقی کی۔ امیر البحر کا عہدہ قائم کیا۔ جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے۔ موسم کے لحاظ سے شاتیہ (سرمائی) فوج الگ تھی اور صائفہ (گرمائی) فوج الگ۔ یہ دونوں فوجیں مختلف ملکوں میں تیار کھڑی رہتی تھیں۔ بہت سے نئے قلعے بنوائے۔ شام میں سب سے زیادہ قلعے تعمیر ہوئے۔ پرانے قلعوں کی مرمت کروائی۔ منجنیق (پتھر پھینکنے والی توپیں) کا استعمال مسلمانوں نے پہلی بار امیر معاویہؓ کے عہد میں کیا۔ استعمال

سندھ کی فتوحات

سندھ اور کابل دو طرفوں سے امیر معاویہؓ کی فوجیں ہندوستان میں داخل ہوئیں۔ سنہ ۴۴ھ میں کابل کی طرف سے خیبر کے راستے مہلب بن ابی صفرہ نے فوج کشی کی۔ سرحدی علاقہ کے باشندوں نے کچھ مزاحمت کی لیکن شکست کھائی۔ یہاں سے یہ فوج قلات (موجودہ نام قیقان) کی طرف بڑھی۔ چند ترک سواروں نے گھیر لیا لیکن مہلب نے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور قلات سے مالِ غنیمت لے کر واپس لوٹے۔ مہلب کے بعد بھی چند ایک اور مہمیں آئیں اور مالِ غنیمت لے کر واپس چلے جاتے رہے۔ بعد میں زیاد کا بیٹا عباد سیستان کے راستے سے قندھار پر حملہ آور ہوا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی بہت سے مسلمان مارے گئے لیکن فتح مسلمانوں کو ہی نصیب ہوئی۔

قندھار کی فتح کے بعد زیاد نے منذر بن جارود کو سندھ کے علاقہ میں بھیجا۔ اُس نے قلات اور آس پاس کے علاقے فتح کر لئے۔ اسی طرح یہاں بھی فوج کشی ہوتی رہی لیکن حکومت قائم نہ ہو سکی۔

ترکستان کی فتوحات

سنہ ۵۴ھ میں خراسان کا والی عبید اللہ بن زیاد مقرر ہوا۔ اُس نے بڑی جواں مردی اور ہمت سے ترکستان پر حملہ کیا اور بہت سے علاقے پر قابض ہو گیا۔ ایک سال بعد ان کی جگہ سعید بن عثمانؓ والی مقرر ہوئے۔ انہوں نے یہ مہمات جاری رکھیں۔ دریائے جیحون کو پار کر کے علاقہ سغد کے دار الحکومت پر حملہ آور ہوئے۔ ان دنوں وہاں ایک خاتون قبق حکمران تھی۔ قبق نے مسلمانوں سے صلح کر لی لیکن اس کے لوگوں نے صلح قبول نہ کی اور ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد میں مسلح ہو کر مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر قبق بھی صلح سے پھر گئی اور اپنے لوگوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلی۔ بخارا کے مقام پر معرکہ ہوا۔ سغدیوں میں پھوٹ

پڑ گئی اس لیئے تتر بتر ہونے لگے۔ موقع غنیمت جان کر قبق نے دوبارہ صلح کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی مسلمان بغیر کسی مزاحمت کے بخارا میں داخل ہو گئے۔

بخارا کے بعد مسلمانوں نے سمرقند کا رُخ کیا۔ قبق نے اس مہم میں مسلمانوں کی خوب مدد کی۔ تین دن تک سمرقند کا محاصرہ رہا تیر باری ہوتی رہی جس سے مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا سعید بن عاص اور مہلب بن ابی صفرہ دونوں کی ایک ایک آنکھ جاتی رہی مسلمان ڈٹے رہے آخر سمرقندیوں نے سات لاکھ سالانہ خراج ادا کرتے رہنے پر صلح کر لی۔

سمرقند کے بعد مسلمان ترمذ پر حملہ آور ہوئے لیکن وہاں کے لوگوں نے اسلامی فتوحات کے قصے سن رکھے تھے اس لیئے کوئی مزاحمت نہ کی اور صلح کی درخواست پیش کر دی جو منظور کر لی گئی۔

شمالی افریقہ کی فتوحات

شمالی افریقہ کا بہت سا حصہ تو خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں مزید فتوحات ہوئیں۔ ۴۱ھ میں عقبہ بن نافع لواتہ اور زنانہ پر فوج کشی کر کے اس علاقہ پر قابض ہو گئے۔ ۴۲-۴۳ھ میں سوڈان اور گرد و پیش کے علاقے بھی فتح کر لیئے۔

۴۱ھ میں معاویہ بن خدیج نے افریقہ کے ساحلی علاقے کے خوبصورت شہر بنزرت کو فتح کر لیا۔ اور اسی سال جزیرہ جربہ کو رویفعؓ بن ثابت انصاریؓ نے فتح کر لیا۔ ۴۵ھ میں دوبارہ معاویہ بن خدیج نے جلیل القدر صحابہؓ اور اکابر تابعین کے ساتھ جن میں عبداللہ بن عمرؓ، ابن زبیرؓ اور عبدالملکؒ وغیرہ شامل تھے فوج کشی کی اور سوسہ اور جلولا فتح کر لیے۔

شمالی افریقہ میں بربری باشندے بڑے سرکش اور باغی واقع ہوئے تھے۔ سنہ ۵۰ھ میں عقبہ بن نافع کو ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ ان کے ساتھ دس ہزار عرب فوج اور بہت سے نومسلم بربری تھے۔ اسلامی لشکر نے بربریوں پہ بار بار حملے کئے اور ان کا زور بالکل ختم کر دیا پھر وہاں ایک شہر قیروان اور ایک فوجی چھاؤنی قائم کی تاکہ بربری آئندہ سرکشی اور بغاوت پر آمادہ نہ ہوں۔

رومیوں پہ فوج کشی

قسطنطنیہ کی رومی حکومت مسلمانوں کے سخت مخالف تھی۔ مصر و شام کے ساحلی علاقے بھی رومیوں کے زیر اثر تھے۔ اسی لئے امیر معاویہؓ نے اسلامی بحری بیڑا تیار کروایا تھا اور ایک مستقل فوج اس بیڑے کے ساتھ رہتی تھی تاکہ رومیوں کے حملے سے بچاؤ رہے۔ چنانچہ ہر سال رومیوں سے بحری جنگ ہوتی رہتی لیکن خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلتا سوائے اس کے کہ رومیوں کے حملہ سے بچاؤ رہتا۔

سنہ ۴۹ھ میں امیر معاویہؓ نے رومیوں کے مرکزی مقام قسطنطنیہ پہ حملہ کی تیاری کی اور ایک عظیم الشان اسلامی لشکر جمع کیا۔ سفیان بن عوف کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ "میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پہ حملہ آور ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے"۔ (صحیح بخاری) - اس لئے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ اس لشکر میں شریک ہوئے۔ عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابو ایوب انصاریؓ وغیرہ سب اس میں شامل تھے۔ یہ لشکر بحری اور بری دونوں راستوں سے قسطنطنیہ پہنچا اور جاتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ بڑے سخت معرکے ہوئے اسی دوران میں

عبدالعزیز بن زرارہؓ بڑھ بڑھ کر حملے کرتے رہے اور جب شوق شہادت پورا نہ ہوا تو دشمن کی فوج میں گھس گئے آخر شہید ہو گئے۔ امیر معاویہؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے کہا کہ عرب کا جوان مرد اُٹھ گیا۔ ان کے باپ زرارہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے صبر سے دعا مانگی۔ قسطنطنیہ کی فصیل نہایت مضبوط تھی اس لئے مسلمانوں سے فتح نہ ہو سکی۔ سردی کی شدت عربوں کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ رومیوں نے آتش فشانی کر کے اسلامی بیڑے کی کئی کشتیوں کو جلا دیا۔ اسی دوران میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بیمار ہو کر وفات پا گئے اور ان کی وصیت کے مطابق قسطنطنیہ کے فصیل کے قریب ہی دفن کر دیئے گئے۔ مسلمان بغیر فتح کے قسطنطنیہ سے واپس لوٹ آئے اور رومیوں کو کہلا بھیجا کہ ابوایوب انصاری رضؓ کی لاش ان کی اس وصیت پر کہ مجھے جہاں تک ممکن ہو سکے دشمن کی سرزمین میں لے جا کر دفن کرنا ہم نے یہاں دفن کی ہے اگر تم نے لاش کی بے حرمتی کی تو یاد رکھنا کہ اسلامی سلطنت کے حدود میں کبھی ناقوس (عیسائی عبادت کا گھنٹہ) نہ بج سکے گا۔ بعد میں جب ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا تو حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر پر بہترین مقبرہ بنایا اور ساتھ ایک خوبصورت مسجد بھی جس میں خلفاء کی رسم تاج پوشی ادا کرتی تھی۔

روڈس اور ارواڈ کی فتوحات

روڈس اور ارواڈ کے جزائر قبرص کے نزدیک ہی شام کے ساحلی علاقہ میں آباد ہیں۔ قبرص کا جزیرہ تو امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں فتح کر لیا تھا۔ روڈس کو بھی ۵۲ھ میں فتح کر لیا گیا۔ یہ نہایت سرسبز اور خوبصورت جزیرہ تھا جہاں پھلوں کی کثرت تھی۔ دو سال بعد ۵۴ھ میں جزیرہ ارواڈ پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ سسلی اور کریٹ کے جزائر پر بھی حملے ہوتے لیکن ناکام رہے

یزید کی ولی عہدی

امیر معاویہؓ اپنی عمر کے آخری ایام میں چاہنے لگے کہ اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد مقرر کر دیں تاکہ ان کے بعد امت میں انتشار پیدا نہ ہو۔ اتفاق سے مغیرہ بن شعبہ نے امیر معاویہؓ کی خیر خواہی میں یزید سے اپنے طور پر بات کی کہ اگر خلافت کا سلسلہ تمہاری نسل میں منتقل ہو جائے تو بہتر ہے۔ چنانچہ یزید نے جا کر اپنے باپ سے تذکرہ کیا۔ امیر معاویہؓ دل سے تو چاہتے تھے لیکن کوفہ، بصرہ اور حجاز کے لوگوں کی مخالفت کے ڈر سے خاموش رہے۔ انہوں نے مغیرہ بن شعبہ کو بلا بھیجا اور اُن سے کہا کہ اگر آپ بھی چاہتے ہیں تو کوفہ، بصرہ اور حجاز کے لوگوں کو سنبھالنے کی ذمہ داری کس پر ڈالی جائے؟ مغیرہ نے جواب دیا کہ کوفہ کے لوگوں کے لئے تو میں خود کافی ہوں، بصرہ کے لوگوں کو زیاد سنبھال لیں گے اور حجاز کے لئے مروان بن حکم کو کہہ دیجیے۔ امیر معاویہؓ نے یہ مشورہ پسند کر لیا۔

کوفہ میں بہت سے لوگ بنی امیہ کے حامی تھے۔ مغیرہ نے واپس کوفہ پہنچ کر ان حامیانِ بنی امیہ کے معززترین ارکان کو وفد کی شکل میں امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا کہ یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کریں۔ اُدھر زیاد اگرچہ سخت حکمران تھے لیکن اس معاملہ میں غور و فکر اور تحمل سے کام لیا۔ انہوں نے اپنے مشیر خاص عبید بن کعب کو بلایا اور مشورہ لیا۔ زیاد نے کہا کہ امیر المومنین کو یزید کے مشاغل اور لاابالی پن سے آگاہ کر دینا چاہیئے تاکہ وہ جلد بازی سے کام نہ لیں۔ عبید بن کعب نے کہا کہ اس طرح امیر المومنین کا دل نہیں توڑنا چاہیے بلکہ یزید کو سمجھانا چاہیے کہ لاابالی پن چھوڑ دے تاکہ لوگوں کو مخالفت کا موقع نہ ملے۔ زیاد نے یہ مشورہ پسند کیا۔ چنانچہ عبید نے جا کر یزید کو بہت سمجھایا جس سے یزید کافی حد تک سدھر گیا۔

اب حجاز کا معاملہ باقی تھا۔ امیر معاویہؓ نے وہاں کے گورنر مروان بن حکم کو لکھا کہ "میں ضعیف ہو گیا ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ اپنا جانشین مقرر کر دوں تاکہ امت میں اختلاف و انتشار پیدا نہ ہو۔ اس معاملہ میں اپنا اور اہلِ مدینہ کا مشورہ لکھو۔" مروان نے اس مسئلہ کو اہلِ مدینہ کے سامنے پیش کیا۔ چونکہ خط میں کسی جانشین کا تذکرہ اور نام نہ تھا اور محض جانشینی کی تجویز تھی اس لئے سب نے اتفاق ظاہر کیا۔ مروان نے امیر معاویہؓ کو اطلاع دے دی۔ اس کے تھوڑے ہی دیر بعد امیر معاویہؓ نے یزید کی جانشینی کا اعلان بھیج دیا۔ اہلِ عراق و شام کو تو امیر معاویہؓ نے نرمی اور سختی دونوں طریقوں سے رام کر لیا اور ان سے یزید کی بیعت لے لی لیکن حجاز کے لوگوں نے مخالفت کی۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے مروان بن حکم کو کہا کہ تم اور معاویہؓ دونوں غلط ہو تمہارے نزدیک تو ہرقل (روم کا عیسائی بادشاہ) کی شہنشاہی جائز ہے کہ ایک مرے تو دوسرا ہرقل تخت نشین ہو جائے۔ اس دوران میں کوفہ، بصرہ اور مدینہ کے علاقوں سے مختلف وفود معاویہؓ کے پاس پہنچتے رہے۔ لیکن معاملہ گفتگو تک ہی رہتا مخالفت نہیں ہوئی۔ امیر معاویہؓ کو اصل خدشہ مدینہ کے پانچ بزرگوں سے تھا وہ تھے عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن زبیرؓ، امام حسینؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ۔ چنانچہ امیر معاویہؓ خود مدینہ اور پھر مکہ پہنچے۔ ایک روایت میں ہے کہ الگ الگ سب سے گفتگو کی اور دوسری روایت میں ہے کہ ان پانچوں بزرگوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنا نمائندہ بنا لیا کیونکہ وہ زیادہ تجربہ کار اور مستند تھے۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ تمہارے ساتھ میرا جو طرزِ عمل ہے وہ تم پر عیاں ہے۔ یزید تمہارا بھائی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ امت کی بہتری کے لئے تم اس کو خلیفہ کا لقب دے دو باقی حکومت کا پورا انتظام اپنے ہاتھوں میں رکھو۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ خلیفہ کے انتخاب کے لئے ہمارے نزدیک تین ہی صورتیں جائز ہیں۔ ایک وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کی تھی یعنی یہ کہ کسی کو نامزد نہ کیا جائے، دوسری یہ کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرح اپنے رشتہ دار کو نامزد نہ کیجئے اور تیسری یہ کہ حضرت عمرؓ کی طرح چند آدمیوں میں سے ایک کا انتخاب مجلسِ شوریٰ پر چھوڑ دیجئے۔ اِن تین صورتوں کے علاوہ ہم کسی چوتھی صورت کو قبول نہیں کر سکتے۔

امیر معاویہؓ نے معاملہ بنتا نہ دیکھا تو دھمکی سے کام لیا اور کہا کہ اگر کسی شخص نے یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کی تو تلوار سے کام لیا جائے گا۔ پھر باہر مسلمانوں میں اعلان کر دیا کہ یہ پانچ بزرگ مسلمانوں کے محترم ہیں اس لئے اِن کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جائے گا۔ اور انہوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ اہلِ مدینہ اور مکہ نے یہ سُن کر بیعت کر لی کیونکہ وہ اس بات کے منتظر تھے کہ یہ بزرگ جو فیصلہ دیں گے اُسے وہ قبول کر لیں گے لیکن بعد میں جب اصل معاملہ معلوم ہوا تو لوگوں نے مخالفت کرنے کی جرأت نہ کی اور خاموش رہے۔

امیر معاویہؓ کی علالت اور وفات

عمر کے اٹھترویں سال میں تھے ۶۰ھ کہ امیر معاویہؓ سخت بیمار ہو گئے اور زندگی کے آثار ختم ہو گئے۔ یزید اُس وقت دمشق میں نہ تھا اور کسی مہم پر باہر گیا ہوا تھا۔ آپ نے یزید کے نام ایک وصیت نامہ لکھوایا جو مندرجہ ذیل ہے:

"عزیز من! میں نے تمہارے راستے کے تمام کانٹے
ہٹا کر تمہارے لئے راہ ہموار کر دی ہے اور دشمنوں کو
زیر کر کے سارے عرب کو تمہارا تابع فرمان بنا دیا ہے
اور تمہارے لئے ایک خزانہ جمع کر دیا ہے لیکن تم

کو وصیت کرتا ہوں کہ اہلِ حجاز کے حقوق کا ہمیشہ خاص خیال رکھنا کیونکہ وہ تمہاری اصل و بنیاد ہیں۔ جو حجازی تمہارے پاس آجائے اس سے حسنِ سلوک سے پیش آنا اس کی عزت کرنا اور احسان کرنا اور جو تیرے پاس نہ آئے اس کی خبرگیری کرتے رہنا۔ اہلِ عراق کی بھی ہر خواہش پوری کرنا۔ اگر وہ ہر روز عاملوں (حاکموں) کا تبادلہ چاہیں تو رد نہ کر دینا کیونکہ حاکموں کا تبادلہ تلواروں کے بے نیام ہونے سے بہتر ہے۔ شامیوں کو بھی اپنا مشیر بنانا اور ان کا خیال رکھنا۔ جب تمہارا کوئی دشمن مقابلہ میں آئے تو شامیوں سے مدد لینا مگر کامیاب ہونے کے بعد فوراً ان کو واپس بلا لینا ورنہ وہ دوسرے مقام پر زیادہ دیر ٹھہرنے سے اخلاقی طور پر بگڑ جائیں گے۔

سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے۔ اس میں حسین رض بن علی رض، عبداللہ بن عمر رض، عبدالرحمن بن ابی بکر رض اور عبداللہ بن زبیر کے علاوہ کوئی حریف نہیں ہے عبداللہ بن عمر رض سے کوئی خطرہ نہیں، انہیں زہد و عبادت کے علاوہ اور کسی چیز سے واسطہ نہیں ہے۔ عام مسلمانوں کی بیعت کے بعد انہیں بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ عبدالرحمن بن ابی بکر رض میں کوئی ذاتی حوصلہ و ہمت نہیں ہے جو ان کے ساتھی کریں گے وہی وہ کریں گے، البتہ حسین رض

بن علیؓ کی جانب سے خطرہ ہے۔ اہلِ عراق انہیں تمہارے
مقابلہ میں لاکر چھوڑیں گے جب وہ تمہارے مقابلہ میں
آئیں اور ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگزر سے کام لینا کہ
وہ قرابت دار، بڑے حقدار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے عزیز ہیں، البتہ جو شخص لومڑی کی طرح فریب دے
کر شیر کی طرح حملہ کرے گا وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے
اگر وہ صلح کرلیں تو بہتر ورنہ ان پر قابو پانے کے بعد ہرگز
نہ چھوڑنا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔"

اس وصیت کے بعد کچھ باتیں ذاتی وصیت کے طور پر بھی امیر معاویہؓ نے ساتھ ہی لکھوائیں اور رجب ۶۰ھ میں وفات پائی۔ ضحاک بن قیس نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور وہیں دمشق کی سرزمین میں ہی دفن کر دیا۔ یزید کئی دن بعد واپس آیا اور قبر پر جا کر نمازِ جنازہ پڑھی۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ جن کا ذکر وصیت میں آیا ہے وہ امیر معاویہؓ سے پہلے ہی وفات پا گئے۔

امیر معاویہؓ کا نظامِ حکومت

امیر معاویہؓ میں ملک داری کی بڑی قابلیت تھی۔ ان کے عہد میں تمام ممالک میں امن رہا اور روز بروز اسلام کی شوکت اور طاقت میں اضافہ ہوتا رہا۔ بحری فوج کی مزید ترقی کی بنا پر رومیوں کا خطرہ ٹل گیا۔ معاویہؓ بڑی مستعدی اور ہوشیاری سے حکومت کرتے تھے۔

صوبوں کی تقسیم اور ان کا نظام وہی رہا جو عہدِ فاروقی سے چلا آرہا تھا۔ البتہ فوجی نظام میں مزید ترقی ہوئی۔ گرمائی اور سرمائی دو الگ الگ فوجیں ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ بحری فوج کا سپہ سالار الگ قائم کیا اور اس کو امیر البحر کا عہدہ دیا

کئی نئے قلعے بنوائے شام کے ملک کو خصوصی طور پر نئے قلعے تعمیر کر کے رومی خطرات سے محفوظ کر دیا گیا۔ پرانے قلعوں کی مرمت کروادی۔ قبرص، روڈس اور ارواڈ میں فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ منجنیق توپ کا استعمال بھی انہی کے عہد میں مسلمانوں نے پہلی مرتبہ کیا۔ کابل کے محاصرہ میں سنگباری سے فصیل توڑ دی گئی۔

پولیس کا محکمہ بھی قائم کیا تاکہ اندرونی نظام درہم برہم نہ ہو جائے۔ یہ محکمہ اگرچہ پہلے سے قائم تھا لیکن امیر معاویہؓ نے اسے زیادہ ترقی دی۔ عراق میں چونکہ فتنہ و فساد کا ہر وقت خدشہ رہتا تھا اس لئے وہاں چالیس ہزار پولیس موجود رہتی تھی اور کوئی شخص راستہ میں گری پڑی چیز اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ لوگ گھروں اور دکانوں کے کواڑ کھلے چھوڑ رکھتے تھے اور کسی قسم کا خطرہ نہ ہوتا تھا۔ زیاد حاکم عراق کا دعویٰ تھا کہ کوفہ سے خراسان تک اگر رسّی کا ایک ٹکڑا بھی ضائع ہو جائے تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ کس نے لیا ہے۔ امیر معاویہؓ کے حکم سے دمشق کے تمام بدمعاشوں کے نام رجسٹر میں درج تھے اور ان کی باقاعدہ نگرانی رہتی تھی۔

ڈاک (بریدہ) کا محکمہ بھی باقاعدہ طور پہ امیر معاویہؓ کے عہد میں چلا اور اس کا مستقل نام برید رکھا۔ ملک بھر میں تھوڑی تھوڑی مسافت کے لئے تیز گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے اور سرکاری ہرکارے (چٹھی رسان) ہر منزل پہ گھوڑا بدل لیتے اور اس طرح بہت جلد ایک مقام سے دوسرے مقام تک چٹھیاں اور خبریں پہنچا دی جاتیں۔

دیوان خاتم کے نام سے ایک نیا شعبہ قائم کیا جس کا کام یہ تھا کہ جو سرکاری احکام جاری ہوتے ان کی نقلیں دفتر میں رکھ لی جاتیں۔ اس طرح ان لوگوں کے لئے موقعہ ختم ہو گیا جو سرکاری احکام میں ردّ و بدل کر لیتے تھے۔ حکم نامہ کی نقل رکھنے کے بعد اسے لفافہ میں بند کر کے اوپر مہر لگا کر آگے روانہ کیا جاتا۔ سوئیوں کے گورنروں کو

بھی یہی حکم تھا۔

رفاہِ عامہ کی خاطر نئی نہریں اور بڑے بڑے تالاب بنوائے جن سے پیداوار میں خاصی ترقی ہوئی۔ کئی پرانے شہر آباد کئے اور نئے شہر تعمیر کئے گئے۔ مسجدیں بنوائیں۔ شمالی افریقہ میں خصوصی توجہ کے ساتھ نوآبادیاں قائم کیں حتیٰ کہ وہاں مسلمانوں کا مرکز قائم ہو گیا اور اس طرح یہاں کے بربریوں کو جو بغاوت کے ساتھ مرتد ہو جاتے تھے اسلام سے پھر جانے سے روک دیا۔ بہت سے رومی بھی مسلمان ہوئے۔

امیر معاویہؓ کے خصائل و فضائل

آپ فتح مکّہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تھوڑا عرصہ ہی گزار سکے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کاتبانِ وحی میں شامل کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ بھی آپ کے علم و فضل کے معترف تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی آپ کی دینی سوجھ بوجھ کے قائل تھے۔ ایکسو ترسیٹھ حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ شعر و ادب کا شوق تھا۔ تقریر فصیح و بلیغ ہوتی تھی علم و ادب کا اتنا شوق تھا کہ آپ نے عبید بن شریہ سے تاریخِ قدیم کی کہانیاں، ممالکِ غیر کے سلاطین کے حالات و واقعات اور زبانوں کی ابتداء اور فروغ ایک کتاب میں جمع کر دلئے۔ یہ مسلمانوں میں تاریخ کی سب سے پہلی کتاب تھی۔

وہ اگرچہ دنیوی معاملات میں خوب پڑ گئے تھے لیکن خوفِ خدا سے ہمیشہ لرز جاتے۔ ایک مرتبہ سفر میں تھے کہ کسی مقام پہ اونچی جگہ فرش بچھوا کر بیٹھ گئے، سامنے سے نوکر چاکر، اونٹ گھوڑے، لونڈی غلام قطاروں میں گزرنے لگے آپ کے چہرہ پہ ندامت و پشیمانی کے آثار نمودار ہو گئے اور کہنے لگے "خدا ابوبکرؓ پہ رحم کرے نہ انہوں نے دنیا کو چاہا نہ دنیا نے انہیں چاہا، عمرؓ کو دنیا نے چاہا لیکن انہوں نے اُس کو نہ چاہا، عثمانؓ کو کچھ دنیا میں مبتلا ہونا پڑا اور ہم لوگ، تو بالکل

رسی میں آلودہ ہو گئے"۔

آپ بڑے مدبر اور سیاست دان تھے۔ چونکہ آپ کی حکومت رائے عامہ کے ذریعے قائم نہ ہوئی تھی اس لئے تلوار استعمال کی گئی لیکن حتی المقدور عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ خاندانِ بنی ہاشم دربار میں پہنچ کر سخت سخت باتیں کہہ دیتے لیکن آپ ہمیشہ ہنس دیتے اور مال و دولت دے کر واپس لوٹاتے اور کہا کرتے کہ میں کسی کی زبان نہ پکڑوں گا جب تک وہ میری حکومت کے درمیان حائل نہ ہو۔ اپنی [illegible] سیاست سے متعلق خود کہتے ہیں کہ "میرا کوڑا جہاں کام دیتا ہے وہاں تلوار کو کام میں نہیں لاتا، جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی تعلق قائم ہو جاتا ہے تو میں اسے قطع نہیں ہونے دیتا۔ جب لوگ اسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں"۔ آپ نے جہاں سخت حاکم مقرر کئے وہاں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایسے سخت حاکموں کی ہی ضرورت ہوا کرتی تھی ورنہ وہ لوگ باز آنے والے نہ تھے۔

آپ کی پیدائش ہی امیر ترین گھرانے میں ہوئی تھی اس لئے بچپن سے [illegible] امیرانہ تھا۔ اپنے عہدِ حکومت میں بھی شاہانہ طریق زندگی تھی لیکن اس کے باوجود دل [illegible] خدا ترس تھا اور غریبوں کی تھوڑی بڑی باتوں تک کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ ہر روز کا معمول تھا کہ دربارِ عام لگتا اور ہر کس و ناکس کو اپنی تکالیف بیان کرنے کا موقع دیا جاتا۔ ضرورت مند کی حاجت پوری کی جاتی اور مظلوم کی داد رسی کی جاتی۔ دربارِ خاص میں [illegible] لوگوں کو کہتے کہ تم اشراف [illegible] ہوا ہے مجلسِ خصوصی میں حاضر ہونے کا موقع ملتا ہے لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں تم ان کی ضروریات بیان کرتے رہو اور ان کا خیال رکھو [illegible]

حاجت مند کو اندر بلاتے جاتے اور حالات سُن کر احکام لکھواتے رہتے۔ اس دوران میں جب تک کوئی ضرورت کے لئے حاضر رہتا آپ کے ساتھ کھانے میں شریک رہتا۔ ظہر سے عصر تک امراء و وزراء سے گفتگو رہتی۔ عشاء کی نماز کے بعد پھر علمی گفتگو ہوتی ایک تہائی رات گزرنے کے بعد سو جاتے۔ رات کے آخری حصے میں اُٹھ جاتے اور مطالعہ کرتے رہتے۔ اس طرح دن رات آپ مشغول رہتے تھے۔

سوالات

۱۔ بیان کیجئے کہ امیر معاویہؓ کس طرح ابتدائی مشکلات پر قابو پا کر واحد حکمران بن گئے؟

۲۔ امیر معاویہؓ کے سیاسی اور جنگی کارناموں پر بحث کیجئے۔

۳۔ "امیر معاویہؓ کی خلافت میں بادشاہت جھلکتی ہے اور ان کی حکومت سے مسلم بادشاہت کا آغاز ہوتا ہے"۔ اس بیان پر آپ کیا کچھ لکھ سکتے ہیں؟

۴۔ مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابوسفیان پر مختصر نوٹ لکھئے۔

حضرت امام حسین رضؓ

سیرت امام حسینؓ

حضرت حسینؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، حضرت علی رضؓ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ کے بیٹے اور حضرت حسنؓ کے چھوٹے بھائی تھے۔ مدینہ میں شعبان سنہ ۴ھ میں پیدا ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حسنؓ و حسینؓ دونوں کو دل و جان سے چاہتے تھے بچپن اپنے نانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں گذرا چنانچہ عادات و اطوار میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے جلتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے پہلے جب باغیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا تو حضرت علیؓ کے حکم سے دونوں بھائی حفاظت کے لئے وہاں متعین تھے بعد میں حضرت عثمان رضؓ نے خود خطرہ بڑھتا دیکھ کر ان کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں سیاست کی طرف توجہ نہ دی لیکن معاویہؓ کے بعد جب اُن کا بیٹا یزید بن معاویہ تخت نشین ہوا تو حضرت حسینؓ نے اُس کی خلافت ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ اُسے بالکل غیر اسلامی اور باطل قرار دیتے تھے۔ آپ بڑے حلیم اور پرہیزگار تھے ہمت اور بلند حوصلہ میں نمایاں شخصیت رکھتے تھے۔ شجاعت و استقلال میں بے نظیر تھے اور حق پرستی کی خاطر جان تک قربان کرنے سے گریز نہ کرتے تھے۔

حادثہ کربلا اور اُس کے واقعات

امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ اُس نے باپ کی وفات کے بعد خلافت کا اعلان کر دیا اور

مدینہ میں حاکمِ مدینہ ولید بن عتبہ بن ابو سفیان کو لکھا کہ حضرت حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے فوراً بیعت لے لی جائے۔ ولید نے مروان بن حکم سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے فوراً بلا کر بیعت لے لو اور جو انکار کرے اُسے قتل کر دو۔ کیونکہ انہیں معاویہؓ کی موت کی خبر پہنچ گئی تو ہر ایک خلافت کا دعویدار بن کھڑا ہو گا۔ ولید نے صرف حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا بھیجا کیونکہ باقی دو بزرگوں سے اُسے خطرہ نہ تھا۔ ولید کے بلاوے پر دونوں گئے۔ امیر معاویہؓ کی موت کی خبر سُن کر حضرت حسینؓ نے اِنّا لِلّٰہ پڑھی اور دعائے خیر کی۔ پھر کہا کہ "میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا۔ عام لوگ بیعت کے لئے آئیں گے تو میں بھی آجاؤں گا۔" ولید صلح جو شخص تھا اس لئے راضی ہو گیا اور دونوں بزرگ واپس لوٹ آئے

اس کے بعد حالات کے پیشِ نظر عبداللہ بن زبیرؓ خفیہ طور پر مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ ولید نے تعاقب کی کوشش کی لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ دوسری ہی رات حضرت حسینؓ بھی معہ اہل و عیال مکہ چلے گئے۔ ان کے بھائی محمد بن حنفیہ نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ رُکے۔ اس دوران میں عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ عام لوگ یزید کی بیعت کر رہے ہیں بیعت کر لی۔

مکہ میں حضرت حسینؓ کے پاس بہت سے لوگ جمع رہتے، ابن زبیرؓ بھی کبھی کبھی ملتے رہتے۔ ادھر اہلِ کوفہ نے طے کیا کہ یزید کی بیعت قبول نہ کی جائے اور حضرت امام حسینؓ کو بلا کر انہیں خلیفہ بنا لیا جائے چنانچہ انہوں نے متعدد خطوط لکھے اور بعض لوگوں کو بھی اس مقصد کے لئے امام حسینؓ کے پاس مکہ میں بھیجا۔ امام حسینؓ نے کوفہ والوں کو جواب

لکھا کہ میں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں تاکہ حالات کا جائزہ لیا جائے۔ اگر تم رضامند ہو تو میں وہاں آجاؤں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام وہی ہے جو کتاب اللہ پر عمل کرے اور سنت پر قائم رہے۔" پھر آپ نے مسلم بن عقیل کو خفیہ راستہ سے کوفہ بھیج دیا۔ کوفہ پہنچتے ہی شیعانِ علی رض نے آ آکر امام حسین رض کے حق میں مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کر دی۔ مسلم بن عقیل نے امام حسین رض کو حالات سے آگاہ کر دیا۔ اُدھر حاکم کوفہ نعمان بن بشیر بڑے حلیم، نیک فطرت، اور امن پسند آدمی تھے، انھوں نے اطلاع پاکر لوگوں کو بلایا اور کہا کہ "لوگو! فتنہ و فساد میں نہ پڑو، اس میں جان و مال کی تباہی و بربادی ہے۔ جب تک کوئی میرے مقابلہ میں کھڑا نہ ہوگا اُس وقت تک محض بدگمانی کی بنا پر میں کسی کو سزا نہ دوں گا۔"

دمشق میں یزید کو جب اطلاع پہنچی کہ مسلم بن عقیل کوفہ پہنچ کر امام رض کے حق میں بیعت لے رہے ہیں تو اُس نے عبیداللہ بن زیاد حاکم بصرہ کو حکم بھیجا کہ فوراً کوفہ پہنچ جاؤ اور مسلم بن عقیل کا قلع قمع کر دو۔ عبیداللہ بن زیاد کوفہ آیا اور لوگوں کے سامنے تقریر کی :-

"اے کوفہ کے لوگو! امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم مقرر کر کے بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ مظلوموں کے ساتھ انصاف، فرماں برداروں کے ساتھ نیک سلوک اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کروں۔ میں حکم کی تعمیل کروں گا۔ ہر شخص اپنے حلقہ کا ذمہ دار ہے، اجنبی، خارجی یا مشکوک آدمی

کو پکڑ کر میرے حوالہ کر دو۔ جس محلے میں باغی ملے گا
اس محلے کے رئیس کو اس کے گھر کے سامنے پھانسی
دی جائے گی"۔

مسلم بن عقیل نے جب یہ اعلان سُنا تو وہ پہلا گھر چھوڑ کر خفیہ طور پہ ہانی بن عروہ کے گھر چلے گئے۔ ہانی بن عروہ اگرچہ انہیں اپنے پاس ٹھہرانا نہیں چاہتے تھے مگر جب وہ آ ہی گئے تو چپ رہے۔ ابنِ زیاد کو جاسوسوں کے ذریعے معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے گھر میں ہیں۔ اُس نے ہانی کو بلا بھیجا اور اُن سے پوچھا کہ مسلم بن عقیل کہاں ہے؟ ہانی نے پہلے تو انکار کر دیا لیکن پھر کسی کے عینی شہادت دینے پہ آپ نے اقرار کر لیا۔ ابنِ زیاد نے ہانی بن عروہ کو پٹوایا اور قید کر لیا۔ اُدھر مسلم بن عقیل کو جب صورتِ حالات کا علم ہوا تو انہوں نے یا منصور کا نعرہ لگایا۔ اٹھارہ ہزار آدمی بیعت کر چکے تھے لیکن آس پاس سے چار ہزار اشخاص باہر نکل آئے۔ مسلم بن عقیل ان لوگوں کو لے کر کوفہ کے قصرِ امارت پہ آئے اور محاصرہ کر لیا، کچھ اور لوگ بھی مدد کے لیے پہنچ گئے۔ ابنِ زیاد کے پاس اُس وقت صرف تیس آدمی موجود تھے جو پولیس کے تھے اور باقی تیس کے لگ بھگ شہری لوگ۔ محل میں موجود لوگوں میں سے شہری معززین کو ابنِ زیاد نے کہا کہ تم اپنے اپنے قبیلہ اور محلہ کے لوگوں پہ اثر ڈالو کہ وہ مسلم کا ساتھ چھوڑ دیں۔ چنانچہ اس تدبیر سے بہت سے لوگ مسلم کو چھوڑ گئے پھر امان کا جھنڈا بھی بلند کر دیا۔ اِس پہ مسلم بن عقیل کے آس پاس صرف تیس ۳۰ آدمی کھڑے رہ گئے باقی سب گھروں کو چل دیئے مسلم گھبرائے اور ایک محلہ میں کسی بوڑھی عورت کے گھر پناہ لی۔ ابنِ زیاد نے لوگوں کے گھروں کی تلاشی شروع کروا دی۔ بوڑھی عورت کے لڑکے نے خود ہی اطلاع

(مسلم بن عقیل ؑ ۶۰ھ محمد بن اشعث)

پہنچا دی کہ مسلم بن عقیل ان کے گھر میں چھپے ہیں۔ ابن زیاد نے گرفتاری کے لئے محمد بن اشعث کو بھیجا جس نے فوراً پہنچ کر بوڑھی عورت کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ مسلم بن عقیل نے جب بچنے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو باہر نکلے اور محمد بن اشعث کے آدمیوں سے بہادرانہ مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو گئے۔ محمد بن اشعث نے جان بخشی کا وعدہ کیا اور باندھ کر ابن زیاد کے پاس لے آیا۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث سے کہا کہ تمہیں جان بخشی کا کیا حق تھا؟ اس پر مسلم بن عقیل نے محمد بن اشعث سے کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ تو مجھے امان نہیں دے سکے گا، اب تو صرف اتنا کر کہ امام حسینؓ کو اطلاع کر دو کہ کوفہ میں ہرگز نہ آئیں اور اگر چل پڑے ہیں تو واپس لوٹ جائیں یہ لوگ قطعاً قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ محمد بن اشعث نے وعدہ کیا کہ وہ پیغام پہنچا دے گا۔ اس کے بعد ابن زیاد نے مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ دونوں کو قتل کروا دیا۔

اُدھر مکہ میں امام حسینؓ کوفہ پہنچنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ آپ کے عزیزوں اور دوستوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے منع کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے۔ اور کہا کہ "میں نے عزم کر لیا ہے اور آج کل تک ضرور روانہ ہو جاؤں گا۔" ابن عباسؓ پکار اُٹھے کہ "خدا آپ کی حفاظت کرے آپ ایسے لوگوں میں جا رہے ہیں جو دغا باز ہیں اور مجھے آپ کی بربادی نظر آ رہی ہے۔ حجاز میں ہی بیٹھے رہئے اور اگر جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن میں چلے جائیے خدارا آپ رک جائیں۔" لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ نے اور کہا کہ "میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں لیکن میں عزم کر چکا ہوں۔" ابن عباسؓ نے جب کہا کہ "نہیں رک سکتے تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیے مجھے اندیشہ ہے کہ جس طرح عثمانؓ

عثمانؓ اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کر دیئے گئے تھے اسی طرح آپ کو بھی ان کے سامنے قتل نہ کر دیں۔ اور اگر مجھے یقین ہو کہ آپ کے بال پکڑ لینے اور لوگوں کے جمع ہونے سے آپ رک جائیں گے تو واللہ ابھی آپ کی پیشانی کے بال پکڑ لوں"۔ مگر امام حسینؓ نے ایک نہ سنی۔

اسی طرح کی التجائیں اور پکاریں اور بہت سے لوگوں نے بھی کیں۔ امام حسینؓ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنی طرف سے اور ایک والئ مدینہ عمرو بن سعید بن عاص سے بھی خط لکھوایا کہ خدارا آپ رک جائیں اور کوفہ جانے کا ارادہ ترک کر دیں یہاں آپ کے لئے امن و امان ہے لیکن امام بالکل نہ ملنے اور اپنے عزم پر قائم رہے۔

بالآخر امام حسینؓ مکہ سے روانہ ہو گئے۔ راستے میں صفاح نام ایک مقام پر ایک شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اُس سے پوچھا کوفہ والوں کا کیا حال ہے؟ اُس نے جواب دیا اُن لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنی امیہ کے ساتھ۔ امامؓ نے کہا ٹھیک ہے اب معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جو ہو گا ہم صبر و شکر کریں گے اور آگے بڑھ گئے۔

زرود یا ثعلبہ مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل قتل ہو گئے ہیں۔ لوگوں نے اس موقعہ پر بھی بہت سمجھایا کہ کوفہ میں حالات خطرناک ہیں واپسی ہی بہتر ہے لیکن مسلم بن عقیل کے عزیز جو ساتھ تھے سب کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم ہرگز اب واپس نہیں جائیں گے یا بھائی کا بدلہ لیں گے یا مر جائیں گے۔ امام حسینؓ نے تھوڑی دیر سوچا پھر کہا کہ "اِن کے بعد زندگی بیکار ہے"۔ تھوڑا آگے چلے تو بدوؤں کی ایک جماعت آملی لیکن جب امام حسینؓ نے صورت حالات سے اچھی طرح آگاہ کیا تو سب علیحدہ ہو گئے۔

صرف وہی رہ گئے جو مکہ سے ساتھ چلے تھے۔

(قادسیہ کے مقام سے تھوڑا آگے بڑھے تو اُدھر سے عبید اللہ بن زیاد والیٔ عراق کے عامل حصین بن نمیر تمیمی کی طرف سے حُر بن یزید ایک ہزار کی فوج کے ساتھ آ پہنچا۔ اُسے حکم ملا تھا کہ حسینؓ کے ساتھ ساتھ لگا رہے اور ابنِ زیاد کے پاس لے آئے۔ امام حسینؓ نمازِ ظہر کے وقت حُر کے سپاہیوں کے پاس آئے اور کہا کہ "لوگو! میں اپنی مرضی سے یہاں نہیں آیا۔ میرے پاس تمہارے خطوط موجود ہیں تمہارے قاصد بھی مجھے ملے، بار بار کوفہ آنے کی دعوت مجھے دی گئی، اگر معاملہ یہی ہے تو میں آگیا ہوں اگر ایسا نہیں ہے اور تم میری آمد سے ناخوش ہو تو میں وہیں واپس چلا جاتا ہوں جہاں سے آیا ہوں"۔ لیکن سب خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد نماز ہوئی دشمنوں نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی بلکہ عصر کی نماز سب نے مل کر امام حسینؓ کے پیچھے ادا کی۔ نمازِ عصر کے بعد پھر آپ نے خطبہ دیا اور کہا کہ "لوگو! اگر تم تقویٰ رکھتے ہو تو حقدار کا حق پہچانو، خدا اس سے خوش ہو گا۔ ہم اہلِ بیت ان مدعیوں سے زیادہ حکومت کے حقدار ہیں، یہ تم پر ظلم و ستم کرتے ہیں لیکن پھر بھی اگر تم ناپسند کرو اور اپنے خطوں اور وعدوں سے پھر جاؤ تو میں بخوشی واپس چلا جاتا ہوں۔"

حُر نے کہا کہ کن خطوں کا آپ ذکر کرتے ہیں؟ امامؑ کے حکم سے تھیلے انڈیل کر خطوں کا انبار لگا دیا گیا لیکن حُر نے کہا۔ ہم وہ نہیں جو خط لکھا کرتے تھے۔ ہمیں تو صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا دیں ہمیں لڑائی کا حکم نہیں ملا۔ امامؑ نے کہا "لیکن موت سے پہلے ناممکن ہے"۔ حُر نے کہا اب آپ واپس بھی نہیں جا سکتے اور اگر کوفہ بھی نہیں جانا چاہتے تو پھر ایک راستہ اختیار کر لیں جو نہ کوفہ جائے نہ مدینہ اس دوران میں ابنِ زیاد

کو اطلاع پہنچاتا ہوں ۔ امام حسینؓ اور حر میں تلخ کلامی ہو گئی لیکن حرؒ نے مرتبہ کا لحاظ رکھا اور کہا اگر چاہیں تو آپ بھی ابن زیاد کو لکھیں شاید میں امتحان سے بچ جاؤں آپ نے منظور کر لیا اور آگے بڑھے ۔ مقام بیضہ پر امامؓ نے یہ خطبہ

" لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ، جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے ، خدا کی قائم کردہ حدیں توڑتا ہے ، عہد الٰہی کی پرواہ نہیں کرتا ہے اور دیکھنے والا دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اس کی مخالفت کرتا ہے نہ اپنے قول سے ، تو خدا ایسے لوگوں کو اچھا ٹھکانا نہیں بخشے گا ۔ دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں رحمٰن سے سرکش ہو گئے ہیں ملک میں فساد پھیلایا ہے ، حدود الٰہی کو معطل کر دیا ہے ، مالِ غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے ، خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے ، میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حق دار ہوں ، تمہارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیغام بیعت لے کر پہنچے اور تم عہد کر چکے ہو کہ نہ تو مجھ سے بے وفائی کرو گے نہ مجھے دشمنوں کے حوالہ کرو گے ، اگر تم اپنی اس بیعت پہ قائم رہو تو یہ تمہارے لئے راہ ہدایت ہے کیوں کہ میں حسینؓ ابن علیؓ ، ابن فاطمہؓ اور رسولؐ کا نواسہ ہوں ۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ ، میرے بال بچے تمہارے بال بچوں کے ساتھ ہیں ، مجھے اپنا

نمونہ بناؤ اور مجھ سے گردن نہ موڑو، لیکن اگر تم ایسا نہ
کرو۔ اور اپنا عہد توڑ دو اور اپنی گردن سے میری بیعت
کا حلقہ نکال دو تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ تم میرے
باپ، بھائی اور عم زاد مسلم بن عقیل کے ساتھ ایسا ہی
کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ
کرے۔ لیکن یاد رکھو تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے
اور اب بھی اپنا ہی نقصان کرو گے۔ تم نے اپنا
حصہ کھو دیا، اپنی قسمت بگاڑ دی، جو بد عہدی
کرے گا خود اپنے خلاف بد عہدی کرے گا۔ السلام علیکم
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

پھر آپ عذیب الہجانات نامی مقام پر پہنچے تو چار آدمی کوفہ سے آئے
جن میں ایک طرماح بن عدی تھا۔ انہوں نے قیس بن مسہر کے قتل کی خبر دی
جس کو امامؓ نے بطور قاصد کوفہ بھیجا ہوا تھا۔ پھر طرماح بن عدی نے سارے
خطرات سے آگاہ کیا اور عرض کیا کہ اگر آپ میرے ساتھ چلیں تو میں آپ کو
اپنے علاقہ یمن میں لے چلوں گا جہاں بیس ہزار آدمی آپ کی حفاظت کریں گے
اور کوئی آنکھ اٹھا کر بھی آپ کی طرف دیکھ نہ سکے گا۔ امامؓ نے کہا لیکن ہم
ایک عہد کر چکے ہیں اس لئے مجبور ہیں خدا آپ کو نیک نیتی کی جزا دے۔
آگے قصر بن مقاتل نامی مقام پر آپ کو ذرا اونگھ آگئی، خواب میں دیکھا
کہ ایک سوار کہتا جا رہا ہے کہ "لوگ چلتے ہیں اور موت ان کے ساتھ چلتی ہے"
آپ سمجھ گئے کہ معاملہ خراب ہے اور اس کا موت ہی کی طرف اشارہ ہے،
آپ چونک پڑے اور بار بار اِنَّا لِلّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

پڑھا۔ اس پر آپ کے صاحبزادے نے جو علی الاکبر کے نام ولقب سے مشہور ہیں پوچھا کہ ابّا! یہ کیا ہے؟ آپ نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ بیٹے نے کہا اگر آپ حق پر ہیں تو پھر کوئی پرواہ نہیں۔ اگلی صبح چلنے لگے تو کوفہ سے ایک شخص آیا اور ایک خط جو ابن زیاد سے لایا تھا حُر کو پیش کیا مضمون یہ تھا:۔

"حسینؓ کو کہیں ٹکنے نہ دو۔ کھلے میدان کے سوا کہیں اترنے نہ پائے۔ قلعہ بند یا شاداب مقام پر پڑاؤ نہ ڈال سکے۔ میرا یہ قاصد تمہارے ساتھ رہے گا کہ تم میرے حکم کی تعمیل کیسے کرتے ہو۔"

حُر نے خط کا مضمون سُنا دیا اور کہا کہ اب تو میں آپ کو بے آب و گیاہ میدان میں ہی اُترنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔ آپ کے ایک ساتھی زہیر بن القین نے عرض کیا کہ بہتر ہے کہ حُر کے ساتھیوں سے جنگ ہو جائے کیونکہ یہ جنگ اس جنگ سے ہلکی ہوگی جو بعد میں کوفہ والوں کے ساتھ ہوگی لیکن امامؓ نے انکار کر دیا۔ پھر زہیر نے کہا کہ اُس سامنے کے گاؤں چلئے جو دریائے فرات کے کنارے پر ہے اُس کا نام عقر ہے۔ امام حسینؓ بولے نہیں جائیں گے عقر (یعنی بے ثمر و بے نتیجہ) سے خدا کی پناہ۔

اس کے بعد امام حسینؓ اپنے لوگوں کے ساتھ ایک دوسرے میدان میں اُترے جس کا نام "کربلا" تھا۔ آپ نے نام سُن کر فرمایا "یہ کرب (بےچینی) اور بلا (مصیبت۔ دکھ) ہے۔ میدانِ کربلا پانی سے کافی دُور تھا اور دریا اور اس کے درمیان ایک پہاڑی بھی حائل تھی۔ کربلا میں ورود ۲ محرم سن ۶۱ھ کو ہوا۔ دوسرے دن کوفہ سے ابنِ زیاد نے عمر بن سعد بن ابی وقاص کے ماتحت چار ہزار فوج بھیجی۔ عمر بن سعد آنا نہ چاہتے تھے مگر زبردستی بھیجا گیا۔ عمر بن سعد نے

آتے ہی امام حسینؓ سے کہا کہ آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟ امامؓ نے وہی جواب دیا جو حرؓ کو دے چکے تھے کہ "کوفہ کے لوگوں نے خود دعوت دی تھی اور اگر وہ ناپسند کرتے ہیں تو میں واپس لوٹ جاتا ہوں"۔ عمر بن سعد خوش ہوئے کہ شاید مصیبت ٹل جائے اور فوراً ابن زیاد کو خط لکھا لیکن جواب میں ابن زیاد نے کہا کہ "حسینؓ سے کہو کہ پہلے اپنے ساتھیوں سمیت یزید بن معاویہؓ کی بیعت کریں پھر ہم سوچیں گے کیا کریں اور حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو پانی تک ملنے نہ پائے جس طرح عثمانؓ بن عفان پانی سے محروم رہے تھے"۔

عمر بن سعد نے حکم کے مطابق پانچ سو سپاہی دریا پر بھیج دیئے کہ کہیں حسینؓ اور ان کے آدمی پانی نہ لے سکیں۔ امام حسینؓ نے اپنے سوتیلے بھائی عباس بن علیؓ کو جو بڑے بہادر تھے پچاس آدمیوں کے ساتھ پانی لینے کے لئے دریا پر بھیجا۔ وہاں پہنچے تو انہیں روکا گیا، زبردست معرکہ ہوا لیکن آپ بیس مشکیں پانی بھر لائے۔ اسی شام امام حسینؓ رات کے وقت عمر بن سعد کی فرمائش پر بیس سواروں سمیت نکلے اور اس سے تخلیہ میں ملے عمر بن سعد بھی بیس سواروں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ دیر تک خفیہ باتیں ہوتی رہیں لیکن مشہور یہ ہوا کہ امام حسینؓ نے عمر بن سعد کو کہا تھا کہ ہم دونوں اپنے اپنے ساتھی یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس چلتے ہیں اور معاملہ طے کرتے ہیں لیکن عمر بن سعد نے کہا کہ ایسا کرنے سے ابن زیاد میرا گھر ڈھا دے گا اور میری جائداد ضبط کرے گا۔ امامؓ نے فرمایا میں ذمہ دار ہوں۔ میں تجھے نیا گھر بنوا دوں گا اور حجاز میں سے جائیداد بھی دے دوں گا۔ مگر عمر بن سعد نہ مانا۔ اس کے بعد بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور حضرت حسینؓ نے تین شرطیں پیش کیں:

۱۔ مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں۔

۲۔ مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو
۳۔ مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو۔ وہاں کے لوگوں پر جو گزرتی ہے وہی مجھ پر بھی گزرے گی۔

عمر بن سعد نے خوشی خوشی یہ شرطیں ابن زیاد کو لکھ دیں۔ ابن زیاد نے پڑھیں تو خوش ہوا مگر شمر بن ذوالجوشن نے مخالفت کی اور کہا کہ حسینؓ قبضہ میں آ چکے ہیں بغیر اطاعت کے نکل گئے تو ہمارے لئے خطرہ کا باعث بنیں گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ انہیں قابو سے نہ نکلنے دیا جائے۔ ابن زیاد نے پھر رائے بدل لی اور شمر کے ہاتھ عمر بن سعد کو خط بھیجا کہ اگر حسینؓ معہ اپنے ساتھیوں کے ہمارے حوالہ کر دیں تو لڑائی نہ کی جائے اور اگر نہ مانیں تو جنگ کے سوا چارہ نہیں۔ شمر کو الگ ابن زیاد نے اطلاع دے دی کہ اگر عمر بن سعد میرا حکم پورا پورا مانیں تو درست ورنہ تجھے اجازت ہے کہ فوج کی کمان سنبھال لے اور حسینؓ کا سر کاٹ کر مجھے بھیج دے۔

شمر ذی الجوشن کی پھوپھی ام البنین بنت حزام حضرت علی رضؓ کی بیوی تھیں اور ان کے بطن سے عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان چار لڑکے تھے جو اس معرکے میں حضرت حسینؓ کے ساتھ تھے۔ اسی واسطے سے شمر حضرت حسینؓ کا ماموں زاد بھائی تھا۔ شمر نے ابن زیاد سے اپنے ان مذکورہ بالا چاروں بھائیوں کے لئے امان منظور کروائی تھی اور میدان میں کھڑے ہو کر کہنے لگا تم چاروں میرے بھائی ہو، میرے عزیز ہو میں نے تمہارے لئے سلامتی کا سامان کر لیا ہے۔ لیکن انہوں نے جواباً کہا "افسوس تم پر کہ ہمیں تو امان دیتے ہو اور فرزند رسولؐ کے لئے امان نہیں ہے"

پھر نماز عصر کے بعد کوفی لشکر میں حرکت ہوئی۔ امام حسینؓ نے فرمایا کہ

لشکر کو آج ٹال دیا جائے تاکہ آج رات اپنے رب کی خوب عبادت کریں چنانچہ لشکر واپس ہوا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب وقت آچکا ہے اور حسرت و ناامیدی کے سوا کچھ باقی نہیں لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تم لوگ میرے گھر والوں کو بھی لے کر واپس چلے جاؤ، رات کی تاریکی ہے ادھر ادھر چھپ کر اپنا راستہ لو لیکن تمام اصحاب نے وفاداری کا عہد کیا اور کہا کہ ہم آپ کے ساتھ ہی رہیں گے رات بھر امامؑ مشغول عبادت رہے اور حالات پر افسوس کرتے رہے۔ آپ کے الفاظ سن سن کر آپ کے گھر والے خصوصاً آپ کی بہن حضرت زینبؓ سخت بے چین ہو جاتیں، آپ انہیں حوصلہ دینے اور اللہ پر بھروسہ رکھنے کی نصیحت فرماتے صبح ہوئی تو امام حسینؓ بہتر۷۲ جاں نثاروں کی چھوٹی سی فوج لے کر نکلے، صفیں درست کیں اور اللہ کے حضور میں دعا کی۔ پھر آپ نے آخری بار دشمنوں کے سامنے تقریر فرمائی تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔ وہ لوگ وہی جواب دیتے جو پہلے کہہ چکے تھے۔ امام حسینؓ نے کہا "میں ذلیل ہو کر بیعت نہیں کر سکتا" پھر آپ کے جاں نثاروں نے تقریریں کیں لیکن دشمنوں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی، البتہ حُر بن یزید تمیمی بھاگ کر لشکر حسینؓ میں شامل ہو گیا اور حاضر ہو کر عرض کرنے لگا "ابن رسول اللہ! میں ہی وہ بدبخت ہوں جس نے آپ کو لوٹنے سے روکا، راستہ بھر آپ کا تعاقب کیا اور اس جگہ اُترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ لوگ آپ کی پیشکش منظور نہ کریں گے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں ہرگز اس حرکت کا مرتکب نہ ہوتا۔ میں نادم ہو کر توبہ کے لئے حاضر ہوا اور آپ کے قدموں پر قتل ہو جانا چاہتا ہوں۔ کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟" امام حسینؓ نے فرمایا "ہاں خدا تیری توبہ قبول کرے اور تجھے بخش دے"۔

اس کے بعد جنگ شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے تیر عمر بن سعد نے پھینکا

اور پھر تیر باری شروع ہو گئی۔ مبارزت کے لئے ایک ایک آدمی نکلتا۔ لشکرِ حسینؑ کے چند آدمی شہید ہوئے لیکن دوسری طرف بہت آدمی کام آئے۔ پھر عام حملہ شروع ہوا اور دوپہر تک سلسلہ چلتا رہا۔ اگرچہ ادھر بہتر اور ادھر چار ہزار کا مقابلہ تھا لیکن حسینی لشکر نے ان کے دانت کھٹے کر دیئے۔ دشمن نے کمک طلب کی۔ تھوڑی ہی دیر بعد کافی کمک پہنچ گئی جس کے آنے سے تیروں کی بوچھاڑ کرنے لگی حسینی لشکر کے گھوڑے بیکار ہو گئے اور پیادہ ہونا پڑا۔ حُر نے وہ شجاعت دکھائی کہ لوگ حیران تھے۔ شیر کی طرح حملہ کر رہے تھے۔ لڑائی پورے زوروں پر تھی۔ دشمن نے حسینی خیموں کو آگ لگادی۔ امام حسینؑ نے نماز پڑھنے کی مہلت مانگی کہ لڑائی کچھ دیر بند کر دی جائے لیکن دشمن نہ مانے۔ اس وقت تک عبداللہ بن عمیر کی بہادر بیوی اُم وہب، زہیر، حبیب اور حُر شہید ہو چکے تھے۔ اس کے بعد امام حسینؑ کے بڑے لڑکے علی اکبر شہید ہوئے اور کچھ اور لوگ بھی۔ پھر ایک ایک لڑکے باقی بھی کٹتے رہے اور آخر میں حضرت حسینؑ ابن علیؑ کی باری تھی۔ آپ تنہا میدان میں کھڑے تھے، دشمنوں میں سے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ آپ پر تلوار اٹھائے شمر بن ذوالجوشن نے اپنے لوگوں کو اُبھارا، پھر دشمن نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ اہل بیت کے خیمہ میں عورتیں اور چند کم سن لڑکے موجود تھے۔ اندر سے ایک بچے نے امام حسینؑ کو جب چاروں طرف سے گھرا ہوا دیکھا تو شیر کی طرح نکلا اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑا۔ حضرت زینبؓ نے دیکھ لیا اور دوڑ کر پکڑ لیا۔ ادھر حضرت حسینؑ نے بھی کہا کہ بہن اِسے آنے نہ دینا۔ مگر لڑکے نے زور سے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور امامؑ کے ساتھ آکھڑا ہوا۔ بحر بن کعب نے حملہ کے لئے تلوار اٹھائی تو لڑکے نے اسے ڈانٹا کہ خبیث میرے چچا کو قتل کرے گا۔ تلوار امامؑ کے بجائے لڑکے پر ماری گئی، لڑکے نے روکا لیکن ہاتھ کٹ کر لٹک گیا۔

لڑکی چلا اٹھی۔ امامؑ نے اُسے سینے سے لگا لیا اور فرمایا "صبر کرو! اللہ تجھے بھی
تیرے نیک بزرگوں کے پاس پہنچا دے گا۔" پھر ہر طرف سے آپ پر حملہ شروع
ہو گیا۔ آپ نے بھی تلوار چلائی۔ اکیلے جدھر جاتے دشمن بھاگ جاتے۔ عبداللہ بن
عمار جو خود جنگ میں شریک تھا روایت کرتا ہے "امامؑ شیر کی طرح حملہ کرتے
تھے اور لوگ بکریوں کی طرح بھاگ رہے تھے۔" آپ کو شدید پیاس لگی اور دریائے
فرات کی طرف بڑھنے لگے مگر ایک تیر آیا اور حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ سخت
نڈھال ہو گئے اور واپس لوٹنے لگے۔ دشمن نے پھر گھیر لیا۔ آپ نے فرمایا "اگر تم
میں دین نہیں، آخرت سے ڈرتے نہیں مگر دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو تاکہ
میرا خیمہ محفوظ رہے۔" شمر نے کہا آپ کا یہ حق پورا رہے گا۔ راوی کہتا ہے کہ اگر
دشمن چاہتا تو بہت دیر پہلے آپ کو قتل کر دیتا مگر ہر ایک اپنے سر نہیں
لینا چاہتا تھا۔ آخر شمر نے اپنے لوگوں کو ابھارا۔ زرعہ بن شریک نے [illegible]
آپ کی گردن اور ہاتھ پر وار کیے۔ آپ نڈھال ہو گئے۔ پھر لوگ جب سے
پیچھے ہٹ گئے تو سنان بن انس نے بڑھ کر نیزہ مارا۔ پھر آپ زمین پر گر گئے
پھر سنان نے ہی آپ کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا۔ قتل کے بعد دیکھا گیا آپ
کے جسم پر نیزے کے تینتیس ۳۳ زخم اور تلوار کے چونتیس ۳۴ گھاؤ لگے ہوئے تھے۔
یہ حادثہ کربلا ۱۰ محرم ۶۱ ہجری میں پیش آیا۔

قتل کے بعد امامؑ کے بدن کے کپڑے بھی اتار لیے گئے۔ پھر یہ لوگ
اہلِ بیت کے خیمہ کی طرف بڑھے۔ زین العابدین بستر پر بیمار لیٹے تھے
شمر نے ان کو بھی قتل کرنے کا خیال کیا لیکن باقی لوگوں نے مخالفت کی اور
اس دوران میں عمر بن سعد بھی آ پہنچا۔ اُس نے سب کو باز رہنے کا حکم دے
دیا۔ پھر عمر بن سعد کے حکم سے دس آدمیوں نے گھوڑے دوڑائے اور

امام حسینؓ کا جسم مبارک روند ڈالا۔ دوسرے دن کوفہ کی طرف روانگی سے پہلے حضرت زینبؓ نے امامؑ کی پامال لاش دیکھی تو آہ و فغاں سے آسمان سر پہ اٹھا لیا۔ ان کا رونا اور بین اس قدر دل سوز تھا کہ دوست دشمن سب کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں۔ کوفیوں نے تمام لاشوں کے سر کاٹ لیے تھے۔

امام حسینؓ کا سر مبارک جب ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو بھری مجلس میں اس نے آپؓ کے ہونٹوں پہ بار بار چھڑی ماری۔ زید بن ارقمؓ نے (بعض روایات میں ہے کہ حضرت انسؓ تھے) اٹھ کر کہا "ایسا نہ کر، خدا کی قسم ان ہونٹوں پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہونٹ رکھ کر بوسہ لیا کرتے تھے"۔ ابن زیاد نے انہیں برا بھلا کہا لیکن زید بن ارقمؓ روتے ہوئے مجلس سے باہر نکل گئے۔

پھر ابن زیاد اور اہلِ بیت کی گفتگو ہوئی جو سخت انداز اختیار کر گئی۔

ابن زیاد نے سوچا کہ زین العابدین کو قتل کر ڈالے مگر حضرت زینبؓ کی چیخ و پکار سے وہ کچھ متاثر ہوا اور انہیں چھوڑ دیا پھر اہلِ بیت کو یزید کے پاس بھیج دیا۔ یزید نے امام حسینؓ اور دوسرے لوگوں کے سر دیکھے تو بے اختیار رو پڑا اور کہا "اگر تم لوگ حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو بھی میں تم سے خوش ہو سکتا تھا، ابن سمیہ (ابن زیاد) پہ خدا کی لعنت! خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؓ سے ضرور درگذر کرتا۔ خدا حسینؓ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے"۔ مقتولوں کے سر یزید کے پاس پہلے پہنچ گئے تھے اس کے بعد اہلِ بیت بھی پہنچ گئے۔ یزید اہلِ بیت کی بری حالت دیکھ کر بڑا متاثر ہوا اور کہا کہ ابن مرجانہ کا بھلا نہ کرے اگر تم سے اس کا کوئی رشتہ ہوتا تو تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا اور اس حال میں تمہیں میرے پاس نہ بھیجتا"۔ پھر حضرت زینبؓ اور یزید کے درمیان کچھ تلخ گفتگو ہوئی۔ حضرت زینبؓ نے بڑی بے باکی سے یزید کو

بُرا بھلا کہا۔ یزید نے کچھ ضبط سے کام لیا پھر ان کو حرم شاہی میں بھیج دیا گیا۔ یزید کے گھر والوں نے جب اہلِ بیت کی یہ حالت دیکھی تو سب رونے اور ماتم کرنے لگے اور تین دن تک یہ سلسلہ رہا۔

یزید نے اہلِ بیت کے اُس سامان کے عوض دوگنا دے دیا جو کربلا میں کچھ لوگوں نے لوٹ لیا تھا۔ روزانہ کھانے پر زین العابدینؓ کو اپنے ساتھ بٹھاتا۔ اپنی مجلسوں میں اکثر کہا کرتا کہ "کیا حرج تھا اگر میں حسینؓ کو اپنے گھر میں رکھتا اور ان کے مطالبے پر غور کرتا۔ چاہے میری قوت میں کچھ کمی ہی ہو جاتی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور رشتہ داری کی حفاظت تو ہو جاتی۔ لعنت ابن مرجانہ پر، خدا کا غضب ابن مرجانہ پہ جس نے حسینؓ کو لڑائی پہ مجبور کیا اور ان کی تجاویز میں سے ایک نہ مانی"۔ پھر اہلِ بیت کو بڑے شریفانہ برتاؤ کے ساتھ واپس مدینہ روانہ کیا اور کہا کہ مجھے اپنی ہر ضرورت کی اطلاع دیتے رہنا۔ روانگی کے وقت فوجی دستے اور اپنے ایک معتبر آدمی کو ساتھ دیا۔ بعد میں حضرت سکینہؓ بنت حسینؓ کہا کرتی تھیں کہ "میں نے کبھی کوئی ناشکرا انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا"۔

واقعۂ کربلا کی اہمیت

بنی امیہ کی حکومت جبر و تشدد کی بنیاد پہ قائم ہوئی تھی اس لئے یہ اسلامی حکومت نہ تھی بلکہ ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی مشورہ یا اجماع اُمّت کو اس میں دخل نہ تھا بلکہ محض نجی اغراض اور سیاسی مقاصد کی بنا پہ اسلامی حریت و جمہوریت کو کچل ڈالا گیا اور ایک شخصی حکومت کو قائم کیا گیا تھا۔ اس صورتِ حال میں ضروری تھا کہ ان ظلم و ستم اور جبر و تشدد

کے مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جاتی اور حق کی راہ میں زبردست جہاد کیا جاتا۔ سید الشہداء حضرت امام حسینؓ نے ظالم حکومت کی اطاعت و وفاداری سے انکار کر دیا اور اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے بنی امیہ کے مظالم کے خلاف جہادِ حق کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ یہ ہمیشہ کے لئے ایک زندہ مذہبی تعلیم رہے گی کہ ہر ظالم و جابر حکومت کا اعلانیہ مقابلہ کیا جائے اور کبھی ایسی حکومت سے اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کی جائے جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت و حقوق کی غارت گر ہو اور جس کے احکام عدل و انصاف کے بجائے ظلم و ستم پر مبنی ہوں۔ اس سانحہ عظمیٰ سے یہ سبق بھی ملتا ہے ایسے مقابلے کے لئے قوت و شوکت اور ساز و سامان کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہئے بلکہ حق و صداقت کی راہ میں نتائج سے بے فکر ہو کر چلنا چاہئے اللہ پہ بھروسہ کر کے راہِ حق پہ بڑھتے رہنا چاہئے اللہ خود ہی کافی و کارساز ہو جاتا ہے۔ نیکوں کو نیکی کا صلہ مل کر ہی رہتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مظلومیت کا خون جس وقت بہتا ہے اُسی وقت اپنی معنوی فتح مندی حاصل کر لیتا ہے۔ سید الشہداء حضرت امام حسینؓ کی شہادت دراصل فتح مندی اور کامرانی کا پیغام تھی۔

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

امامؓ کی راہِ حق میں جاں نثاری، جسمِ مبارک کا زخموں سے نڈھال ہو کر لڑکھڑانا اور گر کر خاک و خون میں لت پت ہو جانا، تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہونا، سر تن سے جدا ہونا، لاش کا گھوڑوں تلے روندا جانا اور پھر سرِ مبارک کا ظالموں کی خوشنودی کے لئے پیش کرنا کیا یہ سب کچھ رائیگاں

اسکتا تھا۔ اس حادثۂ عظمیٰ نے انقلاب و تغیرات کی آگ بھڑکا دی اور
ظالموں کا ظلم اس آگ پر تیل کا کام کرتا رہا۔ پھر کوئی جگہ نہ تھی جہاں یہ آگ نہ
پہنچی اور ان فلک بوس شعلوں کو نہ مسلم بن عقبہ کا ظلم و تشدد روک سکا نہ
حجاج کی خونخواری اور نہ عبدالملک کی تدبیر و سیاست۔ یہ شعلے برابر اٹھتے
رہے اور ۱۳۲ھ میں تمام عالمِ اسلامی کے اندر کربلا کی تاریخ دہرائی گئی۔
تاج و تخت کے مالک خاک و خون میں تڑپے، ان کی لاشیں گھوڑوں تلے
پامال کی گئیں، مُردوں کی قبریں تک اُکھاڑیں اور ان کی ہڈیوں کو ذلیل و خوار
کیا۔ یہ سب کچھ محض ابراہیم عباسی کی دعوت اور ابو مسلم خراسانی کی خفیہ سازش
کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اس خون کا اعجاز تھا جو دریائے فرات کے کنارے بہایا
گیا تھا۔

اس اُسوۂ حسنہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جہادِ حق میں خوف و ہراس،
بھوک و پیاس، نقصانِ جان و مال، ہلاکتِ اولاد و اقارب سبھی چیزیں برداشت
کرنی پڑتی ہیں اس لئے اس راہ پہ قدم رکھنے سے پہلے اپنے آپ کو آزما
لینا چاہئے کہ چند قدم چل کر استقامت کو ہاتھ سے چھوڑ تو نہیں دیتا۔ اللہ
تعالیٰ نے اپنی آزمائشوں کا ذکر سورۂ بقرہ کی ۱۵۵ - ۱۵۶ آیات میں مندرجہ
ذیل الفاظ میں فرمایا ہے:

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائشوں میں ڈالے گا۔ وہ
حالتِ خوف و ہراس، بھوک اور پیاس، نقصانِ مال
و جان اور ہلاکتِ اولاد و اقارب میں مبتلا کر کے
تمہارے صبر و استقامت کو آزمائے گا۔ پس اللہ کی
طرف سے بشارت ہے اُن کے لئے جن کے ثبات

واستقامت کا یہ حال ہے کہ جب مصائب میں
مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے تمام معاملات کو اللہ کے
سپرد کر کے یہ کہتے ہیں کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ
رَاجِعُوْنَ "

سیّد الشہداء حضرت امام حسینؓ کے سامنے یہ ساری آزمائشیں ایک ایک کر کے آئیں، وہ چاہتے تو ایک پل میں ان تمام مصائب سے نجات حاصل کر سکتے تھے اگر وہ ظالم حکومت کی وفاداری کا عہد کر لیتے۔ لیکن انہوں نے حق و صداقت سے منہ نہیں موڑا، انتہائی پریشان کن حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور نفس کی مرضی پہ خدا کی مرضی کو ترجیح دے کر اپنے اور عزیز و اقرباء کے ٹکڑے کروا لیئے۔ بے شک یہ حق و صداقت، آزادی و حرّیت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان انسانی قربانی تھی جو صرف اس لئے ہوئی کہ پیروانِ اسلام کے لئے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے اور اس طرح حق و صداقت اور اثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لئے ایک قابل تقلید مثال قائم کر دے۔

یہ ہیں اس واقعۂ عظمیٰ کے مذہبی، اخلاقی اور سیاسی پہلو۔ فرزندِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل اور وہ بھی انسانیت سوز کوئی معمولی بات نہ تھی، اس سے عالمِ اسلام میں گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی اور بنی امیہ کے خلاف زبردست نفرت اور غصّہ کی لہر دوڑ گئی۔ مختلف تحریکیں پیدا ہو گئیں، خونریزیاں ہوئیں اور بالآخر ایک صدی کے بعد سلطنت بنی امیہ ختم ہو کے رہ گئی بلکہ امویوں سے اللہ نے وہ بدلہ لیا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ظالموں کو ظلم کا بدلہ مل کر ہی رہتا ہے۔

حجاز میں انقلاب و تباہی

حجاز میں اکثر لوگوں نے یزید کی بیعت تو کر لی تھی لیکن بادلِ ناخواستہ حضرت

امام حسینؓ کی شہادت سے حجاز کے لوگ بہت متاثر ہوئے اور اُن میں غیظ و غضب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ عبداللہ بن زبیرؓ تو پہلے ہی مخالف تھے اس واقعہ کے بعد انہوں نے اہل مکہ کو یزید کی مخالفت پر آمادہ کر لیا۔ یزید نے بڑی کوشش کی کہ اہل مکہ و مدینہ آرام سے بیٹھے رہیں اور اس سلسلے میں اس نے بہت سے لوگوں کو تحائف اور عطیے بھی دیئے لیکن سب بے سود عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت کا دعویٰ کیا۔ تمام اہل حجاز نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی صرف عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنیفہؒ نے بیعت نہ کی۔ ابن زبیرؓ کی بیعت کے بعد مدینہ سے تمام اموی حکام کو نکال دیا گیا۔ یزید کو معلوم ہوا تو اس نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار کی فوج دے کر مدینہ روانہ کیا اور یہ ہدایت کی کہ پہلے اہل مدینہ کو اطاعت کی دعوت دی جائے، انکار کریں تو تلوار استعمال کی جائے اور شکست دینے کے بعد تین دن تک مدینہ لوٹا جائے لیکن علی ابن حسینؓ زین العابدینؒ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔

خبر پا کر اہل مدینہ نے بھی جنگی انتظامات پورے کر لئے مسلم بن عقبہ نے مدینہ کے قریب پہنچ کر اہل مدینہ کو تین دن کی مہلت دی کہ سوچ سمجھ لیں لیکن تین دن بعد بھی اہلِ مدینہ جنگ پر ہی آمادہ تھے۔ چنانچہ بڑی خونریز جنگ ہوئی اور اہلِ مدینہ نے شکست کھائی۔ بہت سے اکابرین و شرفاء قتل ہو گئے۔ شامی فوجیں تین دن تک مدینہ کو لوٹتی رہیں۔ اس کے بعد بچے ہوئے لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی۔

Yazeed has been died:-

مدینہ کو فتح کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ نے مکہ کی راہ لی لیکن بیماری کی وجہ سے راستہ میں ہی فوت ہو گیا۔ حصین بن نمیر قائم مقام بنا اور شامی لشکر محرم ۶۴ھ کو مکہ پہنچ گیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور حرم میں پناہ گزین ہو گئے۔ شامی فوجوں نے محاصرہ کر لیا اور منجنیق سے پتھر پھینکے جس سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ اس دوران میں دمشق سے اطلاع آئی کہ یزید فوت ہو گیا ہے۔ حصین بن نمیر نے سوچا کہ یزید کے بعد بنی امیہ میں کوئی حوصلہ مند ایسا نہ تھا جو حکومت سنبھال لے۔ چنانچہ حصین نے عبداللہ بن زبیرؓ سے صلح کر لی اور کہا کہ آپ دمشق چلیئے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ سارا شام آپ کی بیعت کرے گا۔ عبداللہ بن زبیرؓ شجاع و بہادر تو بہت تھے لیکن معاملہ فہم اور سیاست دان نہ تھے انھوں نے شام جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہاں مکہ میں بیٹھ کر ہی بیعت لے سکتا ہوں۔ حصین بن نمیر نے کہا کہ یہاں کچھ نہیں ہو سکتا چنانچہ وہ فوج لے کر واپس شام چلا گیا۔

یزید کی فتوحات اور وفات

یزید نے اپنے عہد میں عقبہ بن نافع کو فوج دے کر افریقہ بھیجا جہاں رومیوں کو پے در پے شکستیں ہوئیں اور افریقہ کا بیشتر حصہ فتح کر لیا یہاں تک کہ بحر محیط (بحر ظلمات) کے ساحل تک پہنچ گیا۔ عقبہ بن نافع نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا اور جب تک پانی سر کے قریب نہ آ گیا واپس نہ لوٹا۔ پھر اللہ کے حضور میں کہا "یا اللہ اگر سمندر حائل نہ ہوتا تو جہاں تک زمین ملتی میں تیری راہ میں جہاد کرتا ہوا چلا جاتا"۔ واپسی پہ شہر قیروان کا ایک بربری سردار کسیلہ بھی عقبہ کے ساتھ تھا جو مسلمان ہو چکا تھا کسیلہ نے عقبہ کی کسی پہلی ترش کلامی کا بدلہ لینے کے لئے اُس سے بے وفائی کی اور جب عقبہ چند آدمیوں

کے ساتھ پیچھے پیچھے الگ آ رہا تھا تو کسیلہ نے رومیوں کے ساتھ مل کر حملہ کر دیا اور عقبہ اور سب آدمی مارے گئے۔ اس کے بعد پھر افریقہ میں کئی جگہ یہ بغاوت پھیل گئی۔

ترکستان پر بھی فوج کشی ہوئی لیکن صلح ہو گئی۔ بعض علاقے فتح ہوئے اور ترکیوں کی طرف سے خطرہ ختم ہو گیا انہوں نے بہت سا مال مسلمانوں کو دیدیا یزید ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ میں فوت ہوا۔ ۳۹ سال عمر پائی اور مدت حکومت پونے چار سال تھی۔

معاویہ ثانی بن یزید

یزید کی موت کے بعد اس کا نوجوان لڑکا معاویہ تخت نشین ہوا۔ اس کی عمر اکیس سال تھی۔ یہ بڑا نیک اور دیندار تھا۔ یزید کے زمانہ میں ہی حکومت کے حالات دیکھ دیکھ کر اس کے دل میں نفرت پیدا ہو چکی تھی تین مہینے کے بعد حکومت سے دست بردار ہو گیا اور ایک بڑے مجمع کے سامنے یہ تقریر کی:

"تم نے مجھے خلیفہ بنایا ہے لیکن میں اس کا بار اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ چاہتا تھا کہ ابوبکرؓ کی طرح کسی کو اپنا جانشین بنا دوں یا عمرؓ کی طرح چھ آدمیوں کو نامزد کر دوں تا کہ ان میں سے شوریٰ انتخاب کرے لیکن کسی کو ایسا نہیں پاتا۔ میں خود تو اس منصب سے دست بردار ہوتا ہوں تم لوگ جسے چاہو اپنا خلیفہ بنا لو۔"

اس کے بعد چند مہینے ہی گزرے تھے کہ معاویہ بن یزید نے وفات پائی۔ اس کی نیک نیتی پسندیدہ نظروں سے دیکھی گئی۔ امام حسنؓ کے بعد حکومت سے

دست برداری کی یہ دوسری مثال تھی۔

سوالات

۱۔ حادثۂ کربلا کے واقعات مختصر الفاظ میں بیان کرو، اور اس کے نتائج بھی قلم بند کرو۔

۲۔ شہادتِ حسینؓ کے مذہبی، اخلاقی اور سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالو تاکہ اس سانحۂ عظمیٰ کی اہمیت سامنے آجائے۔

۳۔ یزید کی سیاست اور ابن زیاد کی سفّاکی پر ایک مضمون لکھو۔

عبداللہ بن زبیرؓ اور مروان بن حکم

۶۴ھ تا ۷۳ھ   ۶۴ھ تا ۶۵ھ

عبداللہ بن زبیرؓ مشہور صحابی اور حواریٔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت زبیرؓ بن عوام کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ماں حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی بڑی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قربت کی بنا پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ میں بہت خوبیاں جمع تھیں۔ آپ کی پیدائش ہجرت کے بعد مدینہ میں سنہ ۲ھ میں ہوئی۔ ہجرت کے بعد کافی دیر تک مسلمانوں کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تھی، یہودیوں نے مشہور کر دیا کہ یہ ان کے جادو کا اثر ہے۔ عبداللہ بن زبیرؓ ہجرت کے بعد مسلمانوں میں پہلے بچے پیدا ہوئے اس لئے ان کی پیدائش سے تمام مسلمان بہت خوش تھے۔ تقریباً آٹھ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بچپن سے ہی بڑے شجاع اور حوصلہ مند تھے۔ جوان ہوئے تو کئی مہموں میں حصہ لیا۔ جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حمایت میں بڑی بہادری سے لڑے اور جسم پر چالیس سے زائد زخم کھائے۔

یزید اور معاویہ بن یزید کی وفات کے بعد حجاز اور مصر و شام کے تمام بڑے بڑے ممالک عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ تھے صرف اردن کے والی حسان بن بحدل ان کے ساتھ نہ ہوئے۔ بصرہ میں ابن زیاد نے اپنی خلافت کا

اعلان کیا لوگ باولِ نخواستہ ساتھ ہو گئے لیکن کوفہ والوں کی سخت مخالفت دیکھ کر بصرہ کے لوگ بھی علانیہ ابنِ زیاد کی مخالفت کرنے لگے یہاں تک کہ اُسے شام کی طرف بھاگ جانا پڑا۔ اس کے بھاگنے کے بعد کوفہ اور بصرہ کے لوگوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔

اس موقعہ پر جب کہ قریباً تمام دنیائے اسلام میں عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت تسلیم کر لی گئی تھی ابنِ زبیرؓ کی ایک سیاسی غلطی کی وجہ سے بنی امیہ کی اکھڑی ہوئی حکومت پھر سے قائم ہو گئی۔ مکہ اور مدینہ سے جب ابنِ زبیرؓ نے بنی امیہ کو نکال دیا تھا تو یزید کی موت کے بعد وہ پھر واپس لوٹ آئے تھے، یہ لوگ اس قدر پست ہمت ہو گئے تھے کہ خود مروان بن حکم نے ابنِ زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی آمادگی ظاہر کر دی لیکن ابنِ زبیرؓ نے بنی امیہ سے سخت نفرت ظاہر کی اور تمام بنی امیہ کو اور مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک کو جو چیچک میں مبتلا تھا مدینہ سے زبردستی نکال دیا۔ بعد میں عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی غلطی محسوس کی اور پیچھے آدمی دوڑائے لیکن وہ لوگ ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ شام پہنچ کر مروان نے دیکھا کہ اکثر لوگ ابنِ زبیرؓ کے حامی ہیں چنانچہ اُس نے پھر ابنِ زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کا ارادہ کیا لیکن اُدھر سے عبداللہ بن زیاد، بصرہ سے بھاگ کر پہنچ گیا۔ اُس نے مروان کو بیعت سے روکا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ بنی امیہ کے حامی اِدھر اُدھر سے مروان کے پاس پہنچنے شروع ہو گئے۔ اختلافات اور ہنگامے ہوئے، آخر بمشکل سے لوگوں نے مروان بن حکم کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ یزید کا بیٹا خالد کمسن تھا اس لیے اس کے حامی بھی وقتی طور پر مروان کے ہاتھ پر بیعت کر لینے پر آمادہ ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دمشق اور دوسرے علاقوں کے لوگ جو ابنِ زبیرؓ کے حامی تھے آہستہ آہستہ صورتِ حال بدلتی دیکھ کر خود بھی

بدل گئے لیکن جلد ہی پھر خلاف ہو گئے۔ مروان کے حامیوں اور ابنِ زبیرؓ کے حامیوں کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں اور بالآخر شام کا سارا علاقہ دوبارہ بنو امیہ کے قبضہ میں آ گیا۔ اس کے بعد مروان نے مصر پر چڑھائی کر دی، مصر کے لوگوں نے حالات کے پیشِ نظر مروان کی بیعت کر لی اور اس طرح مصر بھی ابنِ زبیرؓ کے ہاتھ سے نکل گیا۔

رمضان ۶۵ھ میں مروان اچانک فوت ہو گیا۔ اُس وقت اس کی عمر ۶۳ سال تھی اور مدتِ حکومت صرف نو مہینے۔

عبدالملک بن مروان

۶۵ھ تا ۸۵ھ

عبدالملک بن مروان بن حکم بنی امیہ کی دوسری شاخ بنی عاص سے تھا۔ اس کا دادا الحکم بن عاص حضرت عثمانؓ کا حقیقی چچا تھا جو فتح مکہ کے دن مجبوراً قریش کے ساتھ مسلمان ہوگیا اور اندرونی طور پر مسلمانوں کے راز دشمنانِ اسلام کو بتایا کرتا تھا اسی لئے حکم بن عاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں جلا وطن کر دیا تھا۔ آخری زمانہ میں حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم کی واپسی کی اجازت حاصل کر لی تھی اور اپنے عہد (عثمانی) میں اُسے مدینہ بلا لیا تھا اور حکم اور اس کے بیٹے مروان دونوں سے وہ بہت محبت کرتے تھے۔

عبدالملک ۲۶ھ ہجری میں پیدا ہوا اور ۳۹ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ باپ کی طائف کی جلا وطنی سے واپسی پر مدینہ ہی میں رہا اور اکابر مدینہ سے علم و فضل حاصل کیا اور نوعمری میں ہی فاضل لوگوں میں شمار ہونے لگا۔ یہ بڑا مدبر، مستقل مزاج اور شجاع تھا بلکہ مصائب و مشکلات میں اس کی شجاعت اور حوصلہ مندی اور زیادہ نمایاں نظر آتی تھی

خوارجین کی سرکوبی

عبدالملک کی تخت نشینی کے وقت تمام عالم اسلامی میں اضطراب کی حالت تھی۔ عراق میں

زبیری، شیعہ اور خوارج تین فرقے تھے جو سب بنی امیہ کے سخت خلاف تھے، حجاز میں عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت تھی۔ عبدالملک نے اپنی حکمت و دانش مندی اور مستقل مزاجی سے ان سب مہموں کو ایک ایک کر کے سر کر لیا۔ تخت نشینی کے فوراً بعد توابین نامی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ قصہ یہ تھا کہ کوفہ میں ایک بزرگ جو صحابی بھی تھے سلیمان بن صرد کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے ہی دراصل حضرت حسینؓ کو عراق بلانے کے لئے خطوط لکھوائے تھے، ان کا گھر شیعان علیؓ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ لیکن جب امام حسینؓ کوفہ کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے تو راستہ میں ہی شہید کر دیئے گئے اور یہ شیعان علیؓ آپ کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ اس بات پر ان کو سخت شرمندگی اور افسوس تھا۔ چنانچہ انھوں نے توابین (توبہ کرنے والے) نامی ایک جماعت بنائی اور عہد کیا کہ جب تک قاتلین حسینؓ سے انتقام نہیں لے لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ اس جماعت نے دراصل یزید کے زمانے سے انتقام کی تیاریاں شروع کر رکھی تھیں۔ مروان کے زمانہ حکومت میں یہ لوگ مضبوط قوت کے ساتھ نکلے، امام حسینؓ کے مزار کی زیارت کی اور شام کی طرف چلے گئے۔ عراق کی بعض مہموں میں عبداللہ بن زیاد خود شریک تھا اس سے توابین کا سامنا ہو گیا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ آخر توابین نے شکست کھائی اور ان کے سردار سلیمان بن صرد اور بہت سے دوسرے لوگ کام آئے۔ چھ ہزار کی تعداد میں سے صرف چھوٹی سی جماعت توابین کی بچی۔ یہ لوگ اگرچہ مروان کے عہد میں نکلے تھے لیکن ان کا خاتمہ عبدالملک کے عہد میں ہوا۔

مختار ثقفی | توابین کے بعد کوفہ میں ایک اور شخص مختار بن ابی عبید ثقفی

امام حسینؓ کے قتل کا انتقام لینے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اگرچہ ایک معمولی اور بے دین سا شخص تھا لیکن بڑا باہمت اور ذہین تھا۔ اُس نے ہر طرف بدنظمی دیکھ کر موقعہ سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ عبداللہ بن زبیرؓ کا چونکہ ہر طرف زور تھا اس لئے مختار ثقفی نے اُن پر اپنا اعتماد بٹھا لیا۔ اُدھر حضرت زین العابدینؒ سے سرپرستی کی درخواست بھی کر دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور عوام میں تقریر کی کہ یہ شخص گمراہ کن عقائد رکھتا ہے اس لئے اس کا ساتھ نہ دیا جائے، اہل بیت کی دعوت کو اس شخص نے محض دھوکا کے لئے آڑ بنا رکھا ہے۔ مختار نے اِن سے مایوس ہو کر حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہؒ کو سرپرستی کے لئے کہا حضرت زین العابدینؒ نے انہیں بھی روکا کہ یہ شخص دھوکے باز ہے اس کا ساتھ نہ دیجئے لیکن محمد بن حنفیہؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مشورہ لے کر سرپرستی قبول کر لی۔ اُدھر کوفہ میں مختار نے یہ مشہور کر دیا کہ محمد بن حنفیہؒ امام مہدی ہیں اور انھوں نے مجھے اس کام کے لئے مامور فرمایا ہے (یہ پہلا موقع تھا کہ امام مہدی کا لقب وجود میں آیا) اس کے علاوہ مختار نے اپنے متعلق نزولِ وحی کا دعویٰ کیا، خدا سے غلطی کے امکان کا عقیدہ ایجاد کیا وغیرہ وغیرہ کئی ایک گمراہ کن عقائد اختراع کئے۔ پھر اُس نے کوفہ کے ایک بڑے رئیس ابراہیم بن اشتر کو محمد بن حنفیہؒ کی طرف سے ایک جعلی خط دکھا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح مختار کے ساتھ شیعان علی بہت زیادہ مل گئے کیونکہ اِن سب نے محمد بن حنفیہؒ کو امام مہدی، وصی اور جانشین تسلیم کر لیا تھا۔ مختار کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر کوفہ کے والی عبداللہ بن مطیع نے جو ابنِ زبیرؓ کی طرف سے مقرر تھے اُسے روکنا چاہا۔ ابراہیم بن اشتر

نے کوفہ کے ایک پولیس افسر ایاس بن نضر کو بھی قتل کروا دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن مطیع والی کوفہ نے ابراہیم کی گرفتاری کرنی چاہی لیکن مختار کے آدمیوں نے بڑھ کر ابن مطیع کا محاصرہ کر لیا پھر جان بخشی کر کے چھوڑ دیا گیا لیکن سوائے بصرہ کے جو عبداللہ بن زبیرؓ کے تحت تھا مختار سارے عراق پہ قابض ہو گیا۔

اُدھر ابن زبیرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ اور محمد بن حنفیہ دونوں کو بیعت کرنے کے لیے کہلا بھیجا۔ ان کے انکار پہ ابن زبیرؓ نے انہیں زم زم کی چار دیواری میں قید کر لیا اور جلا ڈالنے کی دھمکی دی۔ مختار ثقفی کو اطلاع ملی تو اُس نے کچھ فوج اور چار لاکھ کی نذر ابن زبیرؓ کو بھیجی۔ مختار کی فوج نے ان کو قید سے نکالا۔

اس کے بعد مختار نے کوفہ میں اُن تمام لوگوں کا پتہ لگوایا جنہوں نے امام حسینؓ کی شہادت میں حصہ لیا تھا۔ اِن سب کو قتل کروا دیا اور ان کے مال ضبط کر لیے گئے۔ پھر کربلا کے واقعہ میں حصہ لینے والی شامی فوج سے بدلہ لینے کے لئے ایک بھاری اور مضبوط فوج روانہ کی۔ راستہ میں ابن زیاد سے مقابلہ ہوا جو عراق کی طرف آ رہا تھا۔ دونوں فوجوں میں زبردست معرکہ ہوا آخر ابن زیاد مارا گیا۔ چند دنوں میں ہی شمر ذی الجوشن، عمرو بن سعد، عبداللہ بن زیاد وغیرہ تمام کو چن چن کر قتل کر دیا۔ ابن زیاد کا سر کاٹ کر حضرت زین العابدینؒ کے ملاحظہ کے لئے مدینہ بھیج دیا۔ آپ نے دیکھا تو ہونٹوں پہ ہنسی آ گئی۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے مختار کی شورش کو ختم کرنے کے لئے اپنے بھائی مصعبؓ کو جو والی بصرہ تھے ایک بھاری فوج دے کر روانہ کیا۔ کوفہ سے باہر مقام مدار پر مصعب اور مختار کی فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔

آخر مختار بھاگ نکلا۔ مصعب نے تعاقب کیا اور کوفہ پہنچ کر مختار اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور مختار کا سر قلم کر کے ابن زبیرؓ کے پاس بھیج دیا۔ چنانچہ عراق پر پھر ابن زبیرؓ کا قبضہ ہو گیا۔

اُدھر عبدالملک سے عراق کے اکابر نے خط و کتابت شروع کر رکھی تھی عبدالملک نے ایسے سہارا سمجھ کر خود بھاری فوج کے ساتھ آیا اور مصعب کو شکست فاش دی اور مصعب قتل ہو گیا۔ پھر عبدالملک نے کوفہ کے لوگوں سے بیعت لی اور وہاں حاکم مقرر کیا۔

محاصرۂ مکّہ

عبدالملک نے عراق سے فارغ ہو کر ۷۲ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بھاری فوج دے کر مکّہ کی طرف بھیجا تاکہ حجاز کو مطیع کیا جائے۔ حجاج نے پہنچ کر مکہ کا محاصرہ کر لیا اور شہر پر پتھر برسائے کئی مہینوں تک محاصرہ رہا۔ آخر اہل مکہ تنگ آ کر امان لینے کے لیے حجاج کے پاس آنے لگے، محاصرہ کی طوالت سے کھانے پینے کی چیزیں نہایت مہنگی ہو گئیں حتیٰ کہ ایک وقت آیا کہ اہل مکہ کو گھوڑے ذبح کر کے کھانے پڑے۔ قریباً دس ہزار لوگ ابن زبیرؓ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج کے پاس آ گئے یہاں تک کہ ابن زبیرؓ کے دو بیٹے حمزہ اور حبیب بھی آ کر حجاج سے مل گئے۔ لیکن عبداللہ بن زبیرؓ برابر ڈٹے رہے۔

ابن زبیرؓ کی شہادت

آخر حالات سے تنگ آ کر ابن زبیرؓ اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس پہنچے اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا کہ سب مجھے چھوڑ گئے ہیں اگر میں اطاعت قبول کر لوں تو دشمن مجھے چھوڑ دے گا۔ حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:۔

"اگر تجھ کو یقین ہے کہ تو حق پر ہے تو بنی امیہ کی غلامی

قبول نہ کر اور جس راہ پہ تیرے ساتھیوں نے گردنیں
کٹوائی ہیں تو بھی اپنی جان دے دے۔ اور اگر
تو دنیا کے لئے لڑ رہا ہے تو نہایت بُرا کیا۔ اپنے
آپ کو بھی ہلاک کیا اور اپنے ساتھیوں کی جانیں
گنوائیں۔ اگر اپنے آپ کو حق پہ سمجھتے ہو لیکن
مددگاروں کی کمی کی وجہ سے دشمن سے دب جانا
چاہتے ہو تو یاد رکھو یہ شریفوں اور دینداروں کا
شیوہ نہیں ہے، تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے
جاؤ حق پہ جان دے دینا دنیا کی زندگی سے ہزار
درجہ بہتر ہے"

ابن زبیرؓ نے عرض کیا "ماں! مجھے خطرہ ہے کہ قتل کے بعد کہیں دشمن میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دے"! حضرت اسماءؓ نے فرمایا "بیٹا جب بکری ذبح ہوگئی تو کھال کھینچنے سے اس کو کیا تکلیف" بیٹے نے بڑھ کر والدہ کا سر چوم لیا اور کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ ماں نے بھی بیٹے کو گلے لگایا اور دعائیں دے کر رخصت کیا۔ اس کے بعد ابن زبیرؓ اپنے چند جانثاروں کو ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے بڑھے۔ بڑی بہادری، مردانگی اور شجاعت دکھائی لیکن شامی بہت زیادہ تھے اس لئے بالآخر شہید ہو گئے آپ کی شہادت ۷۳ھ میں ہوئی۔ حجاج سخت طبیعت رکھتا تھا اس نے ابن زبیرؓ کی لاش سولی پہ لٹکا دی۔ کئی دنوں بعد حضرت اسماءؓ ادھر سے گذریں اور لاش سولی پہ لٹکتی دیکھ کر فرمایا "ابھی تک یہ شہسوار گھوڑے سے اترا نہیں"! ایک دوسری روایت ہے کہ چند دن بعد حجاج نے لاش

حضرت اسماء رضہ کے پاس بھیج دی تھی۔

شہادت کے وقت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی عمر ۷۲ سال کی تھی اور مدت خلافت ۹ برس۔ آپ کی شہادت کے بعد عبدالملک کا کوئی حریف باقی نہ رہا چنانچہ وہ تنہا دنیائے اسلام کا حکمران بن گیا اور ۷۳ھ سے پھر خالص اموی حکومت شروع ہو گئی۔

حجاج بن یوسف

ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو حجاز کا حاکم مقرر کر دیا لیکن اہل عراق کی ریشہ دوانیاں اس حد تک بڑھ گئیں کہ جلد ہی اُسے حجاز سے منتقل کر کے بصرہ اور کوفہ کا والی مقرر کر دیا۔ حجاج صرف بارہ سواروں کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوا۔ سر پر سُرخ رنگ کا عمامہ تھا اور اسی کا ایک پلّو منہ پر باندھا ہوا تھا۔ سیدھا جامع مسجد میں پہنچا جہاں لوگ ہجوم کی شکل میں جمع ہو گئے۔ اہلِ کوفہ امراء کی تحقیر کے عادی ہو چکے تھے اس لئے بہت سے لوگ اپنے ہاتھوں میں کنکریاں پکڑ لائے تھے تاکہ تقریر کے دوران میں حجاج پر ماری جائیں حجاج نے منہ سے کپڑا کھولا اور مندرجہ ذیل تقریر کی :-

(خلاصہ) "لوگو! خدا کی قسم میں شر کا پورا پورا بدلہ دیتا ہوں۔ مجھے بہت سے سر نظر آ رہے ہیں جن کے کٹنے کا وقت آگیا ہے۔ مجھ کو تمہارے عمامے اور داڑھیاں دکھائی دے رہی ہیں جو خون سے شرابور ہونے والی ہیں۔ امیرالمومنین نے اپنے تیروں کو دیکھا اور جو سب سے سخت اور جگہ دوز تھا وہ تمہارے سینے کی طرف چلایا ہے۔ دیکھو میں وہی تیر ہوں میں تمہاری

سب شرارتیں بھلا دوں گا اور تمہارے سارے
بل نکال دوں گا۔ تم ایک مدت سے فتنہ و فساد کے
عادی چلے آ رہے ہو اب تم سیدھے ہو جاؤ اور
سر اطاعت خم کر دو ورنہ خدا کی قسم تم کو ذلت کا
پورا مزہ چکھاؤں گا، تمہاری کج روی درست کر دوں گا،
تمہیں لکڑی کی طرح چھیل دوں گا اور ببول کی ٹہنیوں
کی طرح جھاڑ ڈالوں گا۔ خدا کی قسم میں جو کہتا ہوں کر
دکھاتا ہوں۔ امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ تمہاری
تنخواہیں تقسیم کر دی جائیں اور تم لوگ مہلب بن ابی صفرہ
کے پاس خارجیوں کے مقابلہ میں پہنچ جاؤ۔ میں تو تقسیم
تنخواہ کے چوتھے دن اگر کوئی مہلب کے پاس نہ گیا
اور کوفہ میں نظر آیا تو اس کی گردن اڑا دوں گا اور
اُس کا گھر لوٹ لیا جائے گا۔"

یہ تقریر سن کر لوگ لرز گئے اور تیر اور کنکریاں ہاتھوں سے گر کر زمین پر جا پڑیں۔ پھر تنخواہیں تقسیم ہوئیں۔ لوگوں کا یہ حال تھا کہ تنخواہیں لے لے کر اپنے رشتہ داروں کے حوالہ کرتے تھے اور کہتے کہ ہم مہلب کے پاس جا رہے ہیں تم ہمارے سامان تیار کر کے وہیں پہنچ دینا۔ حجاج نے وہاں سے بصرہ جا کر بھی ایسی ہی تقریر کی۔ ایک شخص نے آ کر کہا میں بیمار رہتا ہوں اور سابق امیر بشیر بن مروان نے بھی مجھے فوجی خدمت سے معاف فرما دیا تھا آپ بھی معاف فرما دیں۔ حجاج نے اُسے اسی وقت قتل کروا دیا۔ اہلِ بصرہ خوفزدہ ہو گئے اور جلدی جلدی مہلب سے جا ملے۔

سیستان کا تمرکی فرمانروا رتبیل باغی ہوگیا۔ حجاج نے سنہ ۷۹ھ میں ہی
ید اللہ بن ابی بکرہ کو فوج دے کر روانہ کیا۔ رتبیل بہت سے مسلمانوں کو
ل کر چکا تھا۔ عبد اللہ نے جاتے ہی حملہ کر دیا اور اندرون ملک میں
ھس گیا۔ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کا بہت نقصان
ر دیا۔ حجاج کو علم ہوا تو اس نے عبد الرحمن بن اشعث کو چالیس ہزار کوفی
ر بصری فوج دے کر روانہ کیا۔ عبد الرحمن نے پہنچ کر جلد ہی بہت سا علاقہ
کر لیا پھر آرام سے بیٹھ گیا کہ باقی علاقہ اگلے سال فتح کریں گے۔ حجاج نے
ے لکھا کہ دشمن کے قلعے منہدم کر دو اور اسے سزا دو اور اگر یہ نہیں کر
سکتے تو اپنے بھتیجے اسحاق بن محمد بن اشعث کو سپہ سالاری دے کر خود
رے پاس واپس آجاؤ۔

فتنہ ابن اشعث

فتنہ ابن اشعث

حجاج کا خط جب سیستان پہنچا تو اہل فوج نے
جس میں سب عراقی شامل تھے حجاج کی مخالفت
روع کر دی کہ ہم اسے اپنا امیر نہیں مانتے۔ فوج نے عبد الرحمن بن اشعث
ے ہاتھ پر بیعت کر لی اور فیصلہ کیا کہ چل کر حجاج کو عراق سے نکال دیں
رس میں پہنچے تو عراقی کہنے لگے کہ جب حجاج ہمارا امیر نہیں رہا تو عبد الملک
ی ہمارا خلیفہ نہیں رہا۔ چنانچہ سب نے ابن اشعث کو اپنا خلیفہ تسلیم
ر لیا۔ حجاج کو معلوم ہوا تو اس نے عبد الملک کو اطلاع کر دی چنانچہ
ں سے فوجیں امداد کے لئے پہنچ گئیں۔ حجاج فوجوں کو لے کر ابن اشعث
مقابلہ کرنے کے لئے نکلا۔ عراقیوں نے حجاج کی فوج کے اگلے حصہ کو
کست دی۔ حجاج وہاں سے ہٹ کر مقام زاویہ میں آٹھہرا۔ عراقیوں
ے اس دوران رہ فتح کر لیا۔ پھر زاویہ میں مقابلہ ہوا اور بڑی خونریزی

جنگ ہوئی۔ پہلے شامیوں نے شکست کھائی لیکن حجاج کی ثابت قدمی کام آئی اور پھر عراقیوں کو شکست دے دی۔ عبد الرحمٰن کوفہ کی طرف بھاگ گیا۔ عبد الملک نے شام سے اپنے بھائی محمد بن مروان کو صلح کے لئے عراق بھیجا کہ اگر وہ رضامند ہوں تو حجاج کی جگہ اُسے حاکم مقرر کر دیا جائے لیکن عراقیوں نے کہا کہ ہم تجھے بھی خلیفہ نہیں مانتے۔ پھر حجاج اور محمد بن مروان دونوں کی فوجوں نے مل کر عبد الرحمٰن سے مقابلہ کیا۔ تین مہینے تک جنگ جاری رہی اور بالآخر عبد الرحمٰن نے شکست کھائی اور بھاگ کر رتبیل کے ہاں پناہ گزین ہوا۔ حجاج نے اعلان کیا کہ بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے جو پلٹ آئے اُسے امان ہے۔ پھر کوفیوں سے تجدید بیعت کرائی۔ ہر شخص کو پہلے کافر ہونے کا اقرار کراتا پھر بیعت لیتا۔ جو کافر ہونے کا اقرار نہ کرتا اُسے قتل کر دیتا تھا۔ پھر رتبیل کو لکھا کہ ہمارے مجرم عبد الرحمٰن کو ہمارے حوالہ کر دو ورنہ ہم وہاں آئیں گے لیکن عبد الرحمٰن نے یہ سُن کر مکان سے گر کر خودکشی کر لی۔

خوارج کا خاتمہ

خارجی بنی امیہ کے سخت مخالف تھے۔ عراق و فارس ان کا مرکز تھا۔ یہ دونوں علاقے ابن زبیر کی شہادت کے بعد عبد الملک کے قبضہ میں آ گئے۔ خوارج نے بڑے زور شور سے شورش برپا کر دی اور بڑی بہادری سے مدت تک لڑتے رہے۔ عبد الملک نے بھی مستقل مزاجی سے ان کا مقابلہ کیا۔ آخر بڑی دقت سے ان کا زور ٹوٹا۔ خوارج کی شورشوں کی تفصیلات بڑی لمبی ہیں یہاں صرف خلاصہ بیان کیا جائے گا۔

یزید کے زمانے میں جب شامی فوجوں نے مکہ کا محاصرہ کیا تو خوارج

کی ایک جماعت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس پہنچی کہ اگر آپ ہمارے ہم خیال ہو جائیں تو ہم آپ کی پوری امداد کریں گے۔ خوارج کے اس وفد کے سردار نجدہ بن عامر اور نافع بن ارزق تھے۔ یہ لوگ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ سب کو برا سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی ان سب کو برا سمجھیں لیکن ابن زبیرؓ نے ان سب کے حق میں کلمہ خیر کہا اور ان کی خوب تعریف کی۔ خوارج مایوس ہو گئے اور وہاں سے واپس ہو کر آدھے یمامہ کی طرف چلے گئے باقی نافع بن ارزق کے ساتھ اہواز پہنچ گئے اور وہاں سے خلیفہ کے عامل کو نکال کر خود قابض ہو گئے۔ اس کے بعد نجدہ بن عامر اور نافع بن ارزق دو سردارانِ خوارج کے درمیان مذہبی نظریات وعقاید میں اختلاف ہو گیا۔ پھر نافع نے فوج کشی کی اور بصرہ تک بڑھ گیا۔ اہلِ بصرہ کی دس ہزار فوج نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ اہلِ بصرہ بہت پریشان ہو گئے۔ ابنِ زبیرؓ نے حالات کا جائزہ لے کر مہلب بن ابی صفرہ کو خوارج کی سرکوبی کے لئے بھیجا مہلب نے پے در پے کئی حملے کیے اور خوارج کو پیچھے ہٹا کر اہواز تک پہنچا دیا۔ یہاں بھی مہلب نے بڑی شجاعت سے ان کو شکست دی اور بھگا دیا۔

ان دنوں ——— ابنِ زبیرؓ کی طرف سے ان کے بھائی مصعب بن زبیرؓ عراق کے والی مقرر ہو گئے۔ مصعب نے پہلے مہلب کو موصل کا حاکم بنا کر وہاں بھیج دیا لیکن ان کے جانے پر جب خارجیوں نے پھر شورشیں شروع کر دیں تو مصعب نے دوبارہ مہلب کو واپس بلا لیا۔ اسی دوران میں مصعب عبدالملک کی فوج سے لڑتے ہوئے قتل ہو گئے اور عراق پر عبدالملک قابض ہو گیا۔ پھر عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد مہلب

نے عبدالملک کی بیعت کر لی۔

۷۲ھ میں عبدالملک کے حکم سے خالد بن عبداللہ والی بصرہ مقرر ہوا۔ اس نے آتے ہی مہلب کو خوارج کے مقابلہ سے ہٹا کر اپنے بھائی عبدالعزیز کو خارجیوں کے خلاف بھیجا۔ اس دوران میں مہلب مال گزاری کے محکمہ میں منتقل کر دیئے گئے۔ مہلب کے پیچھے ہٹتے ہی خارجی پھر ابھر کر بڑھ گئے اور عبدالعزیز کو شکست دے کر اُسے قتل کر دیا۔ عبدالملک کو اطلاع پہنچی تو اُس نے خالد بن عبداللہ کو لکھا کہ تمہاری سیاسی غلطی سے یہ سب کچھ ہوا۔ مہلب تجربہ کار اور بہادر سپہ سالار تھے ان کو دوبارہ خارجیوں کی سرکوبی کے لیے مقرر کر دیا جائے۔ اس حکم کے ساتھ ہی عبدالملک نے اپنے بھائی بشر بن مروان والی کوفہ کو پانچ ہزار فوج خوارج کے مقابلہ کے لیے روانہ کرنے کے لیے لکھا۔ کوفہ سے بشر بن مروان کے حکم سے عبدالرحمٰن بن اشعث اپنے ساتھ پانچ ہزار فوج لے کر آ گئے۔ مہلب، خالد اور عبدالرحمٰن تینوں نے خوارج کے مقابلے میں مورچہ بندی کی مگر خوارج ڈر کر اہواز کے مقام سے بھاگ کر فارس پہنچ گئے۔

تھوڑے ہی عرصے بعد بحرین میں خارجیوں کا قبضہ ہو گیا تھا یہاں ابو فدیک سردارِ خوارج تھا۔ خالد بن عبداللہ والیٔ بصرہ نے ایک فوج بھیجی لیکن شکست کھائی۔ عبدالملک نے یہ دیکھ کر خالد کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ بشر بن مروان والیٔ کوفہ کو مقرر کیا اور حکم دیا کہ خارجیوں کی مہم بالکل مہلب کے سپرد کر دی جائے۔ بشر بن مروان مہلب کا یہ تقرر خود خلیفہ کی طرف سے پسند نہ کرتا تھا مگر مجبور تھا۔ اس نے بادلِ نخواستہ عبدالرحمٰن بن مخنف کو فوج دے کر مہلب کی امداد کے لیے روانہ کر دیا اور ساتھ ہی عبدالرحمٰن کے کان میں یہ بات ڈال دی

کہ میں تو تجھے سپہ سالار مقرر کرنا چاہتا تھا مگر خلیفہ نے بے سمجھے بوجھے یہ فیصلہ خود ہی کر دیا ہے اس لئے اب تم اپنی مرضی سے کام کرنا مہلب کی تابعداری کی ضرورت نہیں ہے۔ مہلب اس وقت رامہرمز کے مقام پر تھے۔ اس فوج کے آتے ہی جنگ کی تیاری شروع ہو گئی لیکن اُدھر سے بشر بن مروان کی موت کی خبر آ گئی۔ اس خبر سے کوفہ سے آئی ہوئی فوج بغیر لڑے لوٹ گئی۔ بشر کے نائب خالد بن عبداللہ نے اطلاع پا کر کوفی فوج کو روکا اور واپس رامہرمز چلے جانے کا حکم دیا لیکن فوج نے صاف انکار کر دیا اور خالد حیران کھڑے رہ گئے۔ کوفی فوج کی اس نافرمانی کا حال سن کر خلیفہ عبدالملک نے حجاز سے حجاج بن یوسف کو عراق کا والی مقرر کر کے بھیج دیا۔ حجاج نے (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) آتے ہی لوگوں کو ڈانٹا اور اس طرح کوفہ و بصرہ کے لوگ واپس مہلب کے پاس پہنچنے لگے۔

مہلب نے کرمان اور فارس میں دو سال تک خوارج کا مقابلہ کیا۔ آخر حجاج بن یوسف نے لکھا کہ بہت عرصہ گزر چکا ہے یہ مہم ختم ہونی چاہیئے۔ مہلب نے ساری فوج کو اکٹھا کیا اور اس کے سات دستے بنا کر اپنے ساتوں بیٹے ان کے امیر مقرر کر دیئے۔ خود مہلب ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گیا اور لڑائی شروع کروا دی۔ اٹھارہ مہینے تک یہ جنگ جاری رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آخر خارجیوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ان میں پھوٹ پڑ گئی اور دو فرقے ہو کر آپس میں خوب لڑے۔ ایک مہینہ لڑتے رہے آخر ایک فرقہ شکست کھا کر طبرستان کی طرف بھاگ گیا۔ مہلب اس دوران میں خاموش رہا، پھر مہلب نے دوسرے فرقے کی طرف اپنی فوج بڑھا دی اور ان سب کو قتل کر دیا۔

خارجیوں پر شان دار فتح پا کر مہلب واپس کوفہ آیا۔ حجاج نے شان دار استقبال کیا اور عظیم الشان دربار لگوا کر مہلب کو برابر بٹھا کر اس کی مدح میں قصیدے پڑھوائے اور انعام و اکرام سے نوازا۔ مہلب کے ساتوں بیٹوں کی تنخواہوں میں دو دو ہزار سالانہ کا اضافہ کر دیا۔

اس کے بعد حجاج نے خارجیوں کے دوسرے فرقے کے تعاقب میں برابر فوجیں بھیجیں۔ یہ خارجی ایک ہزار کے قریب تھے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتے رہے۔ ایک دن یہ خارجی کوفہ میں گھس آئے اور قتل و غارت کر کے دوسرے ہی دن بھاگ گئے لیکن نہ یہ پکڑے گئے اور نہ تعاقب ہو سکا۔ پھر حجاج نے دس ہزار فوج بھیجی خارجیوں نے انہیں بھی شکست دے دی اور دوبارہ کوفہ میں گھس آئے۔ یہاں چار ہزار شامی فوج جمع تھی اس نے گھیر کر تمام خارجیوں کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح خارجیوں کا بالکل قلع قمع ہو گیا۔

فتوحاتِ افریقہ

یزید کے عہد (۶۲ھ) میں جب عقبہ بن نافع شمالی افریقہ فتح کر کے واپس آ رہا تھا تو اس کے ایک بربری ساتھی نے جس کا نام کسیلہ تھا بڑی چالاکی سے رومیوں کے ساتھ مل کر عقبہ اور اس کے کچھ ساتھیوں کو قتل کر دیا تھا۔ قیروان کی اسلامی نوآبادی بھی خاموشی سے دن بسر کرتی رہی۔ یزید سے لے کر عبدالملک تک ایسے سیاسی انقلابات آتے رہے کہ افریقہ کی طرف خصوصی توجہ نہ دی جا سکی۔ ۶۹ھ میں جب عبدالملک بن مروان کو کچھ فرصت ملی تو اس نے زہیر بن قیس کی سرکردگی میں ایک زبردست فوج دے کر افریقہ بھیجا۔ زہیر قیروان پہنچا تو کسیلہ وہاں سے بھاگ کر ایک محفوظ جگہ ممش میں چلا گیا۔ چند ہی دن بعد زہیر نے معلوم کر کے کسیلہ کا تعاقب کیا۔ ممش کے قریب مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کے مقابلے میں بربری اور رومی متحد

تھے۔ بڑی خون ریز جنگ ہوئی اور آخر مسلمان کامیاب ہوئے کسیلہ اور کئی بڑے بڑے بربری اور رومی سردار مارے گئے۔

اس کے بعد زہیر قیروان سے ہوتے ہوئے برقہ لوٹ آیا جو مسلمانوں کا خاص مقام تھا لیکن رومیوں نے برقہ کو خالی سمجھ کر بڑی بھاری فوج کے ساتھ برقہ پر دھاوا بول دیا۔ زہیر کو رومیوں کی آمد کی اطلاع نہ تھی۔ اس لیے بغیر تیاری کے ادھر آ گئے تھے۔ بہرحال اپنے تھوڑے سے ساتھیوں کے ساتھ ڈٹ کر لڑے۔ رومی بہت زیادہ تھے اس لئے مقابلہ ناکام رہا اور زہیر اور اس کے ساتھی شہید ہو گئے۔ رومیوں نے برقہ کو خوب لوٹا اور پھر واپس قسطنطنیہ چلے گئے۔ عبدالملک کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اُسے بہت افسوس ہوا لیکن چونکہ خود عبداللہ بن زبیرؓ سے لڑائی میں مشغول تھا اس لئے تھوڑی دیر خاموش رہا۔

ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد ۷۲ھ میں عبدالملک نے ایک عظیم الشان لشکر چالیس ہزار کا مرتب کیا اور حسان بن نعمان غسانی کی قیادت میں افریقہ بھیجا اور مصر کے خزانہ کی کنجی اُسے ساتھ دے دی کہ جتنی دولت چاہے خرچ کرے مگر افریقہ فتح ہو جائے۔ حسان سب سے پہلے قیروان پہنچا اور وہاں سے شمالی افریقہ کی سب سے ممتاز حکومت قرطاجنہ پر حملہ کر دیا۔ قرطاجنہ میں رومی اور بربری بڑی تعداد میں جمع تھے۔ زبردست معرکہ ہوا۔ آخر رومی اور بربری بھاگ نکلے۔ حسان نے قرطاجنہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور رومیوں نے جو برقہ کو لوٹا تھا اس کا پورا بدلہ لیا۔ ادھر اُدھر جہاں بھی رومیوں اور بربریوں کی خبر ملتی حسان پہنچ کر ان کا سر کچل دیتا۔ اس کے بعد آرام کے لیے حسان کی فوج قیروان آ گئی۔

کچھ دن بعد حسان کو معلوم ہوا کہ جبل کے علاقہ میں ایک ملکہ دامیہ حکمران ہے جو کاہنہ کے لقب سے مشہور ہے اور شمالی افریقہ کے رومی اور بربری اس سے

کافی مشتاق تھیں اور یہ لوگ دامیہ کے اشاروں پہ ناچتے ہیں۔ حسان نے محسوس کیا کہ اگر یہ ملکہ ختم کر دی جائے تو افریقہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چین ہو جائے چنانچہ حسان نے فوج ساتھ لی جبل پہ حملہ آور ہوا۔ دامیہ مقابلہ کے لئے نکلی۔ زبردست معرکہ ہوا اور مسلمانوں نے نقصان کے ساتھ شکست کھائی۔ اس سے کئی اسلامی مقبوضات ہاتھ سے نکل گئے اور حسان برقہ چلے آئے۔ ادھر عبدالملک خوارج سے نبرد آزما تھا اس لئے فوری طور پہ کمک نہ بھیج سکا۔ ملکہ دامیہ پانچ سال تک حکمران رہی اور اس کے ظلم و ستم سے لوگ تنگ آ گئے تھے۔ ۷۴ھ میں جب عبدالملک نے خارجیوں کا خاتمہ کر دیا تو افریقہ کی طرف بھی توجہ کی اور حسان کو ایک بھاری فوج کی کمک بھیجی۔ ملکہ دامیہ کو حسان کے حملے کا پہلے سے پتہ چل گیا تو اس نے اس خیال سے کہ مسلمان مال و دولت کے بھوکے ہیں اپنے سب قلعے منہدم کروا دیئے اور ہرے بھرے کھیت اور وادیوں کو برباد کر دیا تاکہ ویران علاقے کا مسلمان رُخ نہ کریں۔ جبل کے لوگ بھی تباہ حال ہو گئے اس لئے ادھر اُدھر اچھے علاقوں کی طرف نکل گئے۔ ملکہ دامیہ نے پچھلی جنگ میں گرفتار مسلمانوں میں سے صرف ایک خالد بن یزید قیسی کو روک رکھا تھا اور اپنا بیٹا بنا لیا تھا حالانکہ اس کے دو بیٹے پہلے تھے۔ حسان کو خفیہ طور پہ خالد بن یزید نے اطلاع کر دی تھی کہ حالات سازگار ہیں اس لئے حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ حسان فوج لے کر حملہ آور ہوئے۔ ملکہ نے اپنے بیٹوں کو پہلے ہی حسان کے پاس بھیج دیا کہ اپنی جان بخشی کروا لو اور خود مقابلہ کے لئے نکلی۔ بڑا سخت مقابلہ ہوا لیکن ملکہ کو شکست ہوئی اور وہیں ماری گئی۔ اس شکست کے بعد بہت سے بربریوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حسان نے ملکہ دامیہ کے بیٹوں کو ان نو مسلم بربریوں پہ افسر مقرر کر دیا اور اس طرح افریقہ کو بغاوتوں سے پاک کر کے خود قیروان واپس پہنچ گیا۔

اہلِ روما (بیزنطینیوں) سے جنگیں

جس زمانہ میں عبدالملک مصعب بن زبیر سے مقابلہ کے لئے عراق جا رہا تھا رومیوں نے یکایک شام کے ساحلی علاقوں پر حملہ کر دیا۔ عبدالملک سمجھدار خلیفہ تھا مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر رومیوں سے صلح کر لی اور ایک ہزار دینار فی ہفتہ دینے پر رضامند ہو گیا۔ لیکن جوں ہی اُسے اندرونی ... سے نجات ملی اس نے رومیوں سے بدلہ لینے کی تیاری کر لی۔ قیساریہ کے ... پر رومیوں سے زبردست جنگ ہوئی اور مسلمان فتح مند ہوئے۔ پھر ۸۱ھ عبیداللہ بن عبداللہ نے قالیقلا کا علاقہ فتح کر لیا اور رومی بھاگ گئے۔ ۸۴ھ میں پھر عبیداللہ نے مصیصہ پر حملہ کیا اور رومیوں کو مار بھگایا۔ مصیصہ کی فتح کے بعد وہاں پہلی مرتبہ مسلمان آباد ہوئے۔ ایک قلعہ تعمیر کروایا گیا جس میں ۳۰۰ سو سپاہی رکھے گئے۔

عبدالملک کی اصلاحات

اسلامی سکّہ: عبدالملک کی اصلاحات میں اسلامی سکّہ کا اجراء سب سے ممتاز کارنامہ تھا۔ اس سے پہلے مسلمان رومی، ایرانی اور قبطی سکّوں کو استعمال میں لاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں (۱۸ھ) ایرانی درہم کے نمونے پر عربی درہم ڈھلوائے جن پر الحمدللہ، لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا نقش ہوتا تھا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ، امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی اپنے اپنے عہدوں میں یہ درہم ڈھلوائے۔ قصہ یہ تھا کہ عبدالملک کی طرف سے قیصرِ روم کے نام جو خطوط جاتے تھے اُن کے اوپر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر ہوتا تھا۔ قیصر روم نے عبدالملک کو لکھا کہ یہ ایک نیا طریقہ ہے جسے میں بالکل پسند نہیں کرتا اور اگر اسے بند نہ کیا گیا تو میں اپنے رومی دیناروں پہ تمہارے نبی کی شان کے خلاف الفاظ کندہ کراؤں گا۔ عبدالملک نے اس دھمکی کا جواب یوں دیا کہ اسلامی ممالک میں رومی سکہ کا داخلہ بند کر دیا اور نئے اسلامی سکے دینار ڈھلوائے۔ حجاج بن یوسف کی نگرانی میں عراق میں اسلامی ٹکسال قائم ہوئی۔ سمیر نامی ایک یہودی نے جعلی سکہ ڈھالا حجاج نے اُسے قتل کروا دیا۔ اسلامی دارالحکومت دمشق میں عبدالملک نے جو ٹکسال قائم کی اُس پہ ایک طرف قل ھو اللہ احد اور دوسری طرف لا الٰہ الا اللہ نقش ہوتا تھا اس کے علاوہ حاشیہ پہ ایک طرف تاریخ اور مقام اور دوسری طرف محمد رسول اللہ ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلّہٖ لکھا ہوا تھا۔

عربی زبان کی ترویج: عبدالملک کی دوسری شاندار اصلاح یہ تھی کہ اُس نے عربی زبان کو دفتری زبان قرار دیا۔ اس سے پہلے دفتروں میں فارسی اور رومی زبانیں رائج تھیں۔ عراق میں دفتری زبان فارسی تھی اور شام میں یونانی۔ عبدالملک نے حکم دیا کہ اب سے سرکاری اور دفتری زبان ہر جگہ عربی ہو گی اس طرح غیر عرب اسلامی ممالک میں بھی عربی زبان رائج ہو گئی اور عربی تہذیب و ادب بھی دوسرے ممالک میں عام ہونے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ غیر عرب ممالک میں بڑے بڑے سرکاری عہدوں پہ اہل عرب فائز ہونے لگے جو عربی زبان پہ قدرت رکھتے تھے۔ نیز اُس وقت عربی زبان میں ایک نقص یہ تھا کہ حروف پہ زبر زیر وغیرہ حرکات نہ دی تھیں چنانچہ اسی زمانہ میں متشابہ الفاظ مثلاً ب ت ث اور ج ح خ د ذ وغیرہ پہ مناسب حرکات لگا دی گئیں جن سے پڑھنے پڑھانے میں سہولت ہو گئی خصوصاً

غیر عرب لوگوں کو۔ رسم الخط کی اصلاح ہوتے ہی قرآن مجید کو بھی غیر عرب آسانی سے پڑھنے لگے۔

محکمۂ ڈاک میں وسعت: امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں برید کے نام سے محکمۂ ڈاک کا انتظام الگ کر دیا تھا۔ عبدالملک نے اپنے عہد میں اس محکمہ کو مزید وسعت دی۔ ایسا انتظام کر دیا کہ ہر علاقہ سے ڈاک اور اطلاعات برابر دارالخلافہ دمشق میں پہنچتی رہیں۔ اس طرح ایک تو لوگوں کو آپس میں حالات کی اطلاعات دینے کی سہولت بڑھ گئی اور دوسری طرف ہرکارے جہاں جہاں سے گزرتے سیاسی حالات کی خبر لے کر خلیفہ کو پہنچاتے۔

خانہ کعبہ کی مرمت: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خانہ کعبہ کو جو جنگوں میں پتھر پھینکنے کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا اُسے ٹھیک کرنے کے لئے گرا کر عمارت پھر سے تعمیر کروائی۔ یہ تعمیر بالکل اُس نقشہ کے مطابق تھی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں قریش نے کعبہ کی بوسیدہ حالت دیکھ کر ازسر نو تعمیر کر دیا تھا لیکن انہوں نے سرمایہ کی کمی کی وجہ سے تھوڑا سا حصہ چھوڑ دیا تھا جو اُسی طرح چلا آرہا تھا۔ ابن زبیرؓ نے یہ مکمل کروایا۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے تھوڑا پہلے جب حبشہ کے عیسائی بادشاہ ابرہہ اشرم نے مکہ کی مرکزیت کو ختم کرنے اور عیسائیت کو عام کرنے کی غرض سے چڑھائی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا، اُدھر حبشہ میں ابرہہ نے ایک بہت بڑا کنیسا (گرجا) بنوایا اور لوگوں کو مجبور کرتا کہ اُسے سب سے بڑا عبادت خانہ تسلیم کریں۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے اسی ابرہہ کے کنیسا کو گرا کر اس کے قیمتی پتھر اور عمارتی سامان کو مکہ لا کر خانہ کعبہ میں لگوایا۔ خلیفہ عبدالملک نے اپنے عہد میں حجاج کو حکم دیا اور اُس سے کعبہ کی

تعمیر پھر سے پرانے نقشہ کے مطابق کروائی ۔ نیز ہر سال دمشق سے کعبہ کے لئے ریشمی غلاف بھیجتا ۔

نئی تعمیرات : خلیفہ عبدالملک کے عہد میں کئی نئے شہر بسائے گئے ، کوفہ اور بصرہ کے درمیان واسط شہر تعمیر کروایا اور یہاں فوجی چھاؤنی قائم کی گئی بہت سے پرانے شہروں کی مرمت کروائی ۔ بہت سی نئی مسجدیں بنوائیں اور پرانی مسجدوں کی مرمت اور توسیع کی گئی ۔ سنہ ۶۷ھ میں جامع دمشق تعمیر کرائی ۔ جامع مصر کو بھی نئے سرے سے تعمیر کروایا ۔ سنہ ۸۰ھ میں مکہ میں بہت بڑا سیلاب آیا تھا جس سے مکہ کی کل آبادی کو نقصان پہنچا ۔ عبدالملک کے حکم سے سیلاب کے رُخ کی طرف تمام مکانات مضبوط کروا دیئے گئے اور بڑے بڑے بند بنائے گئے تاکہ سیلاب کا خطرہ نہ رہے ۔

ولید کی ولی عہدی !

ولید کی ولی عہدی

مروان بن حکم نے اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو ترتیب وار ولی عہد بنایا تھا ۔ عبدالملک چاہتے تھے کہ بھائی عبدالعزیز کی جگہ اپنے بیٹے ولید کو ولی عہد بنایا جائے ۔ عبدالملک نے اپنے سیکرٹری قبیصہ بن ذویب سے مشورہ لیا ، اُس نے کہا یہ ہرگز درست نہیں لوگ بدول ہو جائیں گے ۔ اتفاق سے چند دنوں بعد عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا ۔ اس کے بعد خلیفہ نے جلد ہی اپنے بیٹے ولید کو ولی عہد مقرر کر دیا اور سب لوگوں نے بیعت کی مگر مدینہ کے بزرگ تابعی حضرت سعید بن المسیب نے انکار کر دیا کہ میں ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے کی بیعت نہیں کر سکتا ۔ اس پہ حاکم مدینہ ہشام بن اسمٰعیل نے ابن مسیب کو کوڑے لگوائے اور قید کر دیا ۔ خلیفہ کو معلوم ہوا تو اس نے ہشام کو ڈانٹا اور کہا کہ ان سے کوئی خطرہ نہ تھا تم نے یہ حرکت کیوں کی اب ...

اُن کے ساتھ نیکی اور محبت سے پیش آؤ۔

وفاتِ عبدالملک

۱۵ شوال ۸۶ھ میں دمشق میں عبدالملک نے وفات پائی۔ عمر ۶۰ سال تھی اور مدت خلافت ۲۱ سال سے کچھ زیادہ۔ اُس نے بیٹوں کو جو وصیت لکھوائی اُس کا خلاصہ یہ ہے:

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ بہترین زیور اور سب سے محفوظ جائے پناہ ہے۔ چھوٹے بڑوں کا حق پہچانو۔ مسلمانوں کا خیال رکھنا اور اُن کی رائے پہ کام کرنا۔ حجاج کا احترام کرنا اُس نے تمہارے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ خطاکار معافی چاہے تو معاف کر دینا، خطا پہ اصرار کرے تو بدلہ دینا"

سوالات

۱۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سیرت پہ ایک ایسا مضمون لکھو جس سے ان کی سیاسی زندگی بھی واضح ہو جائے۔
۲۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی اُن سیاسی غلطیوں پر بحث کرو۔ جن کی وجہ سے وہ ایک اسلامی جمہوری حکومت قائم کرنے میں ناکام رہے۔
۳۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھو:

(الف) مروان بن حکم (ب) توابین

(ج) مصعب بن زبیرؓ (د) مہلب بن ابی صفرہ

۴۔ خلیفہ عبدالملک حکومت بنی امیہ کا اصل بانی سمجھا جاتا ہے یہ کہاں تک صحیح ہے؟
۵۔ خلیفہ عبدالملک کے عہد میں مختار ثقفی نے کیا کیا جوہر دکھائے اور آخر اس کا خاتمہ کیسے ہوا؟
۶۔ خلیفہ عبدالملک کی فتوحات بیان کرو۔
۷۔ خلیفہ عبدالملک کے عہد میں کیا کیا اصلاحات ہوئیں؟

ولید بن عبد الملک

۸۶ھ تا ۹۶ھ

ولید بن عبدالملک بن مروان کا بڑا لڑکا تھا۔ ۵۰ھ میں ولادہ بنت عباس کے بطن سے پیدا ہوا جو قبیلہ عبس سے تھی۔ بچپن سے ہی تعلیم کی طرف رغبت نہ تھی چنانچہ علم و فن سے بے بہرہ رہا مگر قدرتی طور پر ذہین اور اصول حکمرانی سے خوب واقف تھا۔ طبیعت ذرا سخت تھی۔ چونکہ باپ نے اپنی زندگی میں ہی ولید کی بیعت رعایا سے لے لی تھی۔ اس لئے باپ کی وفات کے فوراً بعد ۸۶ھ میں تخت نشین ہوا۔

اس کے باپ عبد الملک نے اپنے عہد میں سلطنت کی اندرونی شورش کو بالکل ختم کر دیا تھا اس لئے ولید کو تخت نشینی کے وقت سے ہی نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ بیرونی فتوحات اور اشاعتِ اسلام کا موقع ملا۔ اس لئے فتوحات اور اشاعتِ اسلام دونوں اعتبار سے ولید کا عہد بنی امیہ کے دور کا سنہری زمانہ سمجھا جاتا ہے۔

فتوحات

خوش قسمتی سے ولید کو چار نامور سپہ سالار اور فاتح مل گئے تھے جنہوں نے چین، ترکستان، سندھ اور سپین وغیرہ فتح کر کے اسلامی سلطنت کو بہت

وسعت دی۔ یہ کارہائے نمایاں قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر، محمد بن قاسم اور مسلمہ بن عبد الملک نے سرانجام دیئے۔ اب ہم ان چاروں سپہ سالاروں کی فتوحات الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

قتیبہ بن مسلم کی فتوحات
۱۔ چین و ترکستان

عبد الملک کے عہد میں مہلب اور اس کے ساتوں بیٹوں کے جنگی کارناموں نے خلیفہ کی حکومت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ مہلب کے بعد اس کے بیٹوں نے اسلامی حکومت کے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے جس سے اُن کا اقتدار و اثر روز بروز بڑھنے لگا۔ حجاج حاکم عراق نے ان کے اقتدار کو خطرے کی نگاہ سے دیکھا اور خلیفہ سے کہا کہ یہ مہلب کا خاندان عبد اللہ بن زبیرؓ کے خاندان میں سے ہے اس لئے مہلب کے بیٹے یزید کو خراسان کے ملک میں رکھنا مناسب نہیں۔ عبد الملک نے اس رائے سے اتفاق کر لیا اور ۸۵ھ میں یزید بن مہلب کو معزول کر کے اس کے بھائی مفضل بن مہلب کو خراسان کا والی مقرر کر دیا۔ مفضل نے بھی اپنے بھائی یزید کی طرح آس پاس فتوحات کیں اور کافی مالِ غنیمت ہاتھ آیا لیکن مفضل مالِ غنیمت سارے کا سارا لوگوں میں تقسیم کر دیا اور حکومت کے بیت المال میں کچھ جمع نہ کرواتا۔ ۸۶ھ میں حجاج نے مفضل کو بھی معزول کر دیا اور اس کی جگہ قتیبہ بن مسلم ایک مشہور فاتح کو مقرر کر دیا۔

قتیبہ بن مسلم نے خراسان پہنچتے ہی جہاد کی اہمیت پر ایک شاندار تقریر کی جس سے لوگ جان نثار کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ قتیبہ نے ترکستان پر چڑھائی کر دی۔ وہاں کئی حکمران چھوٹے چھوٹے علاقوں میں منقسم تھے اور ایک دوسرے کے سخت دشمن۔ قتیبہ کو ان کی باہم دشمنی بھی فائدہ دے گئی۔

قتیبہ نے دریائے جیجوں کو پار کیا تو صفانیاں (یا چغانیان یا صغانیان) کے حکمران نے اطاعت قبول کر لی اور تحائف وغیرہ پیش کیے۔ پھر آگے بڑھا تو شومان اور کفیان کے حکمرانوں نے بھی صلح کر لی۔ قتیبہ نے اپنے بھائی صالح کو نگرانی کے لیے ان علاقوں میں چھوڑ دیا اور خود واپس مرو آ گیا۔ حجاج کو معلوم ہوا تو اس نے قتیبہ کو لکھا کہ "لشکر چھوڑ کر واپس آ جانا اصولِ سپہ سالاری کے خلاف ہے۔ سپہ سالار کا کام یہ ہے کہ لشکر کشی کے وقت آگے رہے اور واپسی پر سب سے پیچھے"۔ اس پر قتیبہ پھر اپنے لشکر میں جا ملا۔ صالح نے قتیبہ کی غیر حاضری میں کاشان، فرغانہ اور خشیک وغیرہ علاقے فتح کر لیے تھے۔

۸۷ھ میں قتیبہ نے بادغیس کے حکمران نیزک کو لکھا کہ جو مسلمان تو نے قیدی بنا رکھے ہیں ان کو چھوڑ دو اور اطاعت قبول کر کے فوراً ہمارے پاس پہنچ جاؤ ورنہ انجام برا ہوگا۔ نیزک ڈر گیا اور مسلمان قیدیوں کو رہا کر کے خود قتیبہ کے پاس پہنچ گیا۔ قتیبہ نے صلح کر لی اور اسے واپس بھیج دیا کہ اب ہم تیرے علاقہ پر حملہ نہیں کریں گے۔

اسی سال قتیبہ دریائے جیجوں کو عبور کر کے بخارا کے علاقے میں داخل ہوا اور شہر بیکند پر حملہ آور ہوا۔ بیکند کے رئیس نے سغد اور قرب و جوار سے مدد لے کر قتیبہ کی فوج کے چاروں طرف سے راستے روک دیے۔ دو ماہ تک لڑائی رہی۔ حجاج کو معلوم ہوا تو اس نے قتیبہ کی کامیابی کے لیے دعائیں کرائیں۔ آخر مسلمانوں نے ایک دن زبردست حملہ کیا اور دشمن بھاگ کر قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمانوں نے قلعہ توڑنا شروع کیا تو انہوں نے صلح کی درخواست دے دی۔ قتیبہ نے صلح منظور کر لی اور ایک حاکم مقرر کر کے واپس لوٹا۔ ابھی راستہ میں تھے کہ اطلاع ملی کہ دشمن نے پھر بغاوت کر دی

ہے۔ قتیبہ واپس لوٹا بزورِ شمشیر فتح کر کے، بہت سا مال و دولت لے کر سب باغیوں کو قتل کروادیا۔

۸۸ھ میں قتیبہ نے نوشکث اور امشنہ کو فتح کیا لیکن واپسی میں راستے پر شاہِ چین کا بھتیجا دو لاکھ فوج لیئے کھڑا تھا۔ قتیبہ کے پاس فوج تھوڑی تھی مگر اس شجاعت سے حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اُکھڑنے لگے۔ ادھر بادغیس بھی فوج لے کر قتیبہ کی مدد کے لیئے آگیا۔ آخر دشمن بھاگ نکلا اور مسلمان فتح و نصرت سے واپس آئے۔

بخارا پر قبضہ :۔ اسی سال قتیبہ نے بخارا پہ دوبارہ چڑھائی کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ حجاج کو علم ہوا تو اُس نے نقشہ دیکھ کر ہدایات بھیجیں جن کے مطابق قتیبہ نے پھر حملہ کیا۔ ترک بڑی بہادری سے مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے اور اسلامی فوج کا ایک بڑا حصہ بھاگنے لگا لیکن مسلمان عورتیں جو شریکِ جنگ تھیں انھوں نے مسلمانوں کو غیرت دلائی اور مار مار کر ان کے گھوڑوں کو واپس جنگ کی طرف پھیر دیا۔ مسلمان پھر سنبھلے اور اس زور کا حملہ کیا کہ ترک بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے بخارا کو فتح کر لیا۔ یہ فتح دیکھ کر قرب و جوار کے علاقے بھی آپ سے آپ مطیع ہو گئے۔

بادغیس کا حکمران اب تک مسلمانوں کے ساتھ مددگار رہا تھا لیکن مسلمانوں کی روز افزوں ترقی دیکھ کر ڈرا اور قتیبہ سے اجازت لے کر واپس لوٹا۔ پھر اپنے آس پاس کے علاقوں کے رئیسوں کو ساتھ ملا کر علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ قتیبہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن مسلم کو بارہ ہزار کی فوج دے کر طخارستان بھیجا اور خود باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ بڑی مشکل اور دشواری سے نیزک پکڑا گیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ باقی باغیوں کو بھی ایک ایک کر کے ختم کیا۔

سمرقند کی فتح : اہل سمرقند سغدی کہلاتے تھے۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کے قدیم تعلقات و روابط تھے لیکن ترکستان کی جنگوں میں سغدیوں نے مسلمانوں سے بدعہدی کر کے ترکستان کے حکمرانوں کا ساتھ دیا۔ اسی لئے قتیبہ نے دوسری مہموں سے فارغ ہو کر سمرقند پر حملہ کر دیا۔ اس مہم میں مسلمانوں کے ساتھ ترکستان کے مقبوضہ علاقوں کے لوگ بھی امداد کے لئے شامل تھے۔ اسلامی حملے کی تاب نہ لا کر سمرقندی قلعہ بند ہو گئے اور ایک مہینہ تک مدافعت کرتے رہے جب محاصرہ کی مدت طویل ہو گئی تو سغدیوں نے آس پاس کے حکمرانوں کو لکھا کہ اگر آج اہل عرب ہم پر قابض ہو گئے تو کل تم پر بھی مسلط ہو جائیں گے اس لئے ہماری مدد کرو۔ چنانچہ تمام نے مل کر ایک بھاری فوج سمرقندیوں کی مدد کے لئے روانہ کی۔ قتیبہ کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے بھائی صالح کو کچھ فوج دے کر روکنے کے لئے بھیجا۔ صالح نے اچانک ان پر حملہ کر دیا جس سے وہ لوگ سخت نقصان کے ساتھ شکست کھا گئے۔ صالح مال غنیمت کے ساتھ واپس قتیبہ کے پاس آ گیا۔ اس شکست کے بعد سغدیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور مسلمانوں سے صلح کر لی۔ مسلمان سمرقند شہر میں داخل ہوئے۔ شہر میں ایک مسجد تعمیر کرائی گئی اور اس میں نماز پڑھی اور خطبہ دیا۔ اہل سمرقند بت پرست تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ جو کوئی ان بتوں کو ضرر پہنچائے گا خود تباہ و برباد ہو جائے گا۔ قتیبہ نے سارے بتوں کو توڑ دیا۔ پھر جب سغدیوں نے دیکھ لیا کہ بت ٹوٹنے سے بھی مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تو بہت سے لوگ آ کر مسلمان ہو گئے۔

شاہ چین کی اطاعت : چین کے بادشاہوں کا لقب خاقان تھا۔ مسلمانوں کے خلاف خاقان نے بھی سمرقندیوں کی مدد کے لئے ایک

بھاری فوج اپنے بیٹے کی سرکردگی میں بھیجی تھی۔ اس لئے قتیبہ نے چین پر بھی حملہ کرنے کی غرض سے تیاری کی۔ مجاہدین کے اہل و عیال کو حفاظت کے لئے سمرقند بھیج دیا۔ فرغانہ سے کاشغر تک پہاڑی رستہ صاف و درست کروا کر ایک تجربہ کار سردار کے تحت اسلامی لشکر آگے روانہ کیا۔ اسلامی فوج کاشغر فتح کر کے چین میں گھس گئی۔ خاقان اس جرأت سے گھبرا گیا اور قتیبہ کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ اپنا ایک وفد بھیجو جس کے ساتھ گفتگو کر کے میں کوئی فیصلہ کر سکوں۔ چنانچہ قتیبہ نے ہبیرہ بن مشرح کلابی کو چند اور آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ آخر خاقان نے وفد سے کہا کہ "بہتر ہے تم واپس چلے جاؤ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تمہاری فوج ہلکی ہے اور میری فوج اس کو کچل کر رکھ دے گی"۔ ہبیرہ نے جواب دیا "اے خاقان! ہماری فوج کیسے کم ہو سکتی ہے جس کا ایک سرا چین میں ہے اور دوسرا سرا شام کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ باقی رہا موت کا مسئلہ تو اس کا وقت معین ہے اگر میدانِ جنگ میں آ جائے تو سب سے بہتر ہے"۔ خاقان اس جواب سے گھبرا اٹھا اور کہا کہ "مصالحت کی کیا شرائط ہیں؟" ہبیرہ نے کہا "ہمارا سپہ سالار قسم کھا چکا ہے کہ جب تک تمہاری زمین کو روند نہ ڈالے گا اور جزیہ وصول نہ کر لے گا اس وقت تک واپس نہ جائے گا"۔ خاقان مسلمانوں کی فتوحات کی شہرت سن چکا تھا بہت سے تحائف اور مال قتیبہ کے پاس بھیج دیا۔ جزیہ بھی دیا اور اطاعت قبول کر لی چنانچہ قتیبہ واپس لوٹ آیا۔

موسیٰ بن نصیر کی فتوحاتِ اندلس

ولید نے اپنے عہد میں افریقیہ کے والی حسان کو معزول کر کے موسیٰ بن نصیر کو والی مقرر کر دیا۔ ولید کے باپ عبدالملک بن

بن مروان کے زمانے میں تمام براعظم افریقہ فتح ہو چکا تھا اور قیروان اس کا صدر مقام تھا۔

افریقہ کے سامنے یورپ کے جنوب مغربی حصہ میں ایک جزیرہ نما ہے جو اس زمانہ میں اندلس (سپین) کہلاتا تھا۔ اندلس اور افریقہ کے درمیان دس میل چوڑا سمندر حائل ہے۔ اندلس کا ملک نہایت سرسبز و شاداب، زرخیز اور آب و ہوا کے اعتبار سے اعلیٰ ترین علاقہ ہے اور قیمتی دھاتوں کی کانیں بھی بہت پائی جاتی ہیں یہی وجہ تھی کہ اس ملک پہ اکثر حملے ہوتے رہتے اور فاتح لوٹ کھسوٹ کر کے واپس چلے جاتے اور وہاں قبضہ جما جاتے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں وہاں گاتھ قوم حکمران تھی۔ ملک کی حالت نہایت ابتر تھی۔ غلامی عام تھی اور غلام جانوروں سے بھی بدتر تھے جو بغیر آقاؤں کی مرضی کے شادی بھی نہیں کر سکتے تھے۔ غلام دن رات خون پسینہ ایک کر کے دولت کماتے اور وہ دولت آقاؤں کی عیش پرستی میں صرف ہوتی تھی۔ عوام پہ بھاری ٹیکس لگے ہوئے تھے۔ امراء کے محل اور پادریوں کی خانقاہیں حسین ترین عورتوں سے بھری ہوئی تھیں۔ پادریوں کا بڑا اثر و رسوخ تھا وہ چاہتے تو بادشاہ کو بھی تخت سے اتار سکتے تھے۔ یہودیوں کی حالت بہت ہی قابلِ رحم تھی۔ ان کی تمام جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور انہیں بامشقت غلامی کی سزا دی گئی تھی۔ عوام سخت تنگ آ کر کبھی کبھی بغاوت بھی کر دیتے لیکن بادشاہ طاقت سے انہیں دبا دیتا۔ اس زمانے میں اندلس کا بادشاہ کا نام وٹیزا تھا۔ وٹیزا نے کچھ اصلاحات نافذ کرنی چاہیں لیکن پادریوں نے بہو نوازی کے جرم میں بادشاہ کو تخت سے اتار دیا اور اس کی جگہ رذریق کو بادشاہ بنایا۔ اندلس کے قریب ترین افریقہ کا علاقہ مراکش ہے۔ مراکش کے شمالی سرے

پہ ایک قلعہ سبتہ پر ایک یونانی سردار بولیان کا قبضہ تھا۔ یہ سبتہ کا قلعہ دراصل روم کے تخت کا تھا لیکن جب رومی حکومت کا افریقہ سے خاتمہ ہو گیا تو اس کا تعلق اندلس کی عیسائی حکومت سے ہو گیا تھا چنانچہ بولیان اندلس کے رؤسا میں شمار ہوتا تھا اور بادشاہ وٹیزا نے اپنی بیٹی کی شادی بولیان سے کر دی تھی۔ دستور کے مطابق رؤساء کی اولاد اندلس کے بادشاہ کے محلات میں پرورش پاتی تھی تاکہ ان کو شاہی تربیت ملے مگر اصل میں معاملہ یہ تھا کہ بادشاہ جس خوبصورت لڑکی کو چاہے اپنی بیوی یا داشتہ بنا لے۔ چنانچہ بولیان کی نہایت حسین بیٹی فلورنڈا بھی رذریق کے محل میں جوان ہوئی اور ایک دن رذریق نے اس کے دامن عصمت کو بھی داغدار کر دیا۔ فلورنڈا نے اپنے باپ کو اطلاع دی کہ جس طرح ممکن ہو مجھے اس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤ۔ باپ غصہ سے بے تاب ہو گیا اور رذریق کے دربار میں پہنچ کر غصہ کو دانش مندی سے چھپا لیا اور کہا کہ فلورنڈا کی ماں سخت بیمار ہے اس لئے اسے کچھ دیر کے لئے اس کے پاس جانا چاہیے۔ رذریق معاملہ کی تہ کو نہ پہنچ سکا اس لئے اجازت دے دی اور رخصتی کے وقت باپ بیٹی کو مال و دولت بھی دیا۔ اندلس سے باپ بیٹی سبتہ پہنچے پھر بولیان افریقہ کے اسلامی دارالحکومت قیروان میں آیا اور موسیٰ بن نصیر کو سارا قصہ کہہ سنایا اور درخواست کی کہ وہ اندلس پر حملہ کر کے اسے تہ و بالا کر دے۔ بولیان نے کہا اندلس وہ مقام ہے جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔ رہنمائی اور جہازوں کی فراہمی کی ذمہ داری بھی بولیان نے اپنے سر لے لی۔

موسیٰ بن نصیر یہ قصہ سن کر غصہ سے بھڑک گیا اور خلیفہ ولید کو لکھا کہ اسے اندلس پر حملہ کی اجازت دی جائے۔ ولید نے لکھا کہ پہلے ایک

فوجی دستہ بھیج کر حالات کا جائزہ لو پھر حملہ کرو۔ چنانچہ موسیٰ نے ایک فوجی دستہ چار سو سپاہیوں کا یولیان کے ساتھ اندلس روانہ کر دیا۔ اس دستے کا سردار ظریف نامی ایک شخص تھا۔ یہ فوجی دستہ جلد واپس آ گیا اور اپنے ساتھ بہت سامان غنیمت بھی لایا۔ ظریف نے موسیٰ بن نصیر کو اطلاع دی کہ اندلس پر قبضہ نہایت آسان ہے جلدی کیجیے۔

طارق بن زیاد اندلس میں : موسیٰ بن نصیر نے اپنے نامور سپہ سالار طارق بن زیاد کو سات ہزار کا لشکر دے کر اندلس روانہ کیا۔ طارق سمندر پار کر کے اندلس کی اس ساحلی چٹان پر اترا جسے بعد میں "جبل الطارق" کہنے لگے اور کچھ دیر بعد "جبرالٹر" کے نام سے موسوم ہوئی۔ طارق نے ساحل پر اترتے ہی سب سے پہلے اپنی ان کشتیوں کو جلا ڈالا جن پر اسلامی فوج چڑھ کر اندلس آئی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کے سامنے فتح یا شہادت کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہ رہا۔ اتفاق سے رذیق کا ایک سپہ سالار تدمیر (تھیوڈومر) ایک بھاری فوج کے ساتھ قریب ہی اترا ہوا تھا اس نے اطلاع پا کر اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا لیکن مسلمانوں نے اس کی وہ درگت بنائی کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلا اور جا کر رذیق کو ان الفاظ میں اطلاع دی :

> "اے بادشاہ! ہمارے ملک پر ایسے آدمیوں نے حملہ کیا ہے کہ نہ میں ان کا نام جانتا ہوں اور نہ وطن نہ اصل و نسل۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں سے آ گئے ہیں، آسمان سے گرے ہیں یا زمین سے نکل آئے ہیں۔"

شاہ رذیق نے فوراً فوجوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ ادھر اس دوران

میں طارق بن زیاد پیش قدمی کرکے برابر بڑھتا رہا اور الجزائر وغیرہ فتح کرکے
وادئ لکہ میں پہنچ گیا۔ رذریق بھی بھاری فوج لے کر مقابلہ پر آ کھڑا ہوا۔
طارق نے موسیٰ بن نصیر سے فوجی کمک مانگی ہوئی تھی، پانچ ہزار کی فوج
اور آ گئی اور کل بارہ ہزار ہو گئی۔ اسلامی فوجوں کے سامنے طارق بن زیاد
نے ایک شاندار تقریر کی جس سے ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ اُدھر اندلسی
فوج میں حرکت ہوئی۔ آخر دریائے گوڈالٹ کے کنارے پر دونوں فوجیں ٹکرا
گئیں۔ اسلامی فوج نے اس شدت سے حملہ کیا کہ عیسائی بھاگنے لگے اور
اس قدر گھبرائے کہ بہت سے قتل ہوئے اور باقی بیشتر دریا میں گر کر ہلاک ہو
گئے شاہ رذریق بھی بھاگتا ہوا دریا میں گرا اور ڈوب کر مر گیا۔ اس قدر مالِ
غنیمت ہاتھ آیا کہ اندازہ نہ ہوتا تھا، گھوڑے ہی اتنے تھے کہ ساری اسلا
فوج کے لئے کافی ہو گئے۔ طارق نے موسیٰ بن نصیر کو فتح کی خوشخبری بھیجی
موسیٰ نے لکھا کہ ابھی پیش قدمی نہ کرنا میں خود آ رہا ہوں۔

طارق نے سردارانِ فوج سے کہا کہ موسیٰ بن نصیر کا یہ حکم ہے کہ
میرے آنے سے پہلے پیش قدمی نہ کی جائے تمہارا کیا مشورہ ہے؟ سب نے
کہا کہ عیسائی گھبرائے ہوئے ہیں اس لئے پیش قدمی نہ روکی جائے تو بہتر ہے
چنانچہ طارق نے فوج کے مختلف حصے کر کے چاروں طرف پھیلا دیئے
اور خود بھی ایک دستے کے ساتھ اندلس کے دارالحکومت کی طرف
بڑھا۔ سب دستوں کو فتح و نصرت حاصل ہوئی اور قرطبہ، مالقہ اور ریز
کے علاقے فتح ہو گئے۔ اسی دوران میں (۹۲) موسیٰ بن نصیر بھی ایک
بھاری فوج لے کر اندلس کے ساحل پر آ پہنچا۔ اس کے بعد موسیٰ اور طا
نے مل کر اندلس کے باقی علاقے بھی فتح کر لئے۔ موسیٰ نے ارادہ کیا

وسط یورپ سے گزرتا ہوا قسطنطنیہ فتح کرے لیکن خلیفہ ولید نے راستہ کی دشواریوں کے پیش نظر اجازت نہ دی اس لیے موسیٰ واپس افریقہ آ گیا اور بہت سے تحائف اور مال لے کر ولید کی خدمت میں حاضر ہوا۔

محمد بن قاسم کی فتوحاتِ سندھ

سندھ اور ایران ایک ساتھ ملے ہونے کی وجہ سے ساسانیوں اور سندھیوں میں گہرے مراسم تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایران کی مہمات میں سندھی فوجیں بھی ایرانیوں کا ساتھ دیتی تھیں۔ ایران فتح ہو گیا تو بہت سے ایرانی سردار سندھ میں جا بسے اور کچھ عرب سردار بھی باغی ہو کر سندھ میں چلے گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ یہ لوگ زیادہ تر مکران اور کرمان میں آباد تھے جو سندھ میں واقع ہیں۔

ولید بن عبدالملک کے عہد میں ایک واقعہ یہ ہوا کہ جزیرہ سراندیپ (لنکا) میں کچھ مسلمان تاجر آباد تھے۔ اُن میں سے ایک با اثر تاجر فوت ہو گیا۔ راجہ سراندیپ نیک دل تھا اُس نے مرحوم کی بیوی بچوں کو ایک جہاز میں بیٹھا کر عرب روانہ کر دیا۔ اور قیمتی تحائف بھی ولید کو پیش کرنے کے لیے ساتھ دے دیئے۔ راستہ میں دیبل کے مقام پہ راجہ داہر کے سپاہیوں نے جہاز پہ حملہ کر دیا اور مال و متاع لوٹ کر عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔ اس مصیبت میں ایک مسلمان عورت کے منہ سے فریاد نکلی "اے حجاج مدد کرو" حجاج کو اطلاع پہنچ گئی تو اُس نے کہا "ٹھہرو! میں ابھی مدد کو آتا ہوں"۔

حجاج نے پہلے راجہ داہر کو لکھا کہ ہماری عورتوں اور بچوں کو واپس کر دو۔ داہر نے جواب دیا یہ کام بحری قزاقوں (لٹیروں) کا تھا اس لیے میں کچھ نہیں کر سکتا تم خود آ کر چھڑا لو۔ چنانچہ حجاج نے خلیفہ ولید سے منظوری لے کر عبیداللہ سلمی

کو چھ ہزار فوج کے ساتھ سندھ روانہ کیا۔ مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کو شکست ہوئی
اور عبداللہ اسلمی شہید ہو گئے۔ حجاج نے دوبارہ چھ ہزار فوج کے ساتھ بدیل
بن طہفہ کو بھیجا۔ اس لشکر نے بھی شکست کھائی اور بدیل میدان جنگ میں
شہید ہو گئے۔ حجاج نے تیسری بار اپنے داماد اور چچیرے بھائی محمد بن قاسم کو
چھ ہزار شامی فوج کے ساتھ بھیجا۔ محمد بن قاسم نوجوان تھا لیکن بڑا نڈر اور
بلا کا سپہ سالار تھا۔ یہ لشکر سب سے پہلے مکران پہنچا اور آس پاس کے چھوٹے
چھوٹے شہر فتح کر کے بندرگاہ دیبل پہنچ گیا۔ دیبل مضبوط قلعہ تھا مسلمانوں
نے محاصرہ کر لیا۔ اسلامی لشکر کے پاس ایک وہ "عروس" نامی منجنیق بھی تھی
جسے پانچ سو آدمی کھینچتے تھے۔ ایک عرصہ تک محاصرہ رہا لیکن کامیابی نظر نہ
آئی۔ دیبل شہر کے وسط میں ایک بہت بڑا مندر تھا جس میں بدھ کا بت رکھا
ہوا تھا۔ مندر کا برج شہر سے اوپر نکلتا تھا اور اس کے اوپر سرخ جھنڈا لہراتا
رہتا تھا۔ ایک دن مسلمانوں نے مندر کے برج پر منجنیق سے نشانہ لگایا اور
برج ٹوٹ گیا اور مقدس سرخ جھنڈا زمین پر گر گیا۔ اہل دیبل نے جھنڈے کا
گرنا بدشگونی سمجھی اور ہمتیں ہار دیں۔ مسلمانوں نے بڑے جوش سے حملہ کر دیا اور
کمند ڈال کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور بزور شمشیر شہر فتح کر لیا۔ محمد بن قاسم
نے مسلمانوں کو وہاں آباد کیا اور ایک جامع مسجد تعمیر کروائی۔ یہ کفرستان
ہند میں سب سے پہلی مسجد تھی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نیرون (جسے آج
کل حیدرآباد کہتے ہیں) آیا لیکن وہاں کے لوگوں نے صلح کر لی۔ اس کے بعد
بہت سے اور شہر فتح کئے۔ سربیدس (سری دیدس) پر بھی حملہ کیا لیکن
وہاں کے راجہ نے صلح کر لی اور خراج ادا کیا۔ تجھے سہوان (سہوان) کو طاقت
کے بل بوتے پر فتح کر لیا۔

اُدھر راجہ داہر پچاس ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے دریائے سندھ کے کنارے پہنچ گیا۔ محمد بن قاسم نے رات کے وقت کشتیوں کا پُل بنایا اور سندھ کو پار کر کے صبح ہوتے ہی راجہ داہر پر حملہ کیا۔ شدید معرکہ ہوا دونوں فوجیں بڑی بہادری سے لڑیں لیکن فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی اور راجہ داہر قتل ہو گیا۔ داہر کے قتل کے بعد سندھ کے کئی اور شہر آسانی سے مطیع ہو گئے۔ پھر محمد بن قاسم شہر راوڑ پہنچا، یہاں راجہ داہر کی ایک بہادر رانی مسلمانوں سے بدلہ لینے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ مسلمانوں نے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا اور شدید سنگ باری کی۔ رانی نے شکست کے آثار دیکھ کر قلعہ کا قیمتی سامان جلا دیا اور خود دوسری سہیلیوں سمیت ستی ہو (آگ میں زندہ جل) گئی۔ یہاں سے اسلامی فوج نے برہمن آباد کا رُخ کیا جہاں داہر کا ایک بیٹا لڑائی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس شہر کو بھی بزور شمشیر فتح کر لیا گیا۔ داہر کا لڑکا بھاگ گیا لیکن داہر کی ایک رانی لاڈلی برہمن آباد میں ہی گرفتار ہوئی۔ محمد بن قاسم نے اسے عزت کے ساتھ پردے میں ٹھہرایا پھر حجاج کی اجازت سے مسلمان کر کے اپنے نکاح میں داخل کر لیا۔

برہمن آباد کے بعد اسلامی لشکر ارور کی طرف بڑھا۔ یہاں داہر کا ایک لڑکا گوپی تھا جس نے یہ کہہ کر کہ داہر مرا نہیں آس پاس سے فوجی امداد طلب کی۔ محمد بن قاسم نے اپنی رانی لاڈلی کے ذریعہ اہل ارور کو کہلا دیا کہ داہر قتل ہو چکا ہے اس لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اہل ارور کو یقین آ گیا اور وہ گوپی کا ساتھ چھوڑ گئے۔ گوپی یہ حالت دیکھ کر کہیں بھاگ گیا اور شہریوں نے اطاعت قبول کر لی۔

اس کے بعد محمد بن قاسم نے ملتان کا رُخ کیا۔ یہ جگہ بدھ مت والوں کا

بڑا مرکز تھا۔ یہاں کا راجہ گور سنگھ پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار کھڑا تھا اس لئے پہنچتے ہی سخت مقابلہ ہوا۔ آخر راجہ پیچھے ہٹ کر قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ لمبا ہوتا گیا اور مسلمانوں کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی ختم ہو گیا آخر جانور ذبح کر کے کھاتے رہے۔ لیکن محاصرہ نہ چھوڑا۔ اسی دوران میں ملتان کے ایک شہری نے قلعہ کا ایک کمزور حصہ بتا دیا۔ مسلمانوں نے اُس حصہ پر شدید سنگ باری کر کے توڑ دیا۔ اہل شہر باہر نکلے لیکن ٹھہر نہ سکے اور شکست کھا گئے۔ شہر پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ بلاذری مورخ کے بیان کے مطابق ملتان کے ایک مندر میں اٹھارہ گز لمبا اور دس گز چوڑا کمرہ سونے سے بھرا پڑا تھا جو کئی سو من وزن میں تھا۔

محمد بن قاسم کی فتوحات تو جاری رہیں لیکن اس زمانے میں ولید بن عبدالملک فوت ہو گیا۔ اس لئے باقی فتوحات سلیمان کے عہد میں بیان ہوں گی۔

مسلمہ بن عبدالملک

قسطنطنیہ کی حکومت روم مسلمانوں کی سخت دشمن تھی۔ رومی مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا موقع ڈھونڈتے رہتے تھے اور کئی بار اسلامی مقبوضات پر چڑھ آئے۔ چنانچہ ولید نے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو مستقل طور پر رومی سرحد پر تعین کر دیا۔ مسلمہ اور ولید کا بیٹا عباس بن ولید دونوں رومیوں سے لڑتے رہتے اور ان دونوں سے ڈرتے۔ رومی خوفزدہ رہتے اور حملہ کرنے سے باز رہتے تھے۔ سرحد کی مختلف جنگوں میں ہر سال کوئی نہ کوئی علاقہ فتح ہو جاتا۔ طوانہ، عموانہ، قمونیہ، سسلیہ اور طرطوس وغیرہ کئی علاقے فتح ہو گئے۔

وفات حجاج بن یوسف

سنہ ۹۵ ہجری میں حجاج بن یوسف ثقفی والی عراق کی وفات ہو گئی۔ یہ اموی حکومت

کا قوتِ بازو تھا اور اسی کی کوششوں سے بہت سے علاقے فتح ہوئے اور سلطنتِ اسلامی پھیلی۔ گو وہ بہت سخت گیر اور ظالم کہا جاتا ہے لیکن اگر حالات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُس زمانے میں سخت گیری کے بغیر چارہ نہ تھا۔ تاہم بعض اوقات اُس نے زیادتیاں بھی کیں۔ اس کے علاوہ وہ بڑا فصیح و بلیغ مقرر تھا اس کی بعض تقریریں عربی بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں۔ قرآن کا بہترین قاری تھا۔ قرآن مجید پر اسی نے سب سے پہلے اعراب لگوائے تھے

خلیفہ ولید کی وفات

جمادی الآخر ۹۶ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک فوت ہوگیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وفات کے وقت عمر ۴۵ برس کی تھی اور مدتِ خلافت سوا نو سال۔

ولید کے عہد میں اصلاحات

فوج میں وسعت

ولید کے عہد میں ایک ہی وقت میں کئی کئی محاذوں پر جنگیں جاری تھیں، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ولید نے فوج میں بہت زیادہ وسعت کی۔ فوج کی ضروریات کی ہر چیز ساتھ ہوتی تھی۔ سندھ کی مہم میں حجاج نے سوئی دھاگہ تک سامان میں رکھا ہوا تھا۔ سرکہ کو روئی میں ڈال کر خشک کر لیا جاتا اور وہ فوج کے ساتھ بھیجا جاتا تاکہ بوقتِ ضرورت پانی میں بھگو کر سرکہ تیار کر لیا جائے۔

بحری طاقت میں ترقی

امیر معاویہؓ کے عہد میں ہی جہاز سازی کا کارخانہ قائم ہو گیا تھا مگر ولید کے زمانہ میں چونکہ بحری نقل و حرکت کی زیادہ ضرورت پیش آئی اس لیے کئی نئے کارخانے کھولے

گئے۔ موسیٰ بن نصیر کے قائم کردہ تونس کے کارخانہ میں ایک سو جہاز تیار ہوئے۔

رفاہِ عامہ کے کام

اس سلسلے میں ولید کے عہد میں اس قدر کام ہوئے کہ دورِ خلفائے راشدین سے بھی بڑھ گئے۔ سڑکیں بنوائیں اور ان پر میل کے نشانات نصب کرائے۔ راستوں پر کنوئیں اور نہریں کھدوائیں، جابجا مسافروں کی سہولت کے لیے مہمان خانے تعمیر کروائے۔ ولید نے پہلی بار دولتِ اسلامیہ میں شفاخانے قائم کروائے، معذوروں اور اپاہجوں کے روزینے مقرر کر دیئے تاکہ بھیک مانگتے نہ پھریں۔ یتیموں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے انتظامات کیے۔ بازاری چیزوں پر نگرانی کروائی بلکہ خود ولید بازاروں میں جا جا کر قیمتیں پوچھتا اور کم کروا دیتا تاکہ غرباء خرید سکیں۔ ماہ رمضان میں روزہ داروں کے لئے مسجدوں میں کھانے کا انتظام کیا جاتا۔ جو لوگ قرآن حفظ کرتے ان کو عطیے اور انعام و اکرام سے نوازتا تاکہ لوگوں میں مزید شوق پیدا ہو۔

فنِ تعمیر و تراش

عمارتیں بنوانے کا ولید کو بڑا شوق تھا یہاں تک کہ اپنی محفلوں میں ان خوبصورت عمارتوں کے تذکرے کرتے تھے۔ اس نے نئے نئے ڈیزائن اور نقش و نگار کو ترقی دی۔ دور دور کے ممالک سے کاریگر منگوائے جاتے اور عالی شان عمارتیں بنوائی جاتیں۔ مسجد نبوی کے لئے حاکم مصر سے بہت سا سونا، نقش و نگار کا سامان اور غیر ملکی اعلیٰ کاریگر منگوائے۔ دمشق کی جامع مسجد کے لئے بھی ولید نے دولت پانی کی طرح بہادی، بعض مؤرخ کہتے ہیں کہ اس مسجد پر ملک شام کا سات سال کا خراج صرف ہو گیا تھا اور ہندوستان، فارس اور روم و مغرب

سے کاریگر منگوائے گئے۔ جزیرہ قبرص سے اٹھارہ جہازوں پر سامان اور سونا چاندی آئے، سنگ مرمر دنیا کے مشہور مقامات سے منگوایا گیا۔ بارہ ہزار مزدور کام کرتے تھے اور نو سال میں مسجد مکمل ہوئی۔ تمام مسجد سنگ مرمر کی تھی جس میں رنگین پتھروں سے نقش و نگار کیے گئے تھے، یہ نقش و نگار فن کی اعلیٰ ترین یادگار تھے اور دور دور سے لوگ مسجد کو دیکھنے آتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد میں اس مسجد میں نہایت قیمتی سونے چاندی کی چیزیں بے جا سمجھ کر نکلوا دینے کا ارادہ کیا کہ اتفاق سے روم کے قاصد آ گئے اور انہوں نے یہ مسجد دیکھ کر کہا "ہمارا خیال تھا کہ مسلمانوں کا عروج چند روزہ ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ مسلمان زندہ رہنے والی قوم ہے" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے بعد اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع

۸۸ھ میں ولید نے عمر بن عبدالعزیزؒ والئ مدینہ کو لکھا کہ مسجد نبویؐ کی پرانی عمارت گرا کر از سر نو شاندار تعمیر کی جائے اور امہات المومنین کے جو حجرے اور دوسرے مکانات ساتھ ہیں وہ خرید کر مسجد کی عمارت کو وسیع کر دیا جائے، جو لوگ مکانات دینے میں تامل کریں ان سے زبردستی لے کر ان کو قیمت ادا کر دی جائے جو قیمت نہ لے اس کی قیمت خیرات کر دی جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس حکم کی پوری تعمیل کی۔

ادھر ولید نے قیصر روم کو لکھا کہ ہم اپنے نبیؐ کی مسجد کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں تم سے جو سامان ہو سکے بھیج دو۔ چنانچہ ایک لاکھ مثقال سونا، چالیس گٹھے کاشی کاری کا سامان اور بہترین کاریگر پہنچ گئے۔ مدائن سے بھی نقش و نگار کا باقی سامان منگوایا گیا۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ

سالم بن عبداللہؒ، ابوبکر بن عبدالرحمنؒ، عبیداللہ بن عبداللہؒ، عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ اکابر مدینہ کی موجودگی میں مسجد نبویؐ کی پرانی عمارت گرائی اور انہی کے ہاتھوں سے نئی عمارت کی بنیاد رکھوائی۔ صرف قبلہ رُخ کی دیوار پر طلائی کام کا پینتالیس ۴۵ ہزار اشرفی خرچ آیا تھا جس سے ساری عمارت کے اخراجات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ولید کا عہدِ زرّیں

ولید اگرچہ علم و فضل سے بے بہرہ تھا مگر اس نے ثابت کر دیا کہ وہ سلیقۂ حکمرانی سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس کے عہد میں فتوحات کی کثرت، اشاعتِ اسلام، دولت کی فراوانی، امن و سکون کی ارزانی، معاشرتی اور تمدنی ترقی سب اس بات کی ضامن ہیں کہ ولید کا زمانہ دورِ بنی امیہ کا عہدِ زرّیں ہے۔

سُلیمان بن عبدالملک

۹۶ھ تا ۹۹ھ

عبدالملک بن مروان نے اپنے دو بیٹوں ولید اور سلیمان کو ترتیب وار ولی عہد نامزد کیا تھا اور اپنے باپ کی وصیت کو جو عبدالملک کے بعد اس کے بھائی عبدالعزیز کے حق میں تھی منسوخ کر دیا تھا۔ ولید نے بھی اپنے باپ کی تقلید کی کوشش کی اور اپنے بھائی سلیمان کو محروم کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز بن ولید کو ولی عہد بنانا چاہا۔ لیکن حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم کے سوا باقی سب امرائنے اس تجویز کو پسند نہ کیا۔ تاہم ولید اپنے ارادے پر قائم رہا اور اس نے سلیمان کو کسی بہانے سے اس مقصد کے لئے بلایا۔ سلیمان کو حقیقت حال کا علم ہوگیا اس نے بیماری کا بہانہ بنا کر آنے سے انکار کر دیا۔ ولید خود سلیمان کے پاس گیا اور اسے ولی عہدی سے دست برداری پر مجبور کرنے کا ارادہ کیا لیکن ابھی وہ یہ انتظامات ہی کر رہا تھا کہ موت نے آلیا۔ اس ناکام کوشش سے سلیمان کے دل میں حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم کے لئے نفرت پیدا ہوگئی۔

سلیمان بن عبدالملک بن مروان ولید کا چھوٹا اور حقیقی بھائی تھا۔ مدینہ میں ۶۰ھ میں پیدا ہوا اور ملک شام میں والد کے پاس تربیت پائی۔ اس سے کچھ حدیثیں بھی مروی ہیں۔ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ولید کے بعد ۱۵ جمادی الآخر ۹۶ھ کو تخت نشین ہوا۔

نامور سپہ سالاروں سے انتقام

سلیمان نے تخت نشینی کے بعد ہی ولید کے عہد کے اُن تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جو ناحق قید کر لیے گئے تھے چنانچہ جیل خانے بالکل خالی ہو گئے۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ سلیمان کے مشیر تھے اس لیے عملی طور پر بہت سے اچھے کام ہوئے لیکن محاسن کے ساتھ ساتھ سلیمان کے انتقامی جذبے نے بھی اپنے رنگ دکھائے، اُس نے اُن تمام لوگوں کو جو اس کی ولی عہدی کے خلاف تھے خوب مزہ چکھایا۔ حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم نامور اور سخت مزاج حاکم تھے، سلیمان کو ان دونوں کی سختی ناپسند تھی دوسرے ان دونوں نے سلیمان کی ولی عہدی کے خلاف ولید کو رائے دی یا رائے سے اتفاق کیا تھا اس سے بھی سلیمان ان کا مخالف تھا۔

حجاج کو پہلے سے ہی ڈر تھا کہ اگر ولید کے بعد سلیمان تخت نشین ہو گیا تو وہ اُسے نہیں چھوڑے گا لیکن اتفاق یہ ہوا کہ وہ خود ہی ولید سے ایک سال پہلے فوت ہو گیا۔ سلیمان نے حجاج کی بجائے اس کے داماد محمد بن قاسم فاتح سندھ سے بدلہ لیا۔ محمد بن قاسم ولید کے عہد سے ہی سندھ میں تھا اور ملتان فتح کر چکا تھا کہ ولید کی وفات ہو گئی۔ اُس نے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور ملتان کے اطراف سیلمان اور سرست دسورت کے علاقوں کو بھی مطیع کر لیا، پھر کیرج (جے پور) پہ چڑھائی کر کے راجہ کو شکست فاش دی اور کیرج پہ قبضہ کر لیا۔ محمد بن قاسم جو علاقہ فتح کرتا وہاں عادلانہ نظام قائم کر دیتا، لوگ اس سے بہت خوش ہوتے۔ سلیمان نے ابن قاسم کو معزول کر کے یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا حاکم مقرر کر دیا۔ یزید نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے صالح بن عبدالرحمٰن والئے عراق کے پاس بھیج دیا۔ صالح کے

بھائی آدم کو جو خارجی تھا حجاج نے قتل کروا دیا تھا اس لیے صالح نے انتقام لینے کی خاطر محمد بن قاسم کو جیل میں ڈال دیا اور اتنی اذیتیں پہنچائیں کہ وہ بیچارہ وہیں مر گیا۔ اہلِ سندھ کو جب محمد بن قاسم کی موت کی خبر پہنچی تو وہ خون کے آنسو روئے اور اظہارِ عقیدت کے طور پر محمد بن قاسم کی تصویر بنا کر رکھی۔

سلیمان کی تخت نشینی کے وقت قتیبہ بن مسلم والئے خراسان تھا اُسے بھی خطرہ پیدا ہوا اور اُس نے سلیمان کو اپنی وفاداری کے کئی خطوط لکھے لیکن سلیمان کے جواب آنے سے پہلے ہی قتیبہ نے خراسان میں علم بغاوت بلند کر دیا سلیمان نے قتیبہ کو جواب میں حکومت کا پروانہ بھیج چکا تھا لیکن قتیبہ نے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی بغاوت کا اعلان کر دیا تھا۔ قتیبہ کو اپنے علاقہ کے لوگوں پر بڑا ناز تھا لیکن جب وقت آیا تو کسی نے اس کی مدد نہ کی بلکہ جب قتیبہ نے قبیلہ بنی تمیم پر سختی کی تو وہ بگڑ گئے اور وکیع بن الاسود تمیمی کو اپنا سردار بنا کر قتیبہ کے مقابلہ میں آ کھڑے ہوئے۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی اور قتیبہ شکست کے ساتھ قتل ہو گیا بلکہ اس کے بھائی اور لڑکے بھی میدان میں کام آئے۔ دشمنوں نے قتیبہ کا سر قلم کر کے سلیمان کے پاس بھیج دیا۔

تیسرا افسوس ناک واقعہ یہ ہوا کہ جب موسیٰ بن نصیر اندلس سے واپس آیا تو ولید اُس وقت بیمار پڑا تھا اور بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ چنانچہ سلیمان نے موسیٰ کو راستہ میں ہی کہلا بھیجا کہ ولید کے آخری لمحاتِ زندگی باقی ہیں اس لیے تم ایسی رفتار سے آؤ کہ دمشق پہنچنے تک ولید فوت ہو جائے۔ سلیمان کا مقصد یہ تھا کہ اندلس سے آئی ہوئی تمام دولت اُسے مل جائے۔ اُدھر موسیٰ کی خواہش تھی کہ خلیفہ ولید کی زندگی میں ہی دمشق پہنچ جائے اور ان کو خود اپنی فتوحات کے قصے سنائے چنانچہ موسیٰ نے اور جلدی کر کے راستہ کاٹا اور دمشق پہنچ گیا۔

ولید ابھی زندہ تھا اس نے موسیٰ کی فتوحات کی بڑی قدر افزائی کی۔ اس بنا پر سلیمان موسیٰ بن نصیر کا دشمن ہو گیا۔ ولید کی وفات کے بعد سلیمان نے موسیٰ بن نصیر کی برسر عام سخت تحقیر کی اور یزید بن مہلب کے مشورہ سے کئی لاکھ تاوان عائد کر دیا جسے موسیٰ پورا نہ کر سکا اور اسی تباہ حالی میں مبتلا ہو کر مدینہ میں فوت ہو گیا۔

سلیمان کی فتوحات

فتح قہستان و جرجان

قتیبہ کے بعد سلیمان نے یزید بن مہلب کو خراسان کا والی مقرر کر دیا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں سعید بن عاص نے جرجان اور طبرستان کو فتح کر لیا تھا لیکن یہ علاقے چونکہ پہاڑی تھے اس لئے یہاں کے لوگ اکثر سرکش رہتے تھے اور بہت سے اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ یزید بن مہلب نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ جرجان پر چڑھائی کر دی اور سب سے پہلے شہر قہستان کا محاصرہ کیا۔ یہ علاقہ پہاڑی تھا لوگ باہر نکل نکل کر لڑتے اور پھر پہاڑیوں میں گھس جاتے۔ جب ہر طرف سے ناکہ بندی ہو گئی تو بھوکے مرنے لگے اور صلح کی درخواست کر دی۔ یزید نے بڑھ کر قبضہ کر لیا اور بہت سے آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ دیکھ کر جرجان کے باشندوں نے پہلے ہی صلح کر لی اور سامان رسد سے اسلامی فوجوں کی خوب مدد کی۔ یزید نے چار ہزار مسلمان جرجان میں چھوڑے اور خود فوج لے کر طبرستان چلا گیا۔ وہاں کے لوگوں نے صلح کرنی چاہی لیکن اسلامی فوجیں مقابلہ کے لئے آتے بڑھیں آخر مجبور ہو کر

اہلِ طبرستان بھی نکل پڑے۔ مقابلہ ہوا اور حاکم طبرستان نے شکست کھائی اور اہل طبرستان پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا لیکن انہوں نے اوپر سے تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے جس سے مسلمانوں کے کئی آدمی مارے گئے جو بچ گئے وہ واپس یزید کے پاس پہنچے۔ اس واقعہ کے بعد حاکم طبرستان نے حاکم جرجان سے خط و کتابت کر کے جرجان میں بغاوت کروادی جرجانیوں نے ان چار سو مسلمانوں کو قتل کر دیا جو جرجان میں موجود تھے اور پھر جرجان اور خراسان کا راستہ بند کر دیا۔ اُدھر حاکم طبرستان نے بھی ناکہ بندی کر دی اس طرح اسلامی فوج ہر طرف سے گھر گئی۔

آخر یزید بن مہلب نے ایک عجمی حیان نبطی کو طبرستان بھیجا کہ کسی طرح اُن لوگوں سے صلح کی صورت نکالو۔ اُس نے وہاں جا کر حاکم طبرستان سے کہا کہ اگرچہ مذہب نے ہم کو الگ الگ کر دیا ہے لیکن میں تمہاری ہی قوم کا ایک فرد ہوں اور تمہارا خیر خواہ بھی ہوں، یزید نے خراسان سے فوجیں طلب کی ہیں جن کا مقابلہ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ فوراً صلح کر لو تاکہ تباہی سے بچ جاؤ اور یزید کے انتقام کا رُخ جرجان کی طرف پھر جائے گا۔ حاکم طبرستان کی سمجھ میں یہ بات آگئی اُس نے بہت سامال دے کر یزید سے صلح کر لی طبرستان سے ہٹ کر یزید نے جرجان کا رُخ کیا۔ باغی کبھی باہر نکل کر لڑتے اور کبھی بھاگ کر قلعہ بند ہو جاتے۔ اتفاق سے ایک واقف نے قلعہ میں پہنچنے کا راستہ بتادیا۔ چنانچہ ایک طرف سے یزید نے اور دوسری طرف سے خالد بن یزید نے حملے کر دیئے۔ اہل قلعہ حیران و پریشان ہو گئے اور آخر شکست کھا گئے۔ یزید نے مقتول مسلمانوں کا پورا پورا بدلہ لیا اور جرجانیوں کی قوت بالکل ختم کر دی۔ ایک شہر بسا کر مسلمان آبادی قائم کی اور جہم بن

قیس کو حاکم مقرر کر کے واپس خراسان آیا۔

قسطنطنیہ پر حملہ

بیزن طینی حکومت (روما) کا صدر مقام قسطنطنیہ تھا۔ یہ حکومت مسلمانوں کی شروع سے حریف رہی ہے۔ دونوں کی سرحدیں کئی مقامات پہ آپس میں ملتی تھیں اس لیے کہیں نہ کہیں تصادم ضرور ہوتا رہتا تھا۔ امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں قسطنطنیہ پہ حملہ کیا تھا لیکن کامیابی نہ ہوئی تھی۔ سلیمان نے ۹۸ھ میں ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا اپنے بھائی مسلمہ کی سرکردگی میں بھیجا اور خود دابق میں ٹھہر گیا تاکہ حالات سے آگاہ ہوتا رہے اور سامانِ ضرورت پہنچاتا رہے۔ راستہ میں مسلمہ کو لیو نامی ایک رومی سردار ملا جس نے یقین دلایا کہ قسطنطنیہ کو فتح کروا دیگا مسلمہ نے لیو کو ساتھ لے لیا اور اس کی رہنمائی میں قسطنطنیہ پہنچا اور محاصرہ کر لیا۔ مسلمہ بہت سا سامان رسد ساتھ لایا تھا کہ دیر تک کام آئے اور فتح کیے بغیر ہی واپس نہ لوٹے لیکن پھر بھی اُس نے کھیتوں میں سبزیاں اور دوسری چیزیں بو دیں تاکہ ساتھ ساتھ کام آتی رہیں۔ محاصرہ نے طول پکڑا تو اہلِ روما نے مصالحت کی درخواست کردی لیکن مسلمہ نے انکار کر دیا۔ آخر رومیوں نے کسی طرح لیو کو خفیہ کہلا بھیجا کہ تُو اچھی طرح جانتا ہے کہ قسطنطنیہ میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے اگر تم ہمارے پاس آجاؤ تو ہم تجھ کو بادشاہ تسلیم کرلیں گے۔ لیو نے موقع غنیمت سمجھا اور بہانہ سے اُدھر چلا گیا اور رومیوں نے اُسے بادشاہ بنا لیا۔ اتفاق سے اُن دنوں شدید سردی پڑنے لگی جو عربوں کے لیے ناقابلِ برداشت تھی چنانچہ بہت سے مسلمان بیمار ہو گئے۔ اُدھر مسلمانوں کی کشتیاں برف باری سے تباہ ہو گئیں۔ محاصرہ کو ایک سال گزر گیا تھا اُدھر خلیفہ سلیمان کی وفات کی خبر اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تخت نشینی کی خبر

آگئی۔ چنانچہ محاصرہ اُٹھا لیا گیا اور واپس ہو گئے۔

وفاتِ سلیمان اور ولی عہدی

سلیمان نے اپنے بعد اپنے چچیرے بھائی عمرؓ بن عبدالعزیز اور پھر اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کو ولی عہد نامزد کر دیا۔ لیکن اُس نے عمرؓ بن عبدالعزیز کے متعلق شبہ کیا کہ کہیں بنی مروان ان کی ولی عہدی سے انکار نہ کر دیں اس لیے اُس نے احتیاطاً ولی عہدی کے کاغذ کو بند کر کے مہر کر دی اور اُس بند لفافہ پر لوگوں سے بیعت لے لی کہ اِس میں جس کا نام ہے اس کو خلیفہ تسلیم کر لینا۔ اس طرح سب لوگوں نے جن میں بنی مروان بھی تھے بیعت کر لی۔

سلیمان صفر ۹۹ھ میں فوت ہو گیا۔ عمر ۴۵ برس تھی اور مدت خلافت پونے تین سال تھی۔

سوالات

۱۔ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد کی فتوحات قلم بند کرو۔

۲۔ خلیفہ سلیمان نے تخت نشین ہوتے ہی اسلام کے مایہ ناز سپہ سالاروں کے ساتھ جو بدسلوکی کی اُس پر غیر جانبدارانہ بحث کرو۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز

۹۹ھ تا ۱۰۱ھ

عمرؒ بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم کے پوتے تھے۔ والدہ ماجدہ اُم عاصم حضرت عمرؓ بن الخطاب خلیفہ راشد کی پوتی تھیں اور عاصم بن عمرؓ کی بیٹی۔ آپ کی پیدائش ۶۱ھ میں ہوئی۔ دولت کی آغوش میں پلے تھے لیکن بچپن سے ہی علم وتقویٰ کا شوق تھا۔ مدینہ کے مشہور محدث صالح بن کیسان سے علم سیکھا۔ فطرتاً صالح تھے علم وفضل نے فطری صلاحیتوں اور قابلیتوں کو اور چمکا دیا چنانچہ اپنے وقت کے امام تھے۔ انہوں نے عملی طور پر جو کچھ اسلام کی خاطر کیا وہ کارنامہ تاریخ اسلام ہے۔ آپ شاہی خاندان کے رکن، خلیفہ عبدالملک کے حقیقی بھتیجے اور داماد تھے اس لیے ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے۔ ولید کے عہد میں اور پھر سلیمان کے زمانے میں بھی مدینہ کے حاکم تھے۔ ۱۰ صفر ۹۹ھ کو تخت نشین ہوئے۔ جب عمرؒ بن عبدالعزیز کی خلافت کا اعلان کیا گیا تو مسجد سے انا للہ کی دو صدائیں بلند ہوئیں ایک عمرؒ بن عبدالعزیز کے منہ سے اس لیے نکلی کہ خلافت کا بارِ گراں اُن کے کندھوں پہ آ گرا ہے اور دوسری ہشام بن عبدالملک کے منہ سے کہ وہ تختِ حکومت کا متوقع تھا۔

خلافت کے اعلان کے بعد آپ گھبرائے۔ تو چہرے پہ سخت پریشانی

تھی۔ ایک ملازم نے پوچھا کہ آپ اتنے متفکر کیوں نظر آتے ہیں؟ فرمایا: "اس سے بڑھ کر فکرو تشویش کی اور کیا بات ہوگی کہ مشرق و مغرب میں اُمتِ محمدیہؐ کا کوئی ایسا فرد نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اُس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔"

چنانچہ آپ نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ لوگوں کو جمع کیا اور مندرجہ ذیل تقریر کی :-

"لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لیئے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کر دیا گیا ہے اس لیئے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردنوں میں ہے میں خود اُسے اُتارے دیتا ہوں تم جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔"

یہ الفاظ سنتے ہی لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ "ہم نے آپ کو خلیفہ چُنا ہے اس لیئے ہم سب آپ کی خلافت پر راضی ہیں"۔ پھر کہیں آپ نے خلافت قبول کی اور دوبارہ تقریر کرتے ہوئے تقویٰ و آخرت کی تلقین کی اور خلیفۂ اسلام کی اصلی حیثیت واضح کر دی کہ میں تمہارا اصل خادم ہوں اللہ کے احکام نافذ کروں گا اور اپنی جانب سے کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔

حضرت عمرؓ بن عبد العزیز بڑی امیرانہ زندگی میں پلے تھے خود نفاستِ طبع کا یہ حال تھا کہ جب لباس پر ایک مرتبہ کسی کی نظر پڑ جاتی اُسے دوبارہ نہ پہنتے، لباس کے علاوہ داڑھی پر بھی خوشبو لگاتے اور اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ خوش لباس شخص تھے۔ جب مدینہ کی ولایت پر چلے تو تیس اونٹوں پر ان کا ذاتی سامان لدا ہوا تھا۔ اس طرح کے رہنے سہنے والے شخص کو جب

ایک وسیع سلطنت کی خلافت ملی تو اللہ کے ڈر سے کانپ اٹھے اور یکسر زندگی بدل کے رکھ دی۔ اعلانِ خلافت کے بعد جب مسجد سے باہر نکلے تو شاہی سواری پیش کی گئی اور جلوس کی شکل میں گھر تک پہنچایا تا تھا لیکن آپ نے فرمایا "مجھے اس کی ضرورت نہیں میرا ذاتی خچر ہی میرے لئے کافی و موزوں ہے"۔ چنانچہ تمام جلوس منتشر کر دیا گیا۔

اصلاحات

حضرت عمرؒ بن عبد العزیز نے فیصلہ کر لیا کہ خلافت راشدہ کا دوبارہ احیاء کیا جائے لیکن اصل مشکل یہ تھی کہ اموی حکومت اسلامی جمہوری حکومت میں تبدیل ہونی ناممکن تھی۔ اس لئے آپ نے سوچا کہ کم از کم اس حکومت کی خرابیاں ختم کر دی جائیں۔ چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل اصلاحات کیں:۔

غصب شدہ مال کی واپسی

آپ سے پہلے شاہی خاندان کے ارکان، اموی حکام و عمال اور دوسرے سرداروں نے زیر دست لوگوں کے مال و جائیداد کو ذاتی جاگیریں بنا رکھا تھا۔ یہ ایک ایسا نازک مرحلہ تھا کہ سارے خاندان سے لڑائی مول لینے سے کم نہ تھا لیکن آپ نے پرواہ نہ کی اور سب سے پہلے اسی کام کو سرانجام دیا۔ خود آپ کے پاس بھی ایک بہت بڑی جاگیر تھی بعض لوگوں نے پوچھا اگر ایسا کیا تو اولاد کے لئے کیا انتظام کریں گے؟ آپ نے جواب دیا "انہیں میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں" پھر آپ نے اہل خاندان کو جمع کیا اور کہا "تمہارے پاس دولت کا جو حصہ ہے اس میں میرے خیال کے مطابق نصف یا دو تہائی امت کا مال ہے"۔

سب نے کہا "خدا کی قسم نہ ہم اپنے آباؤ اجداد کو کافر بنا سکتے ہیں اور نہ اپنی اولادوں کو مفلس کریں گے اس لئے جب تک ہمارے سر تن سے جدا نہ ہو جائیں اُس وقت تک یہ جائیدادیں ہم واپس نہیں دے سکتے"۔ عمرؓ بن عبدالعزیز نے فرمایا "خدا کی قسم اگر اس حق میں تم میری مدد نہ کرو گے تو میں تم کو رسوا کر کے چھوڑوں گا"۔ پھر آپ نے باہر مجمع عام میں تقریر کی اور کہا میں یہ کام کر رہا ہوں۔ تقریر کے بعد جائیدادوں کے تمام کاغذات منگوائے اور ایک ایک کر کے قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ پھر سب خاندانی جاگیریں واپس کر دیں یہاں تک کہ اپنے پاس ایک نگینہ بھی نہ بچا۔ صبح سے دوپہر کی نماز تک یہ کام ختم کر دیا۔

گھر آئے تو اپنی بیوی فاطمہ سے متوجہ ہوئے۔ فاطمہ کو ان کے باپ عبدالملک نے ایک بیش قیمت پتھر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اُن سے کہا کہ اس پتھر کو بیت المال میں جمع کروا دو یا پھر مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بیوی نے پتھر فوراً بیت المال میں بھیج دیا۔

فدک کا فیصلہ

فدک خیبر کا ایک گاؤں تھا جسے فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا اور اس کی آمدنی اپنی اور بنی ہاشم کی ضروریات پر صرف فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ نے آپ سے مانگا تھا لیکن آنحضورؐ نے انہیں نہیں دیا تھا۔ اسی لئے خلفائے راشدین نے بھی فدک کو اپنے انتظام میں رکھا اور اس کی آمدنی انہی مصارف پہ خرچ کرتے رہے جن پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کیا کرتے تھے۔

مروان بن حکم نے اپنے عہد میں فدک کو جاگیر بنا لیا تھا چنانچہ وہ

عمرؓ بن عبدالعزیز کے قبضہ میں آ گیا اور اس کی آمدنی سے خاندان کے اکثر لوگوں کی پرورش ہوتی تھی لیکن اہل بیت کی وراثت میں نہ تھا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے فدک کے گاؤں کو اپنے قبضے سے نکال دیا اور اس کو قدیم مصارف کے لیے مخصوص کر دیا اور فرمایا "جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کو نہیں دی تھی اُس پر میرا کوئی حق نہیں ہو سکتا۔"

فدک کا معاملہ طے کرنے کے بعد آپ نے تمام عمال اور رؤسا سے غصب شدہ جاگیریں واپس حقداروں کو دلوائیں۔ چنانچہ عراق میں اس قدر مال واپس ہوا کہ شاہی خزانہ خالی ہو گیا اور وہاں کے سرکاری اخراجات کے لئے دارالخلافہ سے رقم بھیجنی پڑی۔ معمولی شہادت پر بھی مال واپس مل جاتا تھا اس لیے اس کام میں لوگوں کو زحمت نہ ہوئی۔ جو مر چکے تھے ان کے وارثوں کو مال مل چکا تھا۔

بیت المال کی اصلاح

اُموی خلفاء نے تو بیت المال کو ذاتی خزانہ سمجھ رکھا تھا اور ہر جائز و ناجائز مال کو اس میں شامل کر لیتے تھے۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے سب سے پہلے بیت المال کے تمام ناجائز ذرائع بند کروا دیئے۔ غصب شدہ مال کی واپسی کے سلسلے میں آپ کے خاندان کا بہت سا مال بیت المال میں جمع ہو گیا تھا۔ خاندان کے تمام سرکاری وظیفے بند ہو گئے تھے۔ شاہی سواریوں کو اور تمام ذاتی سامان امارت جس میں لونڈی غلام تک شامل تھے سب فروخت کروا کر رقم بیت المال میں جمع کروا دی تھی۔ اس طرح بیت المال میں خاصی دولت آ گئی۔ حجاج نے اپنے زمانے میں بیت المال کی آمدنی بڑھانے کی خاطر غیر مسلموں سے جزیہ لینا شروع کر رکھا تھا جسے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے گھٹا کر بند کروا دیا۔

اس حکم پر صرف مصر میں اس قدر لوگ مسلمان ہو گئے کہ جزیہ کی آمدنی بہت کم ہو گئی اور حاکم مصر نے لکھا کہ آمدنی اتنی کم ہو گئی ہے کہ مجھے قرض لے کر مسلمانوں کے وظیفے دینے پڑے ہیں۔ خلیفہ نے جواباً لکھا "جزیہ بہر حال بند کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے محصل (محصول لینے والے) بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے"۔ اس سلسلے میں اس قدر سخت حکم جاری کیا کہ غیر مسلم جلدی جلدی اسلام لانے لگے۔ آپ نے لکھا کہ "اگر کسی غیر مسلم کا جزیہ ترازو میں رکھا جا چکا ہو اور اس حالت میں بھی وہ اسلام قبول کرے یا نئے سال کے آغاز سے ایک دن پہلے (جب کہ پورے سال کا جزیہ عائد ہو جاتا ہے) اسلام لے آئے تو بھی جزیہ نہ لیا جائے گا"۔ اس کے علاوہ جتنے ناجائز ٹیکس تھے ختم کر دیئے گئے۔

پھر بیت المال کی حفاظت کا بھی مضبوط انتظام کر دیا گیا اور ذرا سی بے احتیاطی پر بھی باز پرس ہوتی تھی۔ ایک دفعہ یمن کے بیت المال سے ایک اشرفی کم ہو گئی تو خلیفہ نے وہاں کے افسر خزانہ کو لکھا کہ "تمہاری امانت پر بد گمانی نہیں کرتا، لاپرواہی ضرور ہوئی ہے۔ میں چونکہ مسلمانوں کی طرف سے اُن کے مال کا مدعی ہوں اس لئے تم پر فرض ہے کہ اپنی صفائی میں شرعی قسم کھاؤ"۔ یزید بن مہلب والئے خراسان کو خیانت کے جرم میں معزول کر دیا تھا۔ دفتری اخراجات میں بھی کمی کر وا دی اور کفایت شعاری سے کام لینے کا حکم دیا۔

عُمّال کا احتساب

اموی عمال (والی، حاکم) بڑے سخت گیر اور ظلم و جور کے خوگر بن گئے تھے، وہ اپنے اپنے علاقوں میں جو چاہتے کرتے تھے۔ سلیمان بن عبد الملک نے اپنے

عہدیں عمال کا سختی سے محاسبہ کیا تھا اور کئی والی معزول کر کے ان کی جگہ نئے مقرر کر دیئے لیکن ابھی اصلاح کی ضرورت باقی تھی جسے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے پورا کر دیا۔

یزید بن مہلب والئے خراسان نے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو ایک خط لکھا تھا جس میں اس نے اپنے علاقہ سے ایک بھاری رقم جزیہ اور ٹیکس کے طور پہ وصول کر رکھی تھی۔ یہ رقم وصول کئے بغیر سلیمان بن عبدالملک فوت ہو گئے تھے اور خط حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے پاس پہنچ گیا۔ انہوں نے یزید بن مہلب کو لکھا اس رقم کی ادائیگی کر دو لیکن یزید نے جواب دیا کہ میں نے خلیفہ سلیمان کو محض اس لئے لکھا کہ مخالفین پہ رعب چھا جائے ورنہ رقم تو کوئی وصول نہ کی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے کہا کہ ہمیں یہ جواب خاموش نہیں کر سکتا چنانچہ ابن مہلب کو گرفتار کر کے دمشق صدر مقام میں قید کر دیا۔ یزید کے بیٹے مخلد کو باپ کی قید کا علم ہوا تو دربار خلافت میں حاضر ہو کر کہا کہ" اے امیر المومنین اللہ نے آپ کو امت پہ خلیفہ بنا کر بڑا احسان کیا ہے اس لئے مہربانی ہو تو کچھ کم کر کے معاملہ طے کر دیں"۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے فرمایا" جب تک ایک ایک کوڑی وصول نہیں کر لوں گا تمہارے والد کو نہ چھوڑوں گا کیونکہ یہ حقوق المسلمین کا معاملہ ہے"! چنانچہ یزید بن مہلب آپ کے آخر عمر تک قید میں رہا پھر جب یزید نے سنا کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا وقت آخر ہے تو قید سے بھاگ گیا اور بصرہ پہنچا۔ وہاں سے خلیفہ کو خط لکھا کہ" خدا کی قسم اگر مجھے آپ کی زندگی کا یقین ہوتا تو میں کبھی نہ بھاگتا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہو گا اور وہ میری تکہ بوٹی کر ڈالے گا"

حجاج اور اس کے خاندان کے لوگوں نے عوام پر بڑے ظلم وستم ڈھائے تھے اس لئے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے حجاج کے پورے خاندان کو یمن میں جلاوطن کر دیا اور وہاں کے حاکم کو لکھا کہ میں تمہارے پاس اُن لوگوں کو بھیج رہا ہوں جو عرب میں بدترین خاندان ہے اس کو اپنے حدودِ حکومت میں چھپا دو اور یہ لوگ ہر قسم کے ملکی حقوق سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔

جراح بن عبداللہ والئِ خراسان کو لکھا کہ مجھے شکایت پہنچی ہے کہ تُو نومسلموں سے بھی جزیہ لیتا ہے اسے بند کر دو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے محصل بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ جراح نے حکم کی تعمیل فوراً شروع کر دی تو لوگ گروہ در گروہ مسلمان ہونے لگے۔ پھر خلیفہ نے لکھا کہ "اپنے لوگوں کو درست کرنے کے لئے کوڑوں اور تلوار سے کام مت لو۔ لوگوں کی درستی عدل وانصاف سے ہوا کرتی ہے لہذا اسی چیز کو عام کر دو۔"

اہلِ سمرقند نے خلیفہ کو لکھا کہ قتیبہ بن مسلم نے ہمارے علاقہ پر نامنصفانہ قبضہ کر لیا تھا اس لئے ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔ خلیفہ نے سلیمان بن ابی السریٰ کو لکھا کہ ایک قاضی مقرر کر کے معاملہ کا فیصلہ کر دو اور مجھے لکھو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں فیصلہ اہلِ سمرقند کے حق میں ہو گیا کہ مسلمان سمرقند سے قبضہ اٹھا لیں اور باہر قدیم چھاؤنی میں چلے جائیں اور وہاں سے نئے سرے سے بزورِ شمشیر فتح کریں یا نیا صلح نامہ لکھیں۔ اہلِ سمرقند اس انصاف پسندی پر اتنے خوش ہوئے اور کہا کہ ہم موجودہ صورت حال پر ہی خوش ہیں اور ایسی عدل پرور قوم سے جھگڑا نہیں چاہتے۔

ذمیوں سے حسنِ سلوک | کسی حکمران کا عدل وانصاف جانچنے کے

لیئے اُس کا وہ سلوک دیکھا جاتا ہے جو اُس نے اپنے ماتحت غیر مذہب قوموں سے روا رکھا ہوتا ہے۔ اِس حیثیت سے بھی حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کا عہد عدل و انصاف کا نمونہ تھا۔ انہوں نے ذِمّیوں کے ساتھ جو عمدہ سلوک کیا اس کی مثال سوائے عمرِ فاروقؓ کے عہد کے کہیں نظر نہیں آتی۔ ذِمّیوں کو پوری مذہبی آزادی تھی، ان کے جان و مال کی پوری حفاظت تھی اور جزیہ کی وصولی میں نرمی اور سہولت تھی۔ ان میں اگر کوئی بوڑھا اور نادار ہوتا تو اس کی کفالت کا انتظام کیا جاتا اور کوئی جزیہ وغیرہ وصول نہ کیا جاتا۔ ایک ذِمّی کے خون کی قیمت ایک مسلمان کے خون کے برابر تھی۔ ایک بار حیرہ کے ایک مسلمان نے ایک ذِمّی کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے حیرہ کے حاکم کو لکھا کہ "قاتل کو فوراً مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دیا جائے وہ چاہیں تو قتل کریں چاہیں تو معاف کریں"۔ چنانچہ اس کے ورثاء نے قاتل کو قتل کر دیا۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذِمّی کے مال پر دست درازی کرتا تو اُسے سخت سزا دی جاتی۔ ایک دفعہ ایک مسلمان نے سرکاری ضرورت کے تحت ایک ذِمّی کا گھوڑا زبردستی پکڑ لیا۔ خلیفہ نے مسلمان کو چالیس کوڑے لگوائے۔ ذِمّیوں کی غصب شدہ جائیدادیں بھی واپس کروا دیں۔ دمشق کا ایک گرجا عرصہ سے ایک مسلمان خاندان کی جاگیر میں چلا آتا تھا خلیفہ نے عیسائیوں کی درخواست پر اُسے واپس دلوا دیا۔ مقدمات میں ایک ذِمّی اور ایک شاہی خاندان کے فرد میں کوئی فرق نہ کیا جاتا تھا۔

رفاہِ عامہ کے کام

ویسے تو ہر اصلاح رفاہِ عامہ میں شمار ہوتی ہے لیکن اصطلاحی معنوں میں بھی الگ اصلاحات ہوئیں۔ تمام ممالکِ اسلامیہ میں بکثرت سرائیں بنوائیں۔ تمام تر دور ممالک

کے حکام کو لکھا کہ کچھ فاصلوں پر سڑکوں کے ساتھ ساتھ سرائیں تعمیر کرائیں اور جو مسلمان اُدھر سے گزریں ان کی ایک دن رات میزبانی کی جائے اور جو بیمار ہو اس کی دو شبانہ یوم میزبانی کا اہتمام کیا جائے جس مسافر کے پاس گھر تک پہنچنے کا سامان نہ ہو اسے سامان مہیا کیا جائے۔ اس کے علاوہ نہریں، فوارے اور تالاب بنوائے۔

احیائے شریعت

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے دوسری اصلاحات کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامی کو بھی از سر نو زندہ کر دیا۔ آپ سے پہلے اُموی خلفاء کے عہدوں میں بعض اُمور مذہبی راہ سے ہٹ چکے تھے آپ نے انہیں پھر سے شریعت کے مطابق کر دیا۔ تمام عُمّال کو لکھا کہ وہ شریعت کی سختی کے ساتھ پابندی کریں اور اس معاملہ میں قطعی تساہل سے کام نہ لیں۔ اکثر اموی خلفاء خصوصاً حجاج نماز کے وقت کی پابندی میں غفلت سے کام لیتا تھا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے حکام کو لکھا کہ نماز کے وقت تمام کاروبار بند کر دو اور اس کی پوری پابندی کرو۔ حجاج کے زمانہ میں زکوٰۃ کا نظام بھی خراب ہو گیا تھا چنانچہ خلیفہ عمرؓ بن عبدالعزیز نے عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ "میں تم کو زکوٰۃ کے معاملہ میں حجاج کی روش سے روکتا ہوں وہ اس کو غیر محل سے لیتا تھا اور بے محل خرچ کرتا تھا"۔ آپ کے عہد میں مسئلہ قضا و قدر چھڑا آپ نے اس سے توبہ کرائی اور محدثین و فقہاء کو لکھا کہ وہ ان خیالات کو قبول نہ کریں۔

ایک بدعتِ بد (تبرّیٰ) کا خاتمہ

اموی خلفاء نے ایک نہایت بُری بدعت (دین میں نئی بات) جاری کر رکھی تھی اور وہ یہ تھی خطبات میں حضرت علیؓ پر لعن و

طعن کیا کرتے تھے بلکہ اس بات کو خطبہ کا ایک لازمی جز بنا دیا گیا تھا حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کا یہ بھی شاندار کارنامہ تھا کہ انہوں نے اس رسمِ بد کو ختم کر دیا اور تمام عمال کو لکھا کہ خطبہ میں ان بُرے الفاظ کی جگہ قرآن مجید کی سورہ نحل کی ۹۰ ویں آیت (اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ ...... تَذَکَّرُوْنَ) تلاوت کی جائے۔ تبریٰ (بیزاری) کی اس رسمِ بد کو ختم کرنا بھی حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کا معجزہ سے کم کام نہ تھا۔

علالت اور وفات

آپ کی وفات سے متعلق دو روایات ہیں ایک یہ طبعی علالت میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے، دوسرے یہ کہ کسی نے کھانے میں زہر ملا دیا جس سے بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔ بہرحال ۲۵ رجب سنہ ۱۰۱ھ کو آپ دنیا سے رخصت فرما گئے۔

سیرت حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کی سیرت میں بیک وقت، علم و فضل، زہد و قناعت، عبادت و ریاضت اور حکومت و سلطنت کے جوہر آپ کے منارِ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے عالی مرتبہ علماء کی رائے ہے کہ آپ پہلی صدی ہجری کے مجدد تھے اور امام شافعیؒ و سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ آپ پانچویں خلیفۂ راشد تھے۔

آپؒ شاہی خاندان میں پیدا ہوئے اس لئے دولت و ثروت میں پرورش پائی لیکن دنیوی جاہ و جلال کے بجائے اپنے دامنِ دل کو دولتِ آخرت سے پُر کرنا پسند کیا۔ ان کے والد نے جب انہیں دمشق سے مصر اپنے دارالامارت

لے جانا چاہا تو آپ نے کہا " اے باپ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ مجھے مصر کے بجائے مدینہ منوّرہ حاضر ہونے کی اجازت دے دی جائے تاکہ میں وہاں رہ کر علماء و فقہاء کی صحبت سے استفادہ کر دں"۔ باپ نے اجازت دے دی۔ ذہانت و فطانت اور شوق و محنت نے اس درجہ تک پہنچا دیا کہ اگر آپ کے لیے حکومت مقدر نہ ہو چکی ہوتی تو آپ یقیناً مسندِ علم و فضل کے صدر نشین ہوتے۔ ابو نصر مدینی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن سلیمان بن یسار کو عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کی قیام گاہ سے نکلتے دیکھا تو اُن سے پوچھا کہ کیا آپ انہیں پڑھاتے ہیں؟ سلیمان نے جواب دیا" خدا کی قسم وہ تم سب سے زیادہ جانتا ہے"۔ مجاہد کہتے ہیں" ہم عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کو پڑھانے آئے مگر اُن سے پڑھ کر اُٹھے"۔ میمون بن مہران کا قول ہے" عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے سامنے علماء وقت کی حیثیت شاگردوں کی سی ہے"۔ لیث کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے حلقہ ہائے درس میں بیٹھ چکا تھا کہ" ہم نے جس مسئلہ کی بھی تحقیق کی عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کو اس کے اصول و فروع پر سب سے زیادہ حاوی پایا۔

خلافتِ راشدہ کا سنگِ بنیاد شوریٰ تھا یعنی احکام اسلام کے نفاذ کی ذمہ داری جس شخص سے متعلق ہو وہ جمہور کی رائے سے منتخب ہوا ہو۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا کہ یہ بنیاد متزلزل ہو چکی تھی۔ ہر خلیفہ اپنے بعد حکومت کے لئے ایک یا ایک سے زیادہ ولی عہد مقرر کر دیا جاتا تھا، خود عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کا تقرر بھی اسی طرح ہوا تھا۔ آپ نے سب سے پہلے اسی بنیاد کو درست کیا اور مسلمانوں کو جمع کر کے اعلان کر دیا کہ میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے کے بغیر مجھے خلافت ملی ہے میں اس سے

دست بردار ہوتا ہوں تم جسے چاہو خلیفہ منتخب کر لو۔" لوگ پکار اُٹھے "ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے ہم سب آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔" آپ نے لوگوں کو درست کرنے کے بجائے پہلے خود اپنے آپ کو اپنے خاندان کو درست کیا اور اصلاح کی پہلی ضرب اپنے گھر پہ لگائی۔ اپنی ذات کے تمام قیمتی کپڑے اور سامان بیچ کر بیت المال میں جمع کروا دیا بیوی سے تمام زیورات لے لئے اور اس کے باپ کا دیا ہوا ایک قیمتی ہیرا لیتے وقت اُسے یہ کہا کہ "یا یہ ہیرا بیت المال میں جمع کرا دو یا مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" پھر اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ "خدا کی قسم میں تم سے جاگیریں واپس لے کے چھوڑوں گا خواہ تمہیں رسوا کیوں نہ کرنا پڑے۔" اپنے زمانے کا سب سے خوش لباس بعد میں پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر خوش ہوتا۔

ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ بن عبد العزیز اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے بھی زہد و تقویٰ میں آگے ہیں کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ بن عبد العزیز کے پاس دُنیا پوری آن بان کے ساتھ آئی اور انھوں نے اُسے ٹھکرا دیا اور اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو دُنیا سے واسطہ ہی نہیں پڑا۔ خشوع و خضوع کا یہ حال تھا کہ جب موت کا ذکر آتا تو آپ کے بدن پہ لرزہ طاری ہو جاتا۔ آپ کی بیوی فاطمہ کہتی ہیں کہ عشاء کی نماز پڑھ کر مصلے پہ بیٹھ جاتے اور روتے رہتے یہاں تک کہ آنکھ جھپک جاتی۔ جب آنکھ کھلتی تو پھر رونے لگتے اور یہ سلسلہ صبح تک رہتا۔

امراء و حکام بادشاہ کے دست و بازو ہوتے ہیں۔ آپ نے تمام امراء و حکام کو عادلانہ نظام قائم کرنے کے لئے ہدایات جاری کر دیں اگر

سختی اور ظلم و ستم کی بجائے نرمی اور رحمت و شفقت سے معاملات طے کرنے کا حکم دیا۔ ذمیوں سے وہ سلوک کیا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی دُنیا امن و امان کا گہوارہ بن گئی۔ آپ کی وفات کی خبر سُن کر شاہِ رُوم نے رو کر کہا :-

"اگر عیسٰیؑ مسیح کے بعد کوئی شخص مُردوں کو زندہ کر سکتا تو وہ عمرؓ بن عبدالعزیزؒ ہوتے۔ میں اُس راہب کو پسند نہیں کرتا جو دُنیا سے منقطع ہو کر عبادت خانہ میں جا بیٹھے۔ میں اُس راہب پر تعجب کرتا ہوں جو دُنیا کو اپنے قدموں کے نیچے رکھتا تھا اور پھر بھی راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔"

سوالات

۱۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کی سیرت اور طرزِ سیاست پر ایک مضمون قلم بند کرو۔

۲۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے جو اصلاحات نافذ کیں ان کی نوعیت اور نتائج سے بحث کرو۔

۳۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ پانچویں خلیفۂ راشد تھے؟ یہ کہاں تک درست ہے؟

یزید بن عبدالملک

۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ

یزید بن عبدالملک بن مروان ۶۵ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں عاتکہ یزید بن معاویہ کی لڑکی تھی سلیمان بن عبدالملک نے عمرؓ بن عبدالعزیزؒ اور یزید بن عبدالملک کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کر دیا تھا چنانچہ وصیت کے مطابق یہ تخت نشین ہوا۔ خلیفہ ہونے کے بعد صرف چالیس روز تک حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے نقش قدم پہ چل سکا پھر ان کی قائم کردہ تمام اصلاحات منسوخ کر کے دوبارہ حکومت کو بنی امیہ کے پرانے دستور کے مطابق کر دیا۔ یہ پہلا خلیفہ تھا جس نے شراب پینی شروع کی اور راگ ورنگ میں وقت ضائع کیا۔

یزید بن مہلب کی بغاوت

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے یزید بن مہلب والئے خراسان کو خراج نہ ادا کرنے پہ قید کر رکھا تھا لیکن ان کے آخر وقت میں وہ قید سے بھاگ گیا تھا کیونکہ اُسے ڈر تھا کہ اِن کے بعد یزید بن عبدالملک اُس کو زندہ نہ چھوڑے گا ابنِ مہلب بھاگ کر بصرہ پہنچا جہاں عدی بن ارطاۃ والی تھا۔ ابنِ مہلب نے اپنے حامیوں کی مدد سے عدی بن ارطاۃ کو نکال کر خود بصرہ پہ قبضہ کر لیا اور فارس اور اہواز تک اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کے فوراً بعد ابنِ مہلب نے

شام پر حملہ کرنے کے لئے ایک بھاری فوج تیار کی اور لوگوں کو جہاد پر اکسایا کہ بنی امیہ کے مقابلہ میں آنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت پر لبیک کہنے کے مترادف ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے اس کی مخالفت کی لیکن لوگوں نے انہیں اس خیال سے خاموش کرادیا کہ کہیں ابن مہلب انہیں قتل نہ کر دے۔

پھر یزید بن مہلب فوج کے ساتھ واسط کی طرف نکلا۔ ادھر یزید بن عبدالملک نے اس کے مقابلہ کے لئے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو فوج دے کر بھیجا۔ دونوں میں سخت جنگ ہوئی۔ جنگ میں یزید بن مہلب اور اس کا بھائی حبیب دونوں مارے گئے اور مسلمہ کو فتح نصیب ہوئی۔ مہلب کے باقی بیٹے بصرہ سے کشتیوں پر سوار ہو کر مشرق کی جانب بھاگ نکلے۔ اور ایک فوجی دستہ تعاقب میں بھیجا گیا۔ کرمان کے قریب جب کشتیوں سے اترے تو قندابیل کے مقام پر فوجی دستے سے مقابلہ ہوگیا۔ سوائے دو بچوں ابوعتبہ بن مہلب اور عثمان بن مفضل بن مہلب کے کوئی اور زندہ نہ چھوڑا گیا۔ چنانچہ مہلب جیسے نامور سپہ سالار کا تمام خاندان ختم ہو گیا۔

فتوحات اسی دوران میں سمرقند کے ترکوں اور اہلِ سغد نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ سعید حرشی آلِ مہلب کے خاتمے کے بعد خراسان کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔ سعید حرشی نے بھاری فوج کے ساتھ سغدیوں اور ترکوں سے جنگ کی اور ان پر قابو پا لیا۔

خزر اور آرمینیہ میں ثبیت نہرانی سرحد پر متعین تھا۔ اہلِ خزر نے آس پاس سے مدد لے کر مرج حجارہ کے مقام پر مسلمانوں سے جنگ کی۔ اسلامی فوج کو شدید نقصان پہنچا اور مسلمان بھاگ کر شام میں آ گئے۔ یزید بن عبدالملک

نے جراح بن عبداللہ حکمی کو لشکر جرار دے کر روانہ کیا۔ یہ لشکر پہلے بردعہ پہنچا پھر دریائے کر کو عبور کر کے اہل خزر پر حملہ آور ہوا اور دشمن کو شکست فاش دی۔ پھر اسلامی فوج نے تھوڑا آگے بڑھ کر ایک مضبوط قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ پھر بلنجر پر چڑھائی کی، بڑی خون ریز جنگ کے بعد مسلمان فتح یاب ہوئے۔ بادشاہ بھاگ گیا تھا جراح نے بادشاہ کے پاس اس کے بیوی بچے بھی محفوظ بھیج دیئے۔ یہ مہربانی دیکھ کر بادشاہ خود حاضر ہو گیا۔ جراح نے بادشاہ کو اس کا سارا مال دے دیا اور شہر بھی واپس کر دیا اور شرائط طے کر لیں کہ وہ مسلمانوں کا وفادار رہے گا اور خلیفہ کو مسلمانوں کے دشمنوں کی اطلاعات دیتا رہے گا۔

ولی عہدی

یزید بن عبدالملک کا ارادہ تھا کہ اپنے بعد اپنے بیٹے ولید کو ولی عہد بنائے لیکن مشیروں نے مشورہ دیا کہ ولید کم سن بچہ ہے اس لئے یہ درست قدم نہ ہو گا۔ چنانچہ یزید نے اپنے بعد اپنے بھائی ہشام بن عبدالملک اور اپنے بیٹے ولید بن یزید کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کر دیا۔

وفات

۲۵ شعبان ۱۰۵ھ کو یزید بن عبدالملک سِل کی بیماری میں مبتلا رہ کر فوت ہو گیا۔ عمر تقریباً چالیس برس تھی اور مدتِ خلافت چار برس ایک مہینہ۔

ہشام بن عبد الملک

۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ

یزید بن عبد الملک کے بعد اُس کا بھائی ہشام بن عبد الملک ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ ہشام ۷۲ھ میں پیدا ہوا تھا جب کہ عبد الملک عراق میں مصعب بن زبیرؓ کے ساتھ جنگ میں مشغول تھا۔ اس کی والدہ عائشہ بنت ہشام بن اسماعیل مخزوم خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ والدہ نے اپنے باپ کے نام پہ بچہ کا نام رکھا تھا اور اسی نام سے مشہور ہوا۔ یزید کی وفات پہ ہشام رصافہ میں تھا وہیں تاج پوشی کی رسم ادا کی گئی پھر دمشق پہنچا اور عام بیعت ہوئی۔ ہشام بڑا مدبر، حلیم اور عقل مند خلیفہ تھا۔ بیس برس حکمرانی کی اور اندرونی اور بیرونی سب مہمات درپیش تھیں لیکن وہ اپنی ہمت اور استقلال سے سب پہ قابو پا گیا، اسی لئے بنی امیہ کے بہترین خلفاء میں شمار ہوتا ہے۔

مہمات و فتوحات

خراسان و ترکستان بنی امیہ میں ایک بُری بات یہ پیدا ہو گئی تھی کہ وہ قومی عصبیت کا شکار ہونے لگے۔ ہشام قحطانیوں کو پسند کرتا تھا اور مضریوں کو ناپسند۔ چنانچہ اُس نے عراق

کے والی ابن ہبیرہ کو جو مضری تھا معزول کر کے وہاں خالد بن عبداللہ قسری کو مقرر کیا جو قحطان قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ خالد نے اپنی مرضی سے اپنے بھائی اسد بن عبداللہ کو خراسان کا اور جُنید بن عبدالرحمٰن کو سندھ کا والی بنا کر بھیج دیا۔ اسد بڑا بہادر اور شجاع تھا اس نے ہرات اور غور کے پہاڑوں میں کئی جنگیں کیں اور فتح حاصل کی۔ ۱۰۷ھ میں اس نے شہر بلخ آباد کیا اور برمک (برمکی خاندان کا باپ) نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔ یہاں فوجی چھاؤنی بھی قائم کی۔ اسد مضریوں کا سخت مخالف تھا اس لئے نصر بن سیار، عبدالرحمٰن بن نعیم، سورہ بن حر وغیرہ کو جو بڑے بڑے نامور لوگ تھے کوڑے لگوا کر اور سر منڈوا کر اپنے بھائی خالد کے پاس عراق بھیجا۔ ہشام کو جب معلوم ہوا تو اس نے خالد کو لکھا کہ اسد کو فوراً معزول کر دو۔ چنانچہ ہشام نے خود اسد کی جگہ اشرس بن عبداللہ سلمی کو خراسان کا والی مقرر کر دیا۔ اشرس حلیم اور فاضل آدمی تھا۔ اہلِ خراسان اس کے آنے پر بہت خوش ہوئے۔ اسی کی کوشش سے بہت سے ذمی مسلمان ہو گئے جس سے جزیہ کی آمدنی میں خاصی کمی ہو گئی۔ صدر مقام دمشق سے سمرقند کے حاکم کو حکم آیا کہ جو ختنہ کرائے، قرآن پڑھے اور شرعی فرائض کی پابندی کرے اس کا جزیہ چھوڑ دو باقی سب سے وصول کرو۔ سمرقند میں اشرس کی طرف سے ابوصیدا تبلیغِ دین پر مامور تھا۔ سمرقند میں ابوصیدا نے اس حکم کی مخالفت کی اور نومسلموں کو کہا کہ تم پرواہ نہ کرو اور جزیہ مت ادا کرو۔ دیگر مسلمانوں نے بھی ابوصیدا کا ساتھ دیا۔ لیکن اشرس کے امیر فوج نے لوگوں پر سختی شروع کر دی جس سے بہت سے نومسلم دین چھوڑ گئے اور ترکوں سے جا ملے۔ اشرس خود فوج لے کر آیا اور دریائے جیحون کو عبور کر کے باغیوں کے مرکز بیکند کا محاصرہ کر لیا۔ ترکوں

نے پانی روک لیا لیکن مسلمانوں نے زبردستی پانی چھین لیا اور خونریز جنگ ہوئی جس میں مسلمان غالب رہے۔

خاقانِ ترکستان نے یہ دیکھ کر کہ ہر طرف شورش بپا ہے خراسان کے سب سے بڑے شہر کمرجہ پہ حملہ کر دیا جہاں کچھ مسلمان، سغدی، ذمّی اور دوسرے لوگ موجود تھے۔ مسلمانوں نے قلعہ بند ہو کر مدافعت کی جنگ کہ عورتوں اور بچوں نے بھی شرکت کی۔ خاقان کی سخت دھمکی کا بھی اہل کمرجہ پہ کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر تنگ آ کر خاقان نے محاصرہ اُٹھا لیا۔ مسلمان نکل کر دبوسیہ میں آ گئے۔

سنہ ۱۱۱ھ میں ہشام نے اشرس کو معزول کر کے اس کی جگہ جنید بن عبدالرحمٰن کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ جنید نے قحطانیوں کو معزول کر دیا اور ہر جگہ مضری عمال مقرر کر دیئے۔ پھر جنید نے ترکستان پہ کئی حملے کئے اور انہیں شکست فاش دی اور خاقان کا چچیرا بھائی گرفتار کر لیا۔ سنہ ۱۱۲ھ میں جنید نے طخارستان پہ فوج کشی کر دی۔ اُدھر سمرقند کے مسلمانوں پہ ترکوں نے حملہ کر دیا۔ سمرقند کے حاکم سورہ بن الحرا نے مدد کے لئے جنید کو لکھا۔ جنید کے پاس اگرچہ فوج تھوڑی تھی جلدی سے دریائے جیحون پار کر کے آگے بڑھا۔ سمرقند کے قریب تھا کہ خاقان بھاری فوج لے کر مقابلہ میں آیا۔ سخت معرکہ ہوا اور کئی دن لڑائی جاری رہی مسلمان تھوڑے تھے لیکن بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ جنید نے صورتِ حالات کا جائزہ لے کر سورہ کو لکھا کہ سمرقند چھوڑ کر فوراً ہمارے ساتھ آ ملو۔ سورہ بارہ ہزار آدمی لے کر پہنچ گیا لیکن دونوں اسلامی لشکروں کے درمیان ترک فوج آ دھمکی۔ سورہ نے زبردست حملہ کیا جس سے ترک بھاگ نکلے لیکن

مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا خود سورہ گھوڑے سے گر کر فوت ہو گیا۔
اُدھر جنید نے دشمن پر زوردار حملہ کیا اور شکست دے کر سمرقند میں داخل ہو گیا اور وہاں سے مسلمانوں کے اہل وعیال نکال لیے۔ چار ماہ بعد خاقان نے پھر بخارا پر حملہ کیا لیکن شکست کھا کر واپس چلا گیا۔
سنہ ۱۱۶ھ میں جنید نے یزید بن مہلب کی بیٹی فاضلہ سے نکاح کر لیا۔ ہشام اس پر اس قدر ناراض ہوا کہ اُسے معزول کر کے عاصم بن عبداللہ ہلالی کو خراسان کا والی مقرر کر کے اُسے ہدایت کی کہ جنید اگر سکرات موت میں بھی ملے تو اس کا گلا گھونٹ دینا۔ لیکن اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ عاصم کے پہنچنے سے پہلے ہی جنید فوت ہو گیا۔ عاصم نے خراسان پہنچ کر جنید کے قائم کردہ تمام عمال کو معزول کر کے قید کر دیا۔ عاصم کے مشورہ پر ہشام نے خراسان کا الحاق عراق سے کر دیا تھوڑے عرصہ بعد عاصم کو بھی معزول کر دیا اور اس کی جگہ پھر اسد بن عبداللہ کو مقرر کر دیا اور اس کے بھائی خالد کو والی عراق کے تحت کر دیا۔ عاصم نے بغاوت کرنی چاہی لیکن لشکر نے انکار کر دیا۔ اسد نے آ کر عاصم کو گرفتار کر لیا اور جنید کے عمال رہا کر دیئے گئے۔ اسی دوران میں خاقان نے پھر سر اُٹھایا۔ اسد نے شکست فاش دی اور اپنے آباد کیے ہوئے شہر بلخ کو فوجی مرکز بنا لیا۔ اور سارے علاقے میں پھر سے امن و امان قائم کر دیا
سنہ ۱۱۹ھ میں اسد نے ختل (ترکستان کا شہر) پر حملہ کیا۔ ترک مقابلہ نہ کر سکے مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور فوج بھیج کر آس پاس کے رؤسائ کو بھی مطیع کر لیا۔ سنہ ۱۲۰ھ میں اسد نے بلخ میں وفات پائی۔ ہشام نے اس کی جگہ نصر بن سیار کو والی خراسان مقرر کر دیا۔ نصر نے مشرقی علاقوں میں بہت سی جنگیں کیں اور ہر بار کامیاب رہا۔ نصر نے نومسلموں کا جذیہ بھی ختم

کر دیا جس کی وجہ سے اسلام پھیلنے لگا۔ سنہ ۱۲۱ھ میں ہی ہشام نے خالد بن عبداللہ قسری کو عراق سے معزول کر کے یوسف بن عمر ثقفی کو امیر مقرر کر دیا۔ یہ شخص ایک طرف تو نہایت عبادت گذار تھا اور دوسری طرف جاہل اور احمق، اس لئے بے رحمی سے لوگوں کے ساتھ سلوک کرتا تھا۔

امام زید

یوسف بن عمر ثقفی کے زمانہ میں (سنہ ۱۲۲ھ) امام زید بن علی بن حسینؓ نے کوفہ کے پندرہ ہزار آدمیوں کو ساتھ ملا کر علم بغاوت بلند کر دیا۔ امام ابوحنیفہؒ بھی امام زید کے حامیوں میں سے تھے۔ لیکن جب یوسف بن عمر فوج لے کر مقابلہ کے لئے آیا تو بہت سے کوفیوں نے صرف اس بات پر کہ امام زید حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو بُرا نہیں کہتے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ امام کے ساتھ صرف دو سو آدمی رہ گئے۔ لڑائی ہوئی اور امام قتل ہو گئے لوگوں نے دفن کر دیا۔ یوسف بن عمر نے قبر سے نکال کر سولی پر چڑھایا پھر سر کاٹ کر دمشق بھیجا جو ہشام کے حکم سے دمشق کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ یمن میں بھی کچھ لوگ امام زید کے حامی تھے جو آج تک زیدی کہلاتے ہیں۔

آرمینیہ و آذربائی جان

ہشام کے عہد میں دوسرا بڑا محاذ آرمینیا اور آذربائی جان کا علاقہ تھا۔ یہاں آٹھ برس تک جنگیں ہوتی رہیں سنہ ۱۰۸ھ میں ہشام نے جراح کو معزول کر کے اپنے بھائی مسلمہ کو بھیجا جس نے کئی علاقے فتح کر لئے۔ ہشام نے بھائی کو واپس بلا کر پھر جراح کو وہاں بھیجا۔ جراح نے سنہ ۱۱۱ھ میں خزر پر فوج کشی کی۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی مسلمانوں کو شکست ہوئی اور جراح شہید ہو گئے۔ دشمن نے کئی دوسرے اسلامی مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔ ہشام نے

سعید حرشی والیٔ خراسان کو فوج دے کر بھیجا۔ سعید نے ایک ایک کر کے سب علاقے دشمن سے چھڑا لئے۔ پھر اردبیل پر حملہ کیا۔ رات کا وقت تھا دشمن کا ایک فرد بھی بچ نہ سکا۔ تمام مسلمان قیدی آزاد ہو گئے۔ اہلِ خزر پھر جمع ہو کر نکلے لیکن مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ گئے۔ ہشام نے پھر سعید کو بلا کر مسلمہ کو بھیجا۔ لیکن اسی دوران میں مسلمہ فوت ہو گیا۔ ۱۱۴ھ میں ہشام نے مروان بن محمد کو بھاری فوج دے کر بھیجا۔ مروان کی فوج نے بہت سے علاقے فتح کر لئے۔ آس پاس کے تمام لوگ سہم گئے اور مصالحت کر لی۔

سندھ کا علاقہ

ایک عرصہ سے سندھ کی مہموں کا سلسلہ بند پڑا تھا۔ ہشام نے اپنے عہد ۱۰۷ھ میں جنید بن عبدالرحمٰن کو بھیجا۔ جنید نے دریائے سندھ کے کنارے فتوحات شروع کر دیں جہاں راجہ داہر کا لڑکا جے سنگھ حکمران تھا۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے عہد میں جے سنگھ مسلمان ہو گیا تھا اس لئے اس کی حکومت اسی کو دے دی گئی تھی۔ جے سنگھ نے جنید کو اطلاع دی تھی کہ مسلمان ہوں اس لئے میرے علاقہ میں پیش قدمی نہ کرو مجھے خطرہ ہے۔ جنید نے منظور کر لیا لیکن راستہ وہی تھا اس لئے جے سنگھ جنید کی فوجوں کی آمد سے بدگمانی میں پڑا اور اس قدر خائف ہوا کہ مرتد ہونے کا اعلان کر کے بحری بیڑے کے ساتھ مقابلہ پر آکھڑا ہوا۔ سخت مقابلہ ہوا۔ جے سنگھ قتل ہو گیا۔ اس کے بعد جنید نے کیرج کا علاقہ جو باغی ہو گیا تھا دوبارہ فتح کر لیا۔ پھر کئی دوسرے علاقے فتح کئے اور بڑا عمدہ انتظام حکومت قائم کر دیا۔ ۱۱۱ھ میں جنید کی جگہ تمیم حکمران ہو کر آیا۔ یہ نااہل آدمی تھا اس لئے کبیر

سے بغاوتیں بلند ہونے لگیں۔ ہشام نے اسے بھی واپس بلا لیا اور حکم بن عوانہ کو بھیجا۔ حکم نے بہت جلد باغیوں کا سر دبا دیا اور پھر امن و امان قائم کر دیا۔

فرانس پر حملہ اندلس کی فتح کے بعد فرانس پہ فوج کشی کا خیال سب سے پہلے ہشام کے زمانہ میں عملی صورت میں آیا جس سے مسلمان وسط فرانس تک پہنچ گئے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی بعض والیوں نے اس کی کوشش کی تھی لیکن ناکامی ہی رہی تھی۔

اس مہم کی پہلی کوشش تو ولید کے عہد میں ہوئی تھی لیکن ناکام رہی دوسری کوشش حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں سمح بن مالک والئے اندلس نے کی اور ۱۰۲ھ میں فرانس پہ فوج کشی کر دی اور جبل البرانس کے پار جنوبی فرانس میں نارمن کی ریاست کا محاصرہ کیا آخر انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔

نارمن کے بعد سمح بن مالک طلوشہ (ٹولوس) کی طرف بڑھا اور محاصرہ کر لیا۔ ان لوگوں نے بھی اطاعت قبول کر لینے کا ارادہ کیا لیکن ان کا بادشاہ (ڈیوکس) ایک بھاری فوج لے کر مسلمانوں پہ حملہ آور ہوا۔ سخت معرکہ ہوا۔ امیر سمح اسی جنگ میں شہید ہو گئے اور مسلمانوں کو شکست ہوئی۔

تیسری کوشش ۱۰۷ھ میں ہوئی جب عنبسہ بن سحیم والئے اندلس بن کر آیا۔ عنبسہ نے جبل البرانس پار کر کے قرقشونہ (کرکسون) کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ قرقشونہ نے جزیہ دے کر صلح کر لی اور مسلمان قیدی رہا کر دیئے اور مسلمانوں سے دوستی کا عہد کر لیا۔ آس پاس کے

کئی امراء نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد عنبسہ اندرونِ ملک کی طرف بڑھا اور شہر اوٹن اور دریائے رہون کی شاداب وادی تباہ کر دیئے۔ عیسائیوں کے کئی جتھوں نے اسلامی فوج پہ حملے کئے اسی دوران میں ایک دہقانی عیسائی لشکر سے مقابلہ کرتے ہوئے امیر عنبسہ شہید ہو گئے۔ فوتیدگی سے پہلے امیر عنبسہ عروہ بن عبداللہ کو اپنا جانشین بنا گئے تھے۔

چوتھا حملہ ۱۱۳ھ میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ دالئ اندلس نے کیا۔ یہ شخص بڑا بہادر اور مدبر تھا۔ سب سے پہلے عبدالرحمٰن نے اندلس کا اندرونی انتظام درست کیا۔ پھر اعلیٰ پیمانے پہ حملہ کے انتظامات کیے۔ اسلامی لشکر ابھی سرحدِ فرانس پہ ہی پہنچا تھا کہ امیر عثمان (بربری) باغی ہو گیا۔ وجہ یہ تھی کہ عثمان پہلے سارے اندلس کا حاکم تھا پھر معزول کر کے ایک چھوٹے سے علاقے وار سرحد کا حاکم بنا دیا گیا۔ چونکہ بربری تھا عربوں کا سخت دشمن ہو گیا اور ڈیوک آف ایکی ٹین (طلوشہ) کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ عبدالرحمٰن نے ابنِ زیان کو تھوڑی سی فوج دے کر عثمان کی سرکوبی کے لیے آگے بھیجا۔ عثمان پہاڑی علاقہ میں بھاگ گیا۔ ابنِ زیان نے تعاقب کر کے پکڑ لیا اور قتل کر دیا۔ اس کے بعد اسلامی لشکر فرانس کے میدانی علاقہ میں داخل ہو گیا۔ اس علاقے کے تمام سردار اپنی فوجیں لے کر ڈیوک کے ساتھ مل گئے اور متحد ہو کر اسلامی فوج کے مقابلہ میں آئے۔ سخت معرکہ ہوا اور عیسائی شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ مسلمان فتح کرتے ہوئے بورڈیو کی بندرگاہ تک پہنچ گئے اور ڈیوک کے سارے ساز و سامان کو چھین

لیا۔ پھر یہاں سے شمالی جانب دریائے ڈاردون پر ڈیوک نے پھر روکنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ساری عیسائی فوج کو ختم کر دیا اور دریا پار کر کے سینٹ ہاری کے مشہور گرجے کی بہت بڑی دولت پر قبضہ کر لیا۔ اُدھر ڈیوک نے اپنے حریف چارلس مارٹل کو غیرت دلا کر ساتھ ملا لیا اور قومی جنگ کی دعوت دے کر ہر طرف سے فوجیں امداد کے لئے بلالیں۔ اسلامی فوج ٹورس کے قریب تھی اُدھر سے چارلس بہت بڑی فوج لے کر آگیا۔ سخت خون ریز جنگ ہوئی۔ اسلامی فوج تھوڑی تھی لیکن بڑی ثابت قدمی سے لڑتی رہی۔ آخر مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑنے لگے عبدالرحمٰن جوش میں آکر دشمنوں میں گھس گئے اور سینکڑوں زخم کھا کر شہید ہو گئے۔ رات ہو چکی تھی لڑائی دوسرے دن کے لئے بند ہو گئی۔ مسلمانوں نے رات کی تاریکی میں میدان خالی کر دیا لیکن چارلس مسلمانوں سے اس قدر خوفزدہ تھا کہ تعاقب کرنے کی ہمت نہ کی۔ اسی جنگ میں عیسائیوں کی کامیابی پر چارلس کو مارٹل (ہتھوڑا) کا لقب ملا تھا۔

اس حملہ کی ناکامی کے بعد عبداللہ بن حجاب والئے افریقہ نے عبدالملک بن قطن فہری کو اندلس کا والی بنا کر بھیجا۔ عبدالملک بن قطن نے بھاری فوج کے ساتھ فرانس پر حملہ کیا۔ یہ فرانس پر پانچواں حملہ تھا۔ عبدالملک نے ناعاقبت اندیشی سے موسم کا لحاظ نہ کیا۔ برسات کی وجہ سے تمام ندی نالے طغیانی پر تھے اس لئے مسلمانوں کو قدم قدم پر مشکلیں پیش آئیں۔ آخر اسلامی فوج نے واپسی اختیار کر لی۔

افریقیہ کے والی ابن حبحاب نے عبدالملک کو معزول کر کے ۱۱۶ھ میں عقبہ بن حجاج کو اندلس کا والی مقرر کر دیا۔

افریقیہ میں حالات

عقبہ بن حجاج نے اندلس کی بدانتظامی کو فوراً ٹھیک کر دیا اور سرحدوں پر امن و امان قائم کیا۔ پھر بعض غیر مفتوحہ علاقوں کو مطیع کر لیا۔ ادھر عبیداللہ بن حبحاب والیٔ افریقیہ نے حبیب بن ابی عبیدہ کو فوج دے کر سوڈان روانہ کیا۔ حبیب نے جاتے ہی سوڈان فتح کر لیا اور آس پاس کے تمام علاقے بھی مطیع کر لیے۔ سوڈان کی فتح سے مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا سونا بطور مال غنیمت آیا۔

ابن حبحاب نے نئے بحری کارخانے قائم کیے اور بحری بیڑے کو ترقی دے کر ۱۱۷ھ میں حبیب کے ذریعے جزیرہ سردانیہ پر قبضہ کر لیا۔ ۱۲۲ھ میں حبیب کو جزیرہ صقلیہ پر بھیجا۔ یہاں حبیب کے نامور فرزند عبدالرحمٰن بن حبیب نے رومیوں کو شکست دی اور سرقوسہ کا محاصرہ کر لیا۔ چند دنوں بعد اہل سرقوسہ نے ہتھیار ڈال دیے اور سارا جزیرہ فتح کر لیا گیا۔

افریقیہ کے بربری عربوں سے تعصب رکھتے تھے اس لئے جب کبھی موقع ملتا وہ بغاوت کر دیتے تھے۔ طنجہ کے علاقہ کا امیر عمر بن عبداللہ مرادی تھا اس نے بربریوں سے ٹیکس وصول کرنے میں سختی کی۔ اس زمانے میں افریقیہ کی فوجیں سسلی کی مہم پر تھیں اس لئے طنجہ خالی پڑا تھا۔ موقع نہایت مناسب جان کر بربریوں نے بغاوت کر دی۔ شمالی افریقہ میں خوارج کی بڑی تعداد تھی وہ بھی بربریوں سے مل گئے اور انہوں نے [illegible]

قتل ہو گئے۔ خارجی اور بربری مل کر طنجہ پر حملہ آور ہوئے۔ عمر بن عبداللہ مقابلہ کے لئے آیا لیکن قتل ہو گیا۔ بربریوں نے طنجہ پر قبضہ کر لیا اور عربیوں کو نہایت بے دردی سے قتل کرنا شروع کیا۔ اس علاقہ کی خبر سُن کر باقی افریقہ کے بربری بھی باغی ہو گئے ہر علاقہ سے عرب حکام کو نکال کر خود قابض ہو گئے۔ ابن حجاب نے فوراً حبیب بن ابی عبیدہ کو صقلیہ سے واپس بلا لیا اور اس کے بڑے خالد کو بربریوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ طنجہ پر خون ریز جنگ ہوئی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ دوسری جنگ پھر طنجہ میں ہی ہوئی۔ حبیب اس دفعہ عرب کے بڑے بڑے نامور شرفاء اور سپہ سالار ساتھ لایا تھا سخت معرکہ ہوا لیکن سب شرفا شہید ہو گئے۔ اسی لئے یہ جنگ "جنگ اشراف" کہلاتی ہے۔

بربریوں کی کامیابی سُن کر اندلس کے بربریوں نے بھی بغاوت کر دی۔ ہشام نے ابن حجاب کو معزول کر کے ۱۲۳ھ میں کلثوم بن عیاض کو تیس ہزار فوج کے ساتھ افریقہ بھیجا اور ہدایت کر دی کہ کلثوم قتل ہو جائے تو اس کا بھتیجا بلج بن بشر سپہ سالار بنے۔ کلثوم قیروان پہنچا تو شکست خوردہ فوجیں بھی ساتھ مل گئیں اور مجموعی تعداد ستر ہزار ہو گئی۔ کلثوم طنجہ کی طرف بڑھا تو سخت معرکہ ہوا۔ شامی فوج بڑی جواں مردی سے لڑی لیکن بربری بہت زیادہ تھے اس لئے اسلامی فوج شکست کھا گئی اور ایک تہائی مسلمان مارے گئے خود کلثوم سپہ سالار بھی میدان جنگ میں کام آیا۔ بہت سے مسلمان گرفتار ہو گئے۔ بلج بن بشر بچے ہوئے مسلمانوں کو لے کر سبتہ چلا گیا۔

ہشام نے غضب ناک ہو کر حنظلہ بن صفوان کلبی کو تیس ہزار اعلیٰ

فوج دے کر افریقہ روانہ کیا اور اس کے چچیرے بھائی ابوالخطار کو اندلس کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ حنظلہ قیروان پہنچا تو بربریوں نے مقابلہ کیا بیشمار بربری مارے گئے۔ اس کے بعد بربریوں کا دوسرا لشکر تین لاکھ فوج کے ساتھ آپہنچا۔ قیروان کے قریب ہی اسلامی فوج سے مقابلہ ہوا۔ مسلمان صرف چالیس ہزار تھے۔اس لئے شکست کھائی۔ اس شکست کے بعد حنظلہ نے جہاد پر پُرجوش تقریریں کیں جس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمان عورتوں تک نے جان پہ کھیل جانے کی قسم کھالی۔ چنانچہ پھر جنگ ہوئی مسلمان اس بہادری سے لڑے کہ مقابلہ کے بے شمار بربری بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے انہیں قتل کیا۔ اس جنگ میں تقریباً دو لاکھ بربری قتل ہو گئے۔ اور شمالی افریقہ میں ان کی قوت ختم ہو گئی۔

دعوتِ تحریک عباسیہ

شروع سے ہی خلافت کے اصل دعویدار اہلِ بیت نبوی تھے یا ان کے بعد حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد لیکن سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں یہ منصب علویوں سے آلِ عباسؓ میں منتقل ہو گیا۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد شیعانِ علیؓ نے حضرت امام زین العابدینؒ کے سامنے منصب امامت پیش کیا لیکن وہ واقعات سے اس قدر دل شکستہ ہو گئے تھے کہ انکار کر دیا۔ اس کے بعد شیعانِ علیؓ نے حضرت علیؓ کے غیر فاطمی فرزند محمد بن حنفیہ کے سامنے عرض مدعا کیا تو انہوں نے قبول کر لیا۔ اس طرح امامت کا منصب اہلِ بیتِ نبویؐ سے علوی شاخ میں چلا گیا۔ محمد بن حنفیہ کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ جانشین ہوئے اور سارے اسلامی ممالک میں خفیہ دعوت دیتے رہے

ابو ہاشم عبداللہ ایک دفعہ ۱۰۰ھ میں سلیمان بن عبدالملک سے ملنے شام گئے۔ سلیمان نے بہت خاطر مدارات کی اور احترام سے واپس کیا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ واپسی پر سلیمان نے انہیں زہر دلوا دیا تھا۔ راستہ میں مقام حمیمہ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے محمد بن علی بن عباس موجود تھے اس لئے ابو ہاشم وہیں پہنچ گئے اور وفات سے پہلے ہی منصب امامت ان کے سپرد کر دیا تھا اور اپنے عراقی اور خراسانی اتباع کو ہدایت کر دی تھی کہ ان کے بعد محمد بن علی جانشین ہوں گے۔ چنانچہ ابو ہاشم کی وفات کے بعد لوگوں نے محمد بن علی بن عباسؓ کے ہاتھوں پہ بیعت کر لی۔ اور اس طرح امامت کا منصب علویوں سے بنی عباس میں چلا گیا۔

اس کے بعد محمد بن علی نے باقاعدہ تنظیم سے دعوت کا کام شروع کر دیا۔ تجربہ کار لوگوں کی جماعت منتخب کر کے عراق و خراسان روانہ کی۔ ان لوگوں نے بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے کام کیا اور بنی امیہ کے مظالم اور برائیوں کو لوگوں تک پہنچا کر بنی عباس کی دعوت دینی شروع کر دی۔ جب کبھی اس دعوت کا کہیں راز کھلتا چند ایک آدمی پکڑے بھی جاتے اور قتل کر دیئے جاتے لیکن اس سے تبلیغی کارروائی اور سرگرمی میں کوئی فرق نہ پڑتا، ایک مرتا تو دوسرا اس کی جگہ کام کرنے لگتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے زمانہ سے لے کر ہشام کے عہد تک برابر خفیہ تحریک چلتی رہی اور ہزاروں عراقی اور خراسانی اس تحریک میں شریک ہو گئے۔ عوام کے علاوہ بہت سے شرفاء و امراء بھی شامل ہو گئے۔ مشہور عباسی داعی ابو مسلم خراسانی (اس کی تفصیل آگے آئے گی) اسی زمانہ میں اس دعوت میں شامل ہوا تھا۔ ہشام کو بالکل آخر عمر میں اس دعوت کا احساس ہوا چنانچہ اس نے

اس کو ختم کرنے کی راہ نکالی لیکن عمر نے مہلت نہ دی۔

وفات ہشام بن عبدالملک ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں مرضِ خناق میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا اور اپنے نئے دارالخلافہ رصافۃ الشام میں دفن ہوا۔ عمر ۵۵ برس کی تھی اور مدتِ خلافت ۱۹ سال ۹ مہینے۔

سوالات

۱۔ ہشام بن عبدالملک کے عہد کی فتوحات بیان کرو۔

۲۔ ہشام کے عہد میں فرانس پر جو حملے ہوئے ان کی تفصیل لکھو اور بتاؤ کہ اسے فتح کرتے ہیں ناکامی کیوں ہوئی؟

۳۔ تحریکِ دعوتِ عباسیہ کی ابتدا کیسے ہوئی؟ ان کی کامیابی کی کیا وجوہ تھیں؟

ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک

۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ

یزید بن عبدالملک اپنی زندگی میں ہی ہشام کے بعد اپنے
ولید کو خلافت کے لیے نامزد کر گیا تھا۔ چنانچہ وہ ہشام ک
کے بعد ۱۲۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ ہر لحاظ سے نا اہل خلی
نے خلیفہ ہوتے ہی اپنے مخالفوں سے انتقام لینا شروع کر دیا۔
سے پہلے ہشام بن عبدالملک کے اہل و عیال کی جائیداد ضبط
اس کے بعد جن امراء نے اس کو ولی عہدی سے معزول کر
ہشام سے موافقت کی تھی ان کو پکڑ پکڑ کر کوڑے لگوائے اور بعض کو
اتنی اذیتیں دیں کہ وہ مر ہی گئے۔

یہ ظلم و ستم دیکھ کر اہل یمن جو زیادہ تر فوج میں شامل
اس سے بیزار ہو گئے۔ اور بہت سے بنی امیہ ولید کے دشمن بن
اور طرح طرح کی افواہیں پھیلانی شروع کر دیں۔ لوگ خلیفہ
سخت دشمن ہوتے گئے۔ یزید بن ولید بن عبدالملک کی پھیلائی
ہوئی افواہوں نے لوگوں کے دلوں پہ بہت اثر کیا بلکہ یزید بن



مطالعہ تاریخ اسلام

(عہدِ رسالت تا خلافتِ بنی امیہ)

مؤلفہ

پروفیسر محمد ارشد خان بھٹی - ایم۔ اے، ایم ایس سی

صدر شعبہ علوم اسلامیہ و معلّم حیاتیات

ایم۔ اے۔ او۔ کالج، لاہور

ناشر

…ولے لمٹڈ - شاہ عالم بازار - انارکلی - لاہور